باجھ وصال اللہ دے

سہ کہانیاں قصے حضرت سلطان باھو قدس اللہ سرہ

شبیر عبدہ

احوال و مقامات

حضرت سلطان باھو قدس اللہ سرہ

پروفیسر سید احمد سعید ہمدانی

حضرۃ غلام دستگیر اکادمی (پاکستان)

www.yabahu.com

بِینیم بہ سِینہ ہا ضِیا ریزیِء اُو
بیتابیِء عِشق خیزد از ہر بُنِ مُو
سُبحان اللہ! شاہبازِ فقر است
سُلطان العَارفِین حضرت بَاھُو

(حافظ محمد افضل فقیر)

تَرتِیب

	اِظہارِ تشکّر : سیّد احمد سَعید ہَمدانی	8
	دیباچہ : حَافِظ محمّد افضل فقیر (رحمتہ اللہ علیہ)	9
-1	شخصیت : حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ	20
-2	احوال	25
-3	مَردِ فقیر	48
-4	فَقر	55
-5	طریقِ فقر	97
-6	سلُوک	110
-7	عَقائد و افکار	123
-8	اَبیات	160
-9	رسائل و کُتبِ تصوّف	181
-10	سُلطان باھُو اور علامہ اِقبال	213
-11	ضمیمہ۔باب : 9	231
-12	کتابیات	251

www.yabahu.com

اظہارِ تشکر

یہ "احوال و مقامات حضرت سُلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ" کا چوتھا ایڈیشن چھپ رہا ہے۔ عبارت میں کہیں کہیں معمولی سی ترمیم کی گئی ہے۔ جو زیادہ تر لفظی ہے۔ نفسِ مضمون وہی رہا ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ سُلطانی معرفت کے طالبوں نے اس کتاب کو پسند کیا اور حسب توقع اس سے استفادہ کیا' اللہ ہم سب کو عمل کی توفیق دے۔

مَیں جناب سُلطان ارشد القادری دامت برکاتہ' کا شکر گذار ہوں کہ وہ اسے اپنے ادارے کی جانب سے شائع کر رہے ہیں۔ اللہ ان کو اجرِ کثیر عطا فرمائے۔

فقیر خاکسار

نوشہرہ (وادیٔ سُون)

۶ جنوری ۱۹۹۵ء

احمد سعید ہمدانی

www.yabahu.com

بسم اللہِ الرّحمٰنِ الرّحیم

دیباچہ

اَلحمدُ لِلّٰہ و کفیٰ و سَلام علیٰ عبادہ الّذین اصطفیٰ خصوصاً علیٰ سیّد الوریٰ و عَلیٰ صَحبہٖ قدوۃ اھل التّقیٰ بعد ذٰلک ازکی التسلیمات من ارحم الرّحمین الیٰ بُرھان الواصِلین حضرت سُلطان العارفین باھُو بَرّد اللّٰہ مضجعہ و نوّر مَرقدہٗ۔

حضرت سُلطان العارفین باھُو رحمتہ اللہ علیہ سلسلۂ عالیہ قادریہ کے چشم و چراغ ہیں' آپ "سُلطان الفقر" کے عظیم لقب سے بھی ممتاز ہیں۔ سِن ولادت ۱۰۳۹ ہجری ہے اور عالمگیری دور کے مشائخ کبار میں سے ہیں۔ حضور ختمی مرتبت ﷺ کے حسبِ ارشاد آپ کی ولادت پر نام گرامی باھُو رکھا گیا۔ والد ماجد محمّد بازید عالمگیری فوج کے ممتاز عہدہ دار تھے اور ایک شجاع' متقّی اور متشرع انسان تھے۔

حضرت سُلطان باھُو علیہ الرحمتہ نے ظاہرہ علوم کی تحصیل نہیں فرمائی۔ فطرت الٰہیہ نے اس کی تلافی یوں کی کہ آپ رحمتہ اللہ علیہ کو اس شان کا انشراح باطن بخشا گیا کہ اس کی تنویر میں ظاہری علوم کے نقوش و خطوط اضافی حیثیت سے خود بخود لوحِ فکر پر اجاگر ہو گئے۔ اپنے ایک شعر میں اس امر کی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے ؎

اگرچہ نیست مَارا عِلمِ ظاہر
ز عِلمِ باطنی جاں گشتہ طاہر

پھر سب سے بڑھ کر ارشاد خداوندی اس حقیقت پر شاہد عدل ہے: اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ ؎

حضرت سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ نے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا کہ اللہ رب

العزت نے انہیں ظاہری علوم بوساطت جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم القاء فرمائے۔

پروان چڑھنے کے بعد روح میں رجوع الی اللہ کا جذبۂ قوی محسوس ہوا اور مرشد کامل کی تلاش دامنگیر ہوئی' چنانچہ اپنے عہد کے مختلف درویشوں کے پاس گئے۔ بالآخر دہلی پہنچ کر قادریہ سلسلہ کے ایک سربرآوردہ بزرگ حضرت عبدالرحمٰن علیہ الرحمتہ کی خدمت میں باریاب ہوئے اور بیعت۲۔ و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ اس کے علاوہ آپ نسبت اویسی میں نبوت کے آفتاب درخشاں سے براہ راست فروغ گیر تھے۔ ان کے اپنے قول کے مطابق جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی روحانیت عظمیٰ دو مرتبہ جلوہ گر ہوئی اور اس نے آپ کو بارگاہ نبوی میں پیش کیا۔ حضور سرور کونین ﷺ نے آپ کو بیعت کرنے کے بعد زبان فیض ترجمان سے مصطفیٰ ثانی اور مجتبیٰ آخر الزمانی کے فقید المثال خطابات سے نوازا اور خلق خدا کی ہدایت و ارشاد پر مامور فرمایا' چنانچہ اس ارشاد کی تعمیل میں آپ مخلوق کو ظاہری و باطنی فیوض و برکات سے مالا مال کرنے کے بعد جمادی الاخری ۱۰۲۲ ہجری میں رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

بے غرضی و بے نفسی کی جو شان آپ کو نصیب ہوئی' اس کے باعث آپ اقلیم فقر و عرفان میں فرد ہیں۔ فرمایا: میں اپنے نفس کو رسوا کرتا ہوں اور بحکم الٰہی لوگوں کے گھر جاجا کر فیض پہنچاتا ہوں۔ دوسرے مقام پر رقم طراز ہیں کہ میں دنیوی زندگی کے بعد ظاہری جسم کو بھی حریم ذات میں لے جانے کا آرزو مند ہوں تاکہ روئے زمین پر میری قبر کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔

اہل دنیا نام و نمود اور پس مرگ شہرت کے لئے کیا کچھ نہیں کرتے لیکن یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے۔ روح میں فیض رسانی خلق کے بے پناہ جذبہ موجزن ہے' مگر اس ارشاد و ہدایت کے پس منظر میں اپنی ذات کا انتفا ہے۔ ظاہر ہے جب فنائے نفس اس شدت کے ساتھ ہوگی تو بقا باللہ بھی اسی نسبت سے عظیم الشان ہوگی۔ چنانچہ اس وقت چشم خلائق دیکھ رہی ہے کہ وہ عارف ذات جس نے خود کو اس طرح مٹایا کہ

اپنے نام و نشان کی آرزو تک کو بھی کہیں حاشیۂ قلب میں جگہ نہ دی' اسے اللہ رب العزت نے وہ شرف پذیرائی بخشا کہ نہ صرف آپ کے جسد اطہر کو حادثات روزگار کی دستبرد سے محفوظ رکھا' بلکہ آپ کے سلسلۂ فیض کو بھی ابدالاباد تک جاری و ساری فرمایا۔

تصور اسم اللہ ذات' دعوت اہل قبور اور معارف تصوف کا حیرت انگیز انکشاف و اظہار اولیات سلطان العارفین میں سے ہے۔ اسم ذات کو جسم کے بعض اعضاء پر رقم کرنے کا ذکر حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ' کے احوال و آثار میں بھی ملتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ' تصوف و عرفان میں عظیم الشان مقام کے حامل ہیں۔ آپ نے "القول الجمیل" میں اپنے والد ماجد سے یوں روایت کی ہے۔۳

وَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ رَاَيْتُ خَوَاجِهْ خُورد يَكْتُبُ بِاَنَامِلِهٖ عَلٰى اَصَابِعِهِ الْاَرْبَعِ شَيْئًا فِيْ مَجْلِسِهٖ وَ كَلَامِهٖ وَ شَانِهٖ كُلِّهٖ فَسَاَلْتُهُ فَقَالَ كَتَبْتُ اسْمَ الذَّاتِ فِيْ بِدَايَةِ اَمْرِيْ وَ صَارَتْ دَيْدَنًا لَا اَسْتَطِيْعُ الْاِنْقِلَاعَ عَنْهَا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ ۴

(ترجمہ: اور میں نے ان سے سنا' فرماتے تھے کہ میں نے حضرت خواجہ عبیداللہ بن باقی باللہ قدس سرہ کو دیکھا کہ وہ نشست و برخاست میں' کلام کرتے ہوئے اور تمام احوال میں انگوٹھے سے اپنی چاروں انگلیوں پر کچھ لکھتے رہتے تھے۔ استفسار پر فرمایا کہ میں ابتدائے سلوک میں (بعض اعضائے جسم پر) اسم ذات لکھا کرتا تھا' اب وہ عادت ثانیہ بن گئی ہے اور میں اس کے ترک پر قدرت نہیں رکھتا' واللہ اعلم۔)

بہرکیف اکابر متقدمین اسم اللہ ذات کے تصور اور اس کی تاثیرات کو اپنے دل میں جذب کرتے اور ریاضت شاقہ سے اس جوہر کی حفاظت میں مشغول رہتے تھے لیکن اس تصور کے صحیح طریق' قلب میں اس کے نفوذ اور رگ وپے میں اسکے سریان کو قواعد و ضوابط کے ساتھ حیطۂ تحریر میں لانے کا سہرا حضرت سلطان العارفین رحمتہ اللہ علیہ کے سر ہے۔ تصور اسم اللہ ذات آپ کے ممتاز ترین موضوعات میں

www.yabahu.com

سے ہے' جس کے بارے میں آپ کا قول فیصل ہے کہ یہ طریق ریاضت و مجاہدہ کے بغیر موصل الی اللہ ہے' یہ فکر کا راستہ ہے اور آسان ترین ہے' قاری سالک اس کی وساطت سے مرتبۂ اولیٰ ہی میں رابعہ بصریہ اور بایزید بسطامی رحمہما اللہ کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔

آپ کے ارشادات کی روشنی میں اسم ذات کو دل میں نقش کرنے کا عمدہ اور اعلیٰ طریق یہ ہے کہ سالک پہلے آیات قرآنیہ کی' جو اسے یاد ہوں تلاوت کرے' کم از کم سورۂ فاتحہ' آیتہ الکرسی اور چار قل ضرور پڑھ لے تاکہ وساوس شیطانی کی دراندازی سے محفوظ ہوجائے' پھر ناف سے لے کر سر تک جسم کے مختلف اعضاء دل' آنکھ' پیشانی وغیرہ پر بانگشت تصور اسے رقم کرے' البتہ سینے پر اسم محمد ﷺ تحریر کرے۔ بعد ازاں مراقب ہو کر بارگاہ رب العزت سے انتظار فیض کرے۔ اسم اللہ ذات کی تاثیرات یقیناً" اس کے باطن پر اطمینان قلب' سکون و جمعیت اور رجوع و انابت الی الحق کی شکل میں جلوہ ریز ہوں گی۔ اگر سالک کی استعداد قوی تر ہے تو انکا ادراک بھی اسی نسبت سے واضح تر اور لائح تر ہوگا۔ یہ ناممکن ہے کہ عبد اپنے مالک و خالق کی طرف حصول فیض کے لئے متوجہ ہو اور رحمت الٰہی کا چشمہ اسے سیراب کرنے کے لئے جوش میں نہ آئے۔ حدیث قدسی میں وارد ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَ اَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَکَرَنِیْ فَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ نَفْسِهٖ ذَکَرْتُهٗ فِیْ نَفْسِیْ وَ اِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَاءٍ ذَکَرْتُهٗ فِیْ مَلَاءٍ خَیْرٍ مِّنْهُمْ وَ اِنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا وَّ اِنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ بَاعًا وَّ اِنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُهٗ هَرْوَلَةً۔ ۴

(رواہ احمد و البخاری و الترمذی و المسلم و ابن ماجہ)

مزید برآں بزرگان دین کی ارواحِ جلیلہ سے کسبِ فیض کو' جو نسبتِ اویسی کہلاتا ہے'

جمیع لوازم و شروط سے منضبط فرمایا۔ اتباع شریعت ﷺ کو ہر حال میں اولین اہمیت دی' فقر مصطفوی کو عظمت انسانی کی تمام اقدار کا منبع قرار دے کر اس کے وہ معارف و غوامض بیان فرمائے جو چشم خلق سے پیشتر نہاں تھے۔ مثال کے طور پر مجلس محمدی ﷺ کے بارے میں تحریر فرمایا کہ اس کا انعقاد درج ذیل نو مختلف مقامات پر ہوتا ہے:

اوّل مقام دنیا' دوم مقام عقبیٰ' سوم مقام ازل' چہارم مقام ابد' پنجم مقام روضہ حرم نبوی' ششم بیت اللہ' ہفتم مقام عرش اعظم' ہشتم مقام دریائے زرف یعنی بحرِ توحید اور نہم مقام لاہوت و لامکاں۔

اس کے بعد اپنے بارے میں بیان فرمایا کہ ہم فقراء حضور علیہ الصلوٰۃ و السّلام ﷺ کی آخری مجالس سے فیض یاب ہیں۔

ان کے علاوہ اہم ترین موضوع جو حضرت سُلطان باھُو علیہ الرحمتہ کے ارشادات و افادات کی روح رواں ہے' وہ حضرت غوث الثقلین جناب شیخ سیّد عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ سے ان کی بے پناہ محبت' والہانہ عقیدت اور آپ کے سلسلہ عالیہ قادریہ کی افضلیت و برتری کا بیان ہے' یہ ان کے وجدانیات کا جزوِ اعظم ہے۔ فقر و عرفان کی وسیع و عریض کائنات میں کوئی صاحب ولایت اس حقیقت سے انکار کی جسارت نہیں کرسکتا کہ تمام سلاسل کے اولیائے کاملین منجملہ حضرت غریب نواز سُلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری' خواجہ شہاب الدین سُہروردی' حضرت خواجہ بہاء الدّین نقشبند بخاری' حضرت مجدّد الف ثانی رحمہم اللہ سب کے سب حضرت غوث اعظم قدس سرہ کی عظمت و شان کے معترف اور آپ کے مناقب میں رطب اللسان ہیں۔ جناب غوث الثقلین کے بارے میں سُلطان العارفین علیہ الرحمہ کا یہ ارشاد آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے' فرمایا:

"آپ دنیا کے تمام مشائخ اور اولیاء میں سب سے افضل' اعلیٰ' اولیٰ اور بے مثل فرد فرید ہیں' ان کا طریقہ تیغ برہنہ اور ذوالفقار کی طرح ہے۔ جو شخص اس سے

www.yabahu.com

دشمنی کرتا ہے وہ اس کا سر تن سے جدا کر دیتی ہے' وہ امر خدا ہیں' اس لئے ہر امر پر غالب ہیں۔ جو شخص ان کے کسی مرید کو مغلوب کرنا چاہتا ہے' اس کی ساری نسبتیں سلب ہو جاتی ہیں"۔

اس سلسلے میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے ایک مکتوب ۶۔ کا حوالہ تصریح موضوع کے لئے کافی ہوگا۔ یہ مکتوب نور محمد تہاری کے نام ہے' اس میں آپ نے فرمایا کہ وصول الی اللہ کے دو راستے ہیں: ایک قرب نبوت اور دوسرا قرب ولایت کا۔ قرب نبوت کا طریق انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کے لئے مخصوص ہے۔ دوسرے میں ابدال' اوتاد اور اقطاب ہیں۔ اس طریق کے پیشوا سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ' ہیں۔ حضرت فاطمۃ الزہراء اور حسنین کریمین علیہم الرضوان اس مقام میں آپ کے ساتھ شریک ہیں۔ جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ عالم امکاں میں جلوہ افروز ہونے سے پہلے بھی اس منصب عالی پر فائز تھے۔ آپ کے بعد آپ کی اولاد میں سب ائمہ کبار اس مقام پر فائز ہوئے تا آنکہ حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کا دور آیا اور یہ منصب جلیل انہیں تفویض ہوا' ان کا یہ شعر اسی حقیقت کا ترجمان ہے

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا
اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبُ (۷۔)

اس کے بعد حضرت امام ربانی نے فرمایا:

"وچوں بوجود حضرت شیخ معاملہ کہ بادلیں تعلق داشت' باو قرار گرفت واو واسطۂ وصولِ رُشد و ہدایت گردید چنانچہ پیش از وے اولیں بودہ اند و نیز تا معاملۂ توسطِ فیضان برپاست' بتوسلِ اوست" ۔۸۔

اولیائے متاخرین میں حضرت فقیر نور محمد قادری سروری کلاچوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ۹۔ "مخزن الاسرار و سلطان الاذکار" میں طریقۂ قادریہ کی فضیلت بیان

کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

"طالب مرید قادری مقام ناسوت میں جُثۂ نفس کے ساتھ دیگر طریقوں کے طالبوں کے درمیان شیر نر اور ہژبر کی طرح نمودار ہوتا ہے اور فضائے عالم قدس میں جس وقت پرواز کرتا ہے تو دیگر طائران عالم بالا میں باز اشہب یعنی سفید باز کی مانند سب سے بلند اور غالب صورت میں جلوہ نما ہوتا ہے۔ اس لئے فقیر اور ولی قادری دیگر طریقوں کے اولیاء اللہ کے حالات اور مقامات سلب کر سکتا ہے لیکن طالب اور سالک قادری کو کسی طریقے والا سلب نہیں کر سکتا' کیونکہ ذاتی نور کو دائم کمال ہوتا ہے اور اسے کسی حالت میں زوال نہیں آتا۔ یہ بات ہم اپنے تجربے اور مشاہدے کی بنا پر لکھ رہے ہیں' معاذ اللہ اس میں کسی قسم کے حسد اور تعصب کو دخل نہیں"۔

سلطان باھُو علیہ الرحمہ کو اہل اللہ میں جو انفرادی اور امتیازی شان نصیب ہے' آپ کی نظم و نثر کے تمام شہکار بھی اسی حیثیت سے انفرادی انداز کے مظہر ہیں۔ آپ کی نگارشات القائیہ ہیں' یہی وجہ ہے کہ ان کی لطیف تاثیرات طالب حق کے رگ وپے میں اترتی چلی جاتی ہیں۔ اس کا حوصلہ بندھتا ہے اور اسے اپنی خوابیدہ صلاحیتیں بیدار ہوتی نظر آتی ہیں۔ آپ کی روح اطہر کا فیض تمام عبادات کے پیکر میں خون کی طرح گردش کر رہا ہے۔ ان کا اپنا ارشاد بھی ہے کہ ان کی کتب منزل ہدایت کے سالک واماندہ کے لئے منزلۂ مرشد کامل ہیں اور یہ امر بلا مبالغہ درست ہے کہ آپ کے ارشادات مبارکہ سے فیض یاب ہونے والا انسان تصوف کی دیگر کتب اور اپنے دور کے نام نہاد مشائخ سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ فارسی کتب کے جواہر ریزوں کی چمک دمک پنجابی اشعار کے قلب میں بھی نظر آتی ہے' جس کے باعث عامتہ الناس سے لے کر اہل علم تک سب کے سب آپ کے نکات عشق و عرفاں سے برابر مستفید ہوتے چلے آرہے ہیں۔ فنی اعتبار سے دیکھا جائے تو بھی آپ کی فارسی نثر جامع اور وقیع ہے' اس میں وہ تمام محاسن و خصائص موجود ہیں جو عالمگیری دور کی تصنیفات کا طرۂ امتیاز ہیں۔

www.yabahu.com

اکثر مسجع عبارات بھی نظر سے گزرتی ہیں مگر ان میں اغلاق یا تعقید نام کو نہیں اور کہیں کسی مفہوم کو الفاظ و تراکیب کی بندش اور چستی پر قربان نہیں کیا گیا۔ یہ نثری صوری دروبست کا انداز ہے' جہاں تک معنوی خوبیوں کے کما حقہ ادارک کا تعلق ہے' فکر و بیاں اس سے قاصر ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر ہم قارئین کی توجہ آپ کے ایک مختصر رسالہ کی طرف' جو "رسالہ رُوحی" سے موسوم ہے' مبذول کراتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہے کہ اگر کسی سالک کو رجعت لاحق ہوگئی ہو تو وہ اس رسالے کو پڑھے' انشاء اللہ ہم اسے رجعت سے نکال کر عارف زندہ دل و روشن ضمیر کر دیں گے۔ مزید فرمایا: سالک قسم کھائے کہ وہ اس رسالے سے اعتصام کرے گا اور ہم قسم کھاتے ہیں کہ اسے ضرور ذات باری تعالیٰ تک پہنچا دیں گے۔ سبحان اللہ! کیا علوِ مرتبت اور کیا عظمت و توقیر ہے' جو حضرت سُلطان باھُو علیہ الرحمہ کا حصیۂ ازل ہے۔

ہر کہ طالبِ حقّ بود مَن حاضرم
ز اِبتدا تا اِنتہا یک دم برم

محترم المقام سیّد احمد سَعید ہَمدانی کی یہ تصنیف "احوال و مقاماتِ حضرت سُلطان باھُو" ہر پہلو سے جامع ہے' ان کا اندازِ فکر اور اسلوبِ نگارش ہر لحاظ سے قابلِ تحسین و آفرین ہے' وہ بلامبالغہ طالبانِ حقّ کی طرف سے ہزار تہنیت کے مستحق ہیں کہ انھوں نے حضرت سُلطان باھُو علیہ الرحمہ کے سوانح' ارشادات اور مقامات کو واضح اور سہل طرز بیان میں سمویا ہے۔ سلطان العارفین رحمتہ اللہ علیہ نے مقامات فقر کو حسب وجدان و مشاہدہ اپنی فارسی کتب میں جابجا تحریر فرمایا ہے' سید صاحب موصوف نے آپ کے ان ارشادات کو یکجا جمع کرکے تسہیل موضوع کی کامیاب کوشش کی ہے۔ مزید برآں کتاب کی مناسب و موزوں تبویب قاری کو حضرت سلطان باھو علیہ الرحمتہ اللہ کی حیات مبارکہ سے لے کر آپ کے انتہائی مقاماتِ قُرب تک

کے سمجھنے میں مدد دیتی ہے اور وہ رفتہ رفتہ' درجہ بدرجہ فقر کے احوال و معارف سے روشناس ہوتا چلا جاتا ہے۔ جہاں تک ارشادات سلطان باھو علیہ الرحمہ کے ابلاغ کا تعلق ہے' مصنف نے اس میں دیگر تذکرہ نگاروں کے حوالوں پر قناعت کرنے کی بجائے آپ کی تصنیفات کے اصل متون سے استفادہ کیا ہے۔ مقامات فقر پر اظہار خیال کرتے ہوئے اخلاقیات کی بعض اہم اور لطیف ابحاث پر خامہ فرسائی کی ہے۔ معارف تصوف کی توضیح و تیسیر کے لئے عربی' فارسی' اردو اور انگریزی کتب کے اقتباسات درج کئے ہیں اور ان کی روشنی میں حضرت سلطان باھو علیہ الرحمہ کے ارشادات کی جامعیت اور ان کی لازوال حیثیت کو متعین فرمایا ہے' گویا حکیم الامت علامہ اقبال علیہ الرحمہ کے الفاظ میں اہل علم اور اہل فقر کی موازناتی ہیئت کا بیان اس نہج پر ہے۔

عِلم فقیہ و حکیم' فقر مسیح و کلیم
عِلم ہے جو یائے راہ' فقر ہے دانائے راہ

پروفیسر صاحب موصوف نے ان مشاہیرِ اُمّت کے اقوال و آثار سے استشہاد کیا ہے' جن کی حیثیت اہلِ علم اور اہلِ سلوک کے ہاں مُسلّم ہے' ان میں ابنِ تیمیّہ' حافظ ابنِ قیّم' شیخِ اکبر' عبدالکریم جیلی' شیخ شہاب الدّین سُہروردی' حضرت مجدّد الف ثانی' شاہ عبدالحق محدّث دہلوی' شاہ ولی اللہ اور دیگر اکابرِ اُمت رحمہم اللہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ مارٹن لنگز' ٹائٹس برکہارٹ اور راڈ ولف آٹو جیسے معروف مستشرقین کی آراء بھی شامل کتاب ہیں' کتابیات کی تعداد ساٹھ سے متجاوز ہے۔

آخر میں فقیر دعاگو ہے کہ اللہ رب العزت سیّد صاحب موصوف کی اس کاوش کو بطفیل جناب رسالت مآب ﷺ پذیرائی عام بخشے' طالبانِ حق کو حضرت سلطان باھو علیہ الرحمتہ کے احوال و مقامات سے فیض یاب کرے اور انہیں تنویرِ باطن سے نوازے۔ آمین

۲۱۔ رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ
لاہور

حافظ محمد افضل فقیر

www.yabahu.com

حوالہ و حواشی

۱۔ پس اللہ تعالیٰ جس کے سینے کو اسلام کے لئے کھول دے وہ اپنے پروردگار کی طرف سے (ایک) نور پر چلتا ہے۔

۲۔ بعض تذکرہ نگاروں نے اس سے اختلاف کیا ہے مصنف کتاب ہذا بھی اختلاف کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

۳۔ شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل صفحہ ۹۱۔ مؤلف حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ

۴۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ارشاد ربانی ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے قریب ہوں' جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں' اگر وہ اپنے دل میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اپنے دل میں اس کا ذکر کرتا ہوں' اگر وہ کسی مجمع میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس سے بہتر لوگوں کے مجمع میں اس کا ذکر کرتا ہوں' اگر وہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف ایک گز بڑھتا ہوں' اگر وہ میری طرف ایک گز بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف دو گز بڑھتا ہوں' اگر وہ میرے طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف لپک کر آتا ہوں۔

(اسے احمد بخاری ' ترمذی مسلم اور ابن ماجہ نے روایت کیا)

۵۔ جناب سلطان العارفین رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد مبارک ملاحظہ فرمائیں:

ع پیشوائے خود شریعت ساختم

۶۔ مکتوب نمبر ۱۲۳' مکتوبات امام ربانی حصہ ہشتم' دفتر سوم

۷۔ اولیائے متقدمین کے آفتاب ہائے ولایت غروب ہوگئے۔ لیکن ہمارا آفتاب ولایت رفعت و علا کے افق پر کچھ غروب نہ ہوگا۔ جناب غوث الثقلین قدس سرہ کے اس شعر کا ترجمہ راقم الحروف نے فارسی کے دو شعروں میں اس طرح کیا ہے۔

روئے فلک گرچہ بتابید خوب — خورشید ہمشیناں شُد غروب

لیک بماند بہ سپہرِ علا — تابہ ابد تابشِ خورشیدِ ما

۸۔ جب (وصول الی اللہ) کا وہ معاملہ جو متقدمین سے متعلق تھا' حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے سپرد ہوا' وہ رشد و ہدایت کے وصول کا واسطہ قرار پائے جس طرح کہ اولیائے سابقین تھے۔ لہٰذا توسط فیضان کا سلسلہ جب تک قائم ہے' وہ آپ کے توسل ہی سے (حصول پذیر) ہوگا۔

۹۔ وہی ۔ صفحہ ۱۴۴

۱۰۔ اصل متن کی لطافت و شوکت ملاحظہ فرمائیں:

"اگر وَلیٌ واصل کہ از رجعتِ عالمِ رُوحانی یا عالمِ قُدس شہود از درجۂ خود اُفتادہ باشد اگر توسّل بایں کتاب مُستطاب جوید' آنرا مُرشدیست کامل' اگر او توسّل بمعرفت او راقسم واگرنا او را نرسانیم' نارا قسم۔"

☆☆☆☆☆

www.yabahu.com

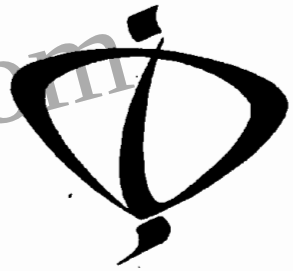

www.yabahu.com

باب: 1

شخصیت: حضرت سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ

حضرت سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ کے سوانحی حالات مرتب کرنے میں بڑی دِقت یہ پیش آتی ہے کہ اس معاملہ میں ان کے معاصرین کے تذکرے کوئی مدد نہیں کرتے کیونکہ سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ اپنی زندگی میں اخفاء حال کی خاطر یا جذب و وجد کے عالم میں قلندرانہ انداز کے ساتھ سیر و سفر میں رہے۔ البتہ ان کی ساتویں پشت میں ایک بزرگ سلطان حامد رحمتہ اللہ علیہ نے "مناقب سلطانی" لکھی۔ جو حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے خلفاء کے حالات پر مشتمل ہے۔ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کے حالات مرتب کرنے کے لئے صرف اسی ماخذ سے مدد لی جاسکتی ہے۔

حضرت سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ شاہجہان کے عہد میں قصبہ شورکوٹ میں ۱۶۳۱ء میں سلطان بازید محمدؒ کے ہاں پیدا ہوئے۔ ۱۔ مناقبِ سُلطانی میں تاریخ پیدائش کا ذکر نہیں مگر فقیر نور محمد علیہ الرحمتہ اللہ نے اردو ترجمہ "نُورا لہدیٰ" کے شروع میں "مختصر حالات مصنف" کے زیر عنوان اور غلام دستگیر نامی مترجمہ "محک الفقراء خورد" نے دیباچے میں "پنجابی شعراء کے حالات پر مشتمل ایک کتاب" کے حوالے سے سال ولادت ۱۰۳۹ھ / ۱۶۳۷ء نقل کیا ہے۔

آپ کے والد اعوان قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ اور سپاہی پیشہ تھے۔ سلطنت دہلی کی طرف سے شورکوٹ کا پرگنہ' جو اس وقت ملتان کے علاقہ میں شامل تھا۔ ۲۔ انھیں جاگیر کے طور پر ملا تھا۔ آپ کی والد کا تو آپ کے بچپن ہی میں انتقال ہوگیا مگر آپ کی والدہ دیر تک بہ قید حیات رہیں۔ اور اپنے بیٹے کی اس طرح تربیت کی کہ وہ سپہرِ ولایت کا آفتاب بن کر چمکا۔

حضرت سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ کی ابتدائی تعلیم و تربیت کے متعلق صرف اس قدر کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے کچھ زیادہ ظاہری علوم حاصل نہ کئے۔ بس ہوش سنبھالا

تو فقر کی راہ اختیار کی۔ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر چلہ کشی کی۔ کئی دیگر اولیاء اللہ کے مزارات پر بھی گئے اور ان کی برکات سے مستفیض ہوئے۔ راوی کے کنارے گڑھ بغداد میں ایک بزرگ شاہ حبیب اللہ رہتے تھے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شاہ صاحب موصوف نے ہی شاید انھیں حضرت سید عبدالرحمٰن قادری دہلوی کے پاس جانے کی ہدایت کی جو دہلی میں شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے منصب دار تھے۔ گو حضرت سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ کی کتب میں ان بزرگوں میں سے کسی کا ذکر واضح طور پر کہیں نہیں ملتا۔ مگر "مناقبِ سلطانی" کے مصنف کا کہنا ہے کہ آپ نے سلوک کی تکمیل سید عبدالرحمٰن قادری کے ہاں کی اور ان سے فیض حاصل کرکے آپ فیض رساں بن گئے ۳۔

سی حرفی کے صرف ایک بند میں گڑھ بغداد کا ذکر ملتا ہے:

بَغداد شہر دی کیا نشانی' جتھے اُچیاں لمیاں چیلاں ھُو
تَن مَن میرا پُرزے پُرزے جیوں درزی دیاں لیراں ھُو
اِنہاں لیراں دی گل کفنی پا کے' رَلساں سنگ فقیراں ھُو
گڑھ بَغداد دے ٹکڑے منگساں باھُو کرساں میراں میراں ھُو

(بغداد شہر کی نشانی یہ ہے کہ وہاں چیل کے اونچے لمبے درخت ۴ ہیں۔ میرا جسم درزی کی دکان میں پڑے ہوئے ٹکڑوں کی مانند پرزے پرزے ہوگیا۔ میں ان ٹکڑوں کی کفنی یا گودڑی پہن کر فقیروں کے گروہ میں شامل ہوجاؤں گا۔ گڑھ بغداد میں بھیک مانگ کر گذر اوقات کروں گا۔ اور "میراں میراں ۵" (شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ) پکارتا رہوں گا)

آپ ایک جگہ مقیم ہو کر نہیں رہے۔ سیر و سفر ہی میں طالبان حق کی تربیت فرماتے رہے۔ ایک بار کھیتی باڑی میں لگ گئے اور بیج بویا مگر جب اس کے اگنے اور بڑھنے کی صورت پیدا ہوئی تو وجد کے غلبہ میں اس کا چارہ بیلوں کو کھلا دیا اور قلندرانہ انداز میں کسی دوسری طرف چل دیئے۔

"مناقبِ سُلطانی" میں آپ کے جذب کے کئی اور واقعات بھی بیان کئے گئے ہیں مثلاً" یہ کہ بچپن میں آپ کی نظر جس ہندُو پر بھی پڑتی تھی وہ آپ کا نورانی چہرہ دیکھتے ہی مشرف بہ اسلام ہوجاتا تھا۔ ہندوؤں نے آپ کے والد ماجد سے احتجاج کیا تو آپ نے بچے کے باہر آنے کا وقت مقرر کر دیا تاکہ ہندو اس وقت راستے سے الگ رہیں۔

جَذب اور توجّہ کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ کسی کی طرف دیکھتے تو اس کا قلب ایمان کی تجلّی سے منور ہوجاتا تھا۔ ایک بار سنیاسیوں کا ایک گروہ آپ سے ملا وہ آپ کی زبان مبارک سے کلمہ طیبہ سن کر ایمان لے آئے۔ اور خدا رسیدہ ہوگئے۔ ایک روز ایک لکڑہارے کی طرف دیکھا تو اسے بلند و بالا روحانی مقام پر پہنچا دیا اور اسے فنافی اللہ کا مرتبہ نصیب ہوگیا۔

"مناقبِ سُلطانی" میں آپ کی کرامات بھی بیان کی گئی ہیں جن میں سے چند ایک یہاں نقل کی جاتی ہیں:۔

ا۔ دہلی میں ایک بار آپ جامع مسجد میں گئے اور حاضرین کے قلوب کی طرف متوجہ ہوئے تو سب اپنے جذبات میں ہیجانی کیفیت محسوس کرنے لگے اورنگ زیب (رحمتہ اللہ علیہ) وہاں موجود تھا۔ اس نے بھی التماس فیض کیا۔ آپ نے اسے توجہ دی۔ بعد میں اس نے تلقین و ارشاد کی درخواست کی تو آپ نے رسالہ "اورنگ شاہی" اس کے لئے تحریر فرمایا۔

ب۔ کوئی ضرورت مند آپ کے پاس کشائش رزق کی غرض سے حاضر ہوا۔ آپ اس وقت کھیت میں ہل چلا رہے تھے۔ اس کی درخواست پر آپ نے ایک ڈھیلا اٹھا کر پھینکا تو اس کے گرد مٹی کے سارے ڈھیلے سونا بن گئے۔ آپ نے اسے فرمایا کہ اپنی حاجت کے مطابق یہاں سے سونا اٹھالو۔

ج۔ ایک بچی کے پنگھوڑے کو حرکت دی' تو اس بچی کا قلب جاری ہوگیا۔

آپ کی سب سے بڑی کرامت تو یہ ہے کہ آپ نے اپنی توجّہ اور تربیّت سے کئی لوگوں کو خدا رسیدہ بنا دیا اور اپنے بعد ایسے خلفاء چھوڑے جو نہایت دور دراز دیہاتی

www.yabahu.com

علاقوں میں ایمان کی روشنی پھیلاتے رہے۔ "مناقبِ سُلطانی" کے مصنف نے سُلطان نورنگ، خلیفہ مُلّا معالی اور محسن شاہ گیلانی کا ذکر کیا ہے۔

آپ نے ازدواجی زندگی بھی اختیار فرمائی۔ چار بیویاں آپ کے عقد میں رہیں۔ آٹھ بیٹے تھے۔ ہنوز آپ کی اولاد سے بزرگ سجادہ نشیں چلے آرہے ہیں۔

حضرت سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ نے عہدِ اورنگ زیب میں ۱۱۰۲ھ / ۱۶۹۱ء میں وفات پائی اور شورکوٹ میں دفن ہوئے۔ ایک بار آپ کے مزار کو دریا کی طغیانی سے خطرہ لاحق ہوا، تو موجودہ جگہ پر مزار مبارک بنایا گیا جو اس وقت زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ ع

نام فقیر تنہاندا باھُو قبر جنہاندی جیوے ھُو

(فقیر وہ ہیں کہ جن کی وفات کے بعد بھی فیض و برکت کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور یُوں اُن کی قبر زندہ رہتی ہے)

www.yabahu.com

حوالہ و حواشی

۱۔ PANJABI SUFI POETS P.27 (OXFORD UNIVERSITY PRESS)

۲۔ مناقب سُلطانی میں علاقہ ملتان لکھا ہے لیکن سُلطان صاحب رحمتہ اللہ علیہ خود علاقہ لاہور بتاتے ہیں۔ مثلاً" دیکھئے رسالہ اورنگ شاہی، مفتاح العارفین وغیرہ

۳۔ یہ بیان مناقب سُلطانی ہے۔ حضرت سُلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کی روحانی تربیت کے متعلق تحقیق آئندہ ابواب میں ملے گی۔

۴۔ "چیراں" کا ترجمہ فقیر نور محمد رحمتہ اللہ علیہ درخت، سلطان الطاف علی زخم اور صوفی افضل پگڈنڈیاں بتاتے ہیں۔ نیز فقیر صاحب کے سوا دیگر محققین گڑھ بغداد سے بھی بغداد عراق مراد لیتے ہیں۔

۵۔ حضرت غوث الثقلین کا لقب مُبارک۔

باب: ۲

احوال

اپنے دور کے دوسرے مصنفین کی طرح حضرت سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ نے بھی یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ اپنی تصانیف کے شروع میں پیش لفظ کے طور پر اپنے متعلق چند تعارفی سطور رقم فرماتے ہیں اور پھر کتاب یا رسالے کی غرض تصنیف پر روشنی ڈالتے ہیں۔ انھوں نے جہاں کہیں بھی کسی تصنیف کے پیش لفظ میں اپنا ذکر کیا ہے وہاں اپنا نام کے ساتھ "اعوان" ضرور لکھا ہے۔ جیسے "فقیر باھُو ولد بازید عُرف اعوان"۔

اعوان عربی النسل ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنا شجرۂ نسب حضرت علی علیہ السّلام سے ملاتے ہیں۔ عربوں کے بہت سے خصائص اس قوم میں اب تک موجود ہیں۔ ان میں سے ایک نسلی و نسبی برتری کا احساس بھی ہے۔ نسلی و نسبی برتری کا احساس برا بھی ہو سکتا ہے۔ اور اچھا بھی۔ زمانہ جاہلیت کے عرب جب اپنے بلند نسب اور بنا بریں علو مرتبت کا دعویٰ کرتے تھے تو اس دعویٰ کے ساتھ دوسرے لوگوں کے متعلق نفرت و حقارت کے جذبات کا اظہار بھی برملا کرتے تھے۔ اسلام نے اس قسم کی برتری کے اظہار کو رد کیا البتہ وہ احساس برتری اسلام میں مکروہ نہیں جس میں اپنی صالح روایات اور خاندانی صلاحیتوں کا ادعا اس صورت میں مقصود ہو کہ وہ کسی عظیم کار خیر یا اعلیٰ اقدار کی حفاظت میں کام آرہی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ظہور و اشاعت اسلام کے بعد بھی عرب قبائل میں قریش کا احترام اور ان کی فضیلت برقرار رہی۔ ان میں قبیلۂ بنوہاشم ہمیشہ ممتاز رہا۔ خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ

میں بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً" جنگ حنین میں جب آپ سفید خچر پر سوار دشمنوں میں گھرے مقابلے کے لئے آگے بڑھے جارہے تھے اور اپنے جاں نثاروں کو مجتمع ہونے کی دعوت دے رہے تھے' تو ابُو سفیان بن الحارث رضی اللہ عنہ نے جنھوں نے آپ کے خچر کی لگام پکڑ رکھی تھی اور آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ نے جو رکاب تھامے ہوئے تھے آپ کی زبان مبارکہ سے یہ الفاظ سنے "اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ۔" شیخ عبدالحقّ مُحدّث دِہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے غزوۂ حنین کے بارے میں اس کا ذکر کرتے ہوئے "مدارج النبوّۃ" میں لکھا ہے کہ:۔

آپ نے اپنے آپ کو ابن عبداللہ کی بجائے ابن عبدالمطلّب اس لئے کہا کہ "لوگوں کے دلوں میں حضرت عبدالمطلّب کی قدرو منزلت بہت زیادہ تھی اور کوئی بھی ان کے مرتبہ و منزلت کو نہیں پہنچا تھا۔" (حصہ دوم ترجمہ: مُفتی غلام مُعین الدّین نعیمی صفحہ ۵۱۸)

اسی طرح کربلا میں جب حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ میدان میں آئے تو وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

اَنَا عَلِیُّ بْنُ حُسَیْنِ بْنُ عَلِیٍّ
نَحْنُ وَ رَبِّ الْبَیْتِ اَوْلٰی بِالنَّبِیِّ
تَاللّٰہِ لَایَحْکُمُ فِیْنَا بْنُ الدَّعِیِّ

(میں عَلی بن حُسین بن عَلی ہوں۔ خانۂ کعبہ کے رَبّ کی قسم' ہم نبی کے قُرب کے زیادہ مستحق ہیں۔ واللہ نامعلوم باپ کا بیٹا ہم پر حکومت نہ کرسکے گا)

(بحوالہ: شہادت حُسین: مؤلفہ ابوالکلام آزاد)

سیّد احمد کبیر رفاعی رحمتہ اللہ علیہ مشہور و معروف صوفی گذرے ہیں۔ آپ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے ہمعصر تھے۔ آپ ایک خطبے میں اس طرح فرماتے ہیں:۔

"حق بات کہنا پڑتی ہے۔ ہم اہل بیت ہیں۔ جو کوئی ہم سے چھیننا چاہے گا

اس کی دولت چھن جائے گی اور جو کتا ہم پر بھونکے گا اس کو خارشت ہوجائے گی۔ جو ہم کو مارنے کا ارادہ کرے گا' خود اسی پر مار پڑے گی۔ اور جو شخص ہماری دیوار سے اونچی دیوار بنائے گا' اس کا گھر ویران ہوجائے گا"

(البرہان المئوید۔ ترجمہ ظفراحمد عثمانی صفحہ ۳۴)

نسلی و نسبی تفاخر کے دعویٰ کی صرف یہی ایک جائز صورت ہے کہ اس سے محض صالح خاندانی روایات و اقدار کی پاسداری یا اظہارِ حقّ مقصود ہو۔

حضرت سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کُتب میں کہیں بھی اعوان قوم کی برتری کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی کہیں اپنی فضیلت آل علی ہونے کے واسطے سے بیان کی ہے۔ بعض مقامات پر ان کی تحریروں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نسلی تفاخر کے دعاوی کو کھوکھلا قرار دیتے ہیں تاوقتیکہ خاندانی روایات اس کی مئوید نہ ہوں۔ مثلاً" آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احترام کی تاکید کے بعد ان کو مخاطب کرکے کہتے ہیں:

"اے سیّد! اگر تو صحیح معنوں میں سیّد اور سَردار بننا چاہتا ہے تو اپنے جدِّامجد کے قدموں پر چلا جا اور ان کے اخلاق' اعمال اور افعال اختیار کر۔"

(نُورالہُدیٰ صفحہ ۲۲۲)

بایں ہمہ اس پر ضرور غور کرنا چاہیے کہ آخر وہ کیوں ہربار اپنے نام کے ساتھ "اعوان" لکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ بادی النظر میں اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اپنی روایات و اقدار' اپنی تاریخ اور اعوان ہونے کا احساس ان کے دل میں موجود تھا۔

انسانی معاشرے میں پروان چڑھنے والا کوئی فرد بھی اپنے گردوپیش کے اثرات سے نہیں بچ سکتا۔ صوفی کا ذہنی و روحانی پس منظر بھی اس کی طبیعت کو ایک خاص رنگ عطا کرتا ہے۔ روحانی مقام سے قطع نظر' یہ بات حضرت سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ اور شاہ حسین کے کلام میں واضح اور نمایاں ہے۔ شاہ حُسین ایک ایسے خاندان سے تھے جسے معاشرے میں لوگ کمتر درجہ دیتے ہیں چنانچہ لوگوں کے اس رَوّیہ کا نتیجہ

www.yabahu.com

یہ نکلا کہ مسکینی گویا ان کے ذہن کا ایک حصہ بن گئی۔ وہ جب بھی اپنی شخصیت کا اظہار کرتے ہیں، تو اس سے عجز و نیاز ہی مترشح ہوتا ہے۔ا

لیکن سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ جب بھی سوچیں گے، سمجھائیں گے یا خطاب کریں گے، اس میں بلند نظری، فعالیت اور جذبۂ تسخیر و تصرّف کا اظہار ملے گا۔ شاہ حُسین رحمتہ اللہ علیہ اور سُلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کے فکر و تخیّل کا موازنہ کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالغنی نے اس طرح وضاحت کی ہے:۔

"شاہ حسین بہت منکسر المزاج تھے۔ اِسلام قبول کرنے سے پہلے ان کے آباؤ اجداد کو ہندو معاشرے میں جو چھوٹا مقام حاصل تھا۔ اس کی وجہ سے عاجزی اور مسکینی ان کی فطرت کا جزو بن گئی تھی۔ شاہ حسین رحمتہ اللہ علیہ کو یہ صفات ورثے میں ملیں۔ اپنے اس عجز و نیاز کو جس خلوص، دردمندی اور جس انداز سپردگی کے ساتھ وہ اپنے سائول یعنی محبوبِ حقیقی کی درگاہ میں پیش کرتے ہیں، اس کی مثالیں بہت کم ملیں گی اور اسی بناء پر ادبی دنیا میں ان کی کافیوں کا مقام بڑا بلند ہے۔ لیکن حضرت سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ اعوان قوم کے فرزند تھے جو قوم اپنے بہادرانہ کارناموں کی وجہ سے شہرت رکھتی ہے۔ حضرت سُلطان صاحب اسی جوش و ہمّت کا اظہار عِشقِ اِلٰہی میں بھی کرتے ہیں اور بڑے پُرجوش جذبات کے ساتھ اپنی کیفیات اور اپنے خیالات کو بیان کرتے ہیں۔ ان کے زیادہ پُر آرزو ہونے میں بھی یہی نسلی فرق کار فرما نظر آتا ہے۔" (ایضاً" صفحہ ۲۹۹)

اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کو اعوان قوم کے فرد کی حیثیت سے بھی پہچانتے تھے اور اپنے نام کے ساتھ اعوان لکھتے تھے۔ ضروری نہیں کہ یہ سب کچھ لازمی طور پر ارادی یا شعوری سطح پر ہو۔ اس قسم کے احساسات تو خون میں شامل ہوتے ہیں اور نسلی توارث کے یہ مخفی اثرات شعوری سطح پر محض پیرایہ ہائے اظہار و عمل کی صورتوں میں ہی کہیں کہیں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

حَسب نَسب کا احساس یا اس کی صحیح معرفت اگر فرد میں مثبت شکل اختیار کرے تو اس کی نظر وسیع اور ہمت بلند ہوجاتی ہے۔ پھر روحانی دنیا میں وہ "مقامِ کبریا" سے نیچے نہیں ٹھہرتا۔ خاندانی روایات کی پاسداری کا احساس ہمیشہ اسے سرگرم عمل رکھتا ہے اور "یَزداں بکمند آور اے ہِمّتِ مَردانہ" کا درس دیتا ہے۔ سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ حریمِ ذات تک جا پہنچے تھے اور اس میں قدرتی طور پر اس احساس کو بھی ضرور دخل تھا۔

"اعَوان" کے ساتھ وہ اپنے والد کا نام "بَازید" بھی رقم فرماتے ہیں۔ مگر ان کی تحریروں میں ان کے منصب، علم، زہد یا سلوک کے بارے میں کہیں کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ البتہ اپنی والدہ ماجدہ کے فیض تربیت اور ان کے مقام کے بارے میں انھوں نے کئی جگہ ذکر کیا ہے۔ والدہ ماجدہ نے ان کا نام باھُو رحمتہ اللہ علیہ رکھا۔ اس میں یہ راز مضمر تھا کہ بڑا ہو کر یہ بچہ ذات باری تعالیٰ کی معرفت تامہ حاصل کرے گا۔

نام باھُو مادرِ باھُو نہاد
زانکہ باھُو دائمی باھُو نہاد
بردہ باھو رازِ وحدت را تمام
عارفاں را ختم از ھُو والسّلام

(محک الفقراء کلاں: ص ۹۴)

آپ کی والدہ کا پایہ روحانیت میں بلند تھا اور بچے کا نام جو باھو رکھا تو وہ اس بناء پر کہ ھو (ذات الٰہی) کی معرفت تک ان کی رسائی ہوچکی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے ہی بذریعہ مکاشفہ یا الہام انھیں اسے بچے کے مرتبہ بلند کی اطلاع مل چکی تھی۔ چنانچہ انھوں نے اسی انداز پر آپ کی تربیت کی جو عرفان الٰہی کے لئے موزوں تھا۔ یہ فیض تربیت حضرت سلطان صاحب نے اس وقت بھی محسوس کیا۔ جب وہ دیس بدیس علم و معرفت کی روشنی لٹاتے پھر رہے تھے۔

"سوبار اس کی ماں پر آفرین، اس کا نام باھُو رکھا اور باھُو لڑکا بی بی راستی کا ہے

www.yabahu.com

جو ھو سے شاد ہے:

رحمت و غفراں بوَد بر راستی
راستی از راستی آراستی

(ایضاً" ص ۳۲)

اپنی والدہ ماجدہ کا یہ حال بھی ہمیشہ ان کے پیش نظر رہا کہ معبودِ حقیقی کی محبت سے ان کا دل لبریز تھا۔ اور جاں ذکر الٰہی کی گرمی سے گداز تھی۔ بعد میں ایسا ہوا کہ یہ تمام کیفیات خود ان پر بھی گذریں:

میری والدہ کو ایسا ذِکر خفی حاصل تھا کہ آنکھوں سے خُون نکلتا تھا۔ یہ حال مجھ پر بھی وارد ہوا' اس کو حضورِ حق کہتے ہیں۔" (ایضاً" ص ۲۳۱)

مادرِ مہربان کی تعلیم و تربیت کے علاوہ خاندان سے باہر انھوں نے متداول علوم کے سلسلہ میں کہاں کہاں سے اکتساب فیض کیا' اس کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ علم و معرفت کی طلب میں جابجا پھرے اور ان کا حال "تمتّع زِہر گوشہ یا فتم" کا مصداق تھا۔ کسی نصاب کی باقاعدہ تکمیل شاید انھوں نے کبھی نہ کی۔ خود فرماتے ہیں:۔ "این فقیر را ظاہری عِلم چنداں نبُود۔ (اس فقیر کو ظاہری علم کچھ زیادہ نہ تھا)۔ ان کی تصنیفات میں علماء کی کتب کے حوالے گو کم ہیں۔ لیکن جس قدر ہیں' ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کتابیں ان کی نظر سے گذریں یا پھر علماء و فقرا کی صحبت میں یہ باتیں ان کے گوش گزار ہوئیں اور انھوں نے اپنے حافظے میں محفوظ کرلیں۔ چنانچہ وہ امام غزالی' شیخ عطار' ابوبکر واسطی وغیرہ کے حوالے بھی دیتے ہیں۔ اپنی ایک کتاب "کلید التوحید کلاں" کے آخر میں ایک رسالہ "چہل حدیث صحیحہ" مرتبہ شیخ ابو سعید احمد بن حسین طوسی جو فقراء کی فضیلت میں ہے' نقل کردیا ہے۔ اسی طرح جہاں مناسب و موزوں سمجھتے ہیں۔ وہ حافظ و رومی کے اشعار بھی اپنے بیان کی تائید میں لکھتے چلے جاتے ہیں۔ ان حوالوں کے مطالعہ سے زیادہ سے زیادہ یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ شاید آپ کہیں کبھی باقاعدہ شریک درس رہے ہوں۔

بہرحال آپ جہاں بھی گئے' عُلماء و فقُراء کی صحبت میں ضرور وقت گذارا' اور جو کچھ سنا یا پڑھا' اسے اپنے سرمایۂ ذہنی میں جمع کرتے چلے گئے۔

دِلِ عارفاں ہمچُو دریا بود
کہ صَد جوئے در وے فرو می رود

بعد ازاں جب تلقین و ارشاد کی باری آئی اور تصنیفات سے یہ کام لینا شروع کیا' تو پھر آپ سب سے الگ کھڑے تھے اور جو کچھ کہہ یا لکھ رہے تھے اس میں ان کے روحانی مقام اور صفائے باطن کا بھرپور عمل دخل تھا۔ فرمایا:۔

"میں نے کسی کتاب سے کوئی حرف یا نکتہ نقل نہیں کیا۔ بلکہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری سے یہ باتیں لایا ہوں۔ اور اپنے تئیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیا ہے"۔ (نُورا لہُدیٰ خُورد: ص ۴۴)

یہی حال ان کے سلوک کا ہے۔ گو مصنف "مناقبِ سُلطانی" نے ان کے ہمعصر صوفیاء کا ذکر بھی کیا ہے' جو اپنے دور میں ممتاز اور سرپرآوردہ مشائخ میں شمار نہ ہوتے تھے اور جن سے موصوف نے سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ کے اکتساب فیض کی روایت بیان کی ہے۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ سُلطان صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تصنیفات میں ان میں سے کسی کا نام نہیں لیا۔ سُلطان صاحب کے علومرتبت سے یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے کہ وہ کہیں سے استفادہ کریں اور پھر اظہار تشکر کے طور پر بھی اس کا ذکر نہ کریں اور کسب فیض کی صورت بھی ایسی ہو کہ اس کا تاجدار ولایت سے ہو' جو غوثیت و قطبیت کا مبداء فیض ہو اور فقر کے اس اعلیٰ مقام پر متمکن ہو' جہاں نور ذات اس کے سامنے بے حجاب ہو۔ وہ اپنی والدہ کی تربیت کو یاد کرتے ہیں۔ تو وجد کی حالت میں پکار اٹھتے ہیں: سو بار اس کی ماں پر آفرین' اس کا نام باھو رکھا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ سے اپنی وابستگی اور ان سے اخذ فیض کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے مرتبہ کے بارے میں یوں رُطبُ اللسان ہوتے ہیں:

"فی الحقیقت دنیا کے تمام پیر اور مُرشد حضرت پیر دستگیر کے طالب اور مُرید

www.yabahu.com

ہیں اور حضرت پیر دستگیر دنیا کے تمام اولیاء اور مشائخ میں سب سے افضل، اعلیٰ اور بے مثل فرد فرید ہیں الآن کما کان ..... طریقہ قادری میں وہ برکت ہے کہ جو شخص ایک ہی بار یقین خاص اور صدق دل و اخلاص سے بزبان پاک کہہ دے، یا شیخ حضرت سید عبدالقادر جیلانی شیاً للہ، اس پر ابتداء سے انتہاء تک معرفت فقر اور ولایت کے تمام مقامات واضح اور روشن ہوجاتے ہیں۔"

(نُورا الہدیٰ صہ ۱۸۳)

ناممکن نظر آتا ہے کہ سلطان العارفین رحمتہ اللہ علیہ کو کوئی قابل قدر فیض اپنے وقت کے کسی شیخ سے حاصل ہو اور وہ اس کا ذکر بھی نہ کریں ۲۔ یہاں فقیر نور محمد کلاچوی رحمتہ اللہ علیہ سے اتفاق رائے کے بغیر چارہ نہیں کہ سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ اپنے وقت کے کئی بزرگوں کے پاس گئے اور ان کی صحبت میں رہے۔ بس یہیں تک بات صحیح ہے۔ اسی طرح ان کے سلوک میں استمداد عن القبور پر بہت زور دیا گیا ہے، اور انھوں نے اپنی تصنیفات میں قبروں پر جاکر دعوت پڑھنے کے طریقے کو متعدد بار بیان کیا ہے جیسا کہ صاحب "مناقب سُلطانی" کے روایت کردہ واقعات اس امر کی تائید کرتے ہیں۔ وہ یقیناً" کئی اہل اللہ کی قبور پر تشریف لے گئے ہوں گے۔ ان کی قبور پر اپنے مخصوص طریق سے دعوت پڑھی ہوگی۔ اور وہاں سے روحانی استفادہ بھی کیا ہوگا۔ مگر حقیقی باطنی فیض جس سے آپ کا وجود مبارک خود فیض رسان خلق بن گیا۔ وہ آپ کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے وسیلہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ ﷺ سے براہ راست نصیب ہوا۔ آپ جب اس مرتبے پر فائز ہوئے تو ابتدائی دور کے لطائف و انوار اس کے مقابلہ میں ہیچ نظر آئے:

جائیکہ مَن رَسیدم، اِمکان نہ ہیچ کس را
شہبازِ لامکانم آں جا کُجا مگس را

عَرش و قَلم و کُرسی کونین رَہ نیابد
افرشتہ ہم نگنجد آنجا نہ جا ہَوَس را

(کلید التوحید: ص ۱۱)

"توفیق الہدایت" میں انھوں نے واضح طور پر کہا ہے کہ باطنی ذرائع سے انھیں جو فیض ملا۔ اس نے انھیں "ظاہری مرشدی" کی حاجت سے بے نیاز کر دیا:

"جس شخص کا باطن اللہ تعالیٰ کا منظور نظر ہو اور اسے مجلسِ محمدی ﷺ کی حضوری حاصل ہو اور جناب رسولِ کریم ﷺ سے تعلیم، تلقین اور وسعت بیعت حاصل ہو اور جس نے ظاہر و باطن میں ہدایت نبوی کو اپنا رفیق بنایا ہوا ہو۔ اس کو ظاہری مرشد کی کیا ضرورت ہے؟ یہ میرا کہنا کسی کی حالت کے واسطے نہیں بلکہ خود میری یہ حالت ہے یا اس کی حالت کے واسطے جس پر یہ باتیں میں منکشف کروں یا دکھا دوں" (صہ ۱۷)

کسبِ فیض کے اس سلسلہ کو اصطلاح تصوّف میں طریقۂ اویسی کہا جاتا ہے مگر سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ خود کو "قادری سَروری" کہتے ہیں: "طریقہ قادری دو طریق پر ہے۔ ایک قادری زاہدی، دوم قادری سروری، قادری سروری یہ ہے جیسا کہ اس فقیر کو حاصل ہے کہ یہ فقیر مجلسِ محمدی سے مشرّف ہوا اور جناب رسالت مآب ﷺ کے دستِ مُبارک پر بَیعت کی۔ آپ نے بیعت لی اور خندہ رو ہو کر فرمایا: جو کچھ ہے۔ وہ ذِکرِ اللہ ہے اور اسی سے سب کچھ حاصل ہوتا ہے۔" (عین الفقر: ص ۱۲۹)

انھوں نے اپنے سلوک کو وجود یہ سلکِ سلوک بھی کہا ہے کیونکہ یہ سارا باطنی سفر انھوں نے اپنے وجود کے احساس کے ساتھ طے کیا۔ اس میں کچھ اشارہ وحدۃ الوجود کے نظریہ کے اقرار کے جانب بھی ہے۔ ذکر و فکر کی ساری مشق و ریاضت کا منتہا یہی رہا کہ یہ وجود نور بن جائے اور بالآخر ۳۔

رَفت ذِکر و رَفت فِکر و رَفت مذکورش حضور
نُور بُودم، نُور باشم، عاقبت شُد خاص نُور

www.yabahu.com

یہ سلسلہ جس میں ہمعصر فقراء و صوفیا کی صحبت و توجہ' ان کا اپنا ذوق و شوق اور ان کی طلبِ حقّ و معرفت شامل ہے تیس سال تک جاری رہا۔ " یہ فقیر باھو تیس سال سے مُرشد کی جُستجو میں پھرتا رہا ہے۔" (قُربِ دیدار ص ۳۸)

جس زمانے میں آپ نے تلاشِ حقّ کے لئے تگ و دو جاری رکھی۔ وہ اورنگ زیب عالمگیر کا دور تھا اورنگ زیب اور دارشکوہ کی جنگ جانشینی کے بارے میں اس دور کے صوفیوں اور درویشوں نے بھی اپنی اپنی رائے قائم کررکھی تھی اور یہ دونوں شہزادے بھی اپنی جدوجہد کے دوران فُقراء سے اپنی کامیابی کی دعائیں کراتے رہے۔ اورنگ زیب کے بارے میں گو یہ مشہور ہے اور کسی حد تک صحیح بھی ہے کہ اس کی طبیعت کا رُجحان فِقہ کی طرف تھا اور تصوّف کی طرف چُنداں توجہ نہ تھی۔ مگر اپنی جدوجہد کے دوران جہاں بھی وہ کسیؒ فقیر سے ملا' اس سے اپنی کامیابی کی دعا کی درخواست کی اور یہ یقین دلایا کہ وہ اپنی حکومت میں اسلامی قوانین کو بھرپور قوت کے ساتھ جاری کرے گا۔ اس کے برعکس داراشکوہ کے بعض عقائد کی بناء پر علماء اہل السُنّت و الجماعت' سادات اور مشائخ اس کی تخت نشینی کو دینِ اِسلام کی ترویج کے لئے خطرہ سمجھتے تھے۔ داراشکوہ کے بعض اقدامات نے ان کے ان خدشات کو تقویت بھی پہنچائی۔ چنانچہ بقول ڈاکٹر افتخار احمد غوری "داراشکوہ نے بلاشک سُنّیوں کو اپنا مخالف بنالیا تھا اور کسی صوفی نے اس مہم میں اس کے حق میں کبھی دعا نہ کی" ۴۔

جن کتابوں میں سُلطان صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے عہد تصنیف کی طرف اشارہ کیا ہے وہ اس دور میں تصنیف ہوئیں جب اورنگ زیب کامیابی کے بعد سریر آرائے سلطنت ہوا بہرحال جب یہ کشمکش جاری تھی' تو سلطان صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے بھی ان دونوں شہزادوں کی جنگ تخت نشینی کے متعلق ضرور سنا ہوگا اور اس کے متعلق رائے بھی قائم کی ہوگی۔ مگر ہمارے پاس حوالے صرف اس وقت کے ہیں جب اورنگ زیب بادشاہت حاصل کرچکا تھا۔ البتہ جس طرح سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ اورنگ زیب رحمتہ اللہ علیہ کی تعریف کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی

رائے اورنگ زیب کی تخت نشینی کے حق میں تھی۔ مثلاً "نورالہُدیٰ خُورد" میں اورنگ زیب کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"صاحبِ تصنیف باھُو (رحمتہ اللہ علیہ) مع ھُو مَعانی کا موتی' لامکانی غوطہ خور بن بَازِید عُرف اعَوان نے حضرت سُلطان بادشاہِ خلائق پناہ' محیّ الدّین اورنگ زیب بادشاہ غازی عادِل' با دِل' زاہد' عابد' اسرارِ ربّانی سے واقف' علمِ سُبحانی سے آگاہ کے زمانے میں یہ کتاب تیار کرکے اس کا نام نورالہُدیٰ رکھا۔" ص ۵۔

رسالہ "قُربِ دیدار" کے شروع میں یہ شعر لکھا ہے:

عمل شاہی عبیداللہ اِلٰہ است
کہ اورنگ زیب غازی بادشاہ است (ص: ۵)

"کلید التوحید" اور "امیرالکونین" کی ابتدائی سطور میں بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ان حوالوں سے ڈاکٹر لاجونتی رام کرشن کی اس رائے کی تردید ہوجاتی ہے ۵۔ کہ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کی اورنگ زیب سے بے تعلقی یا تو اس بناء پر تھی کہ وہ اس کی توجہ کو شک کی نظر سے دیکھتے تھے اور یا پھر وہ صوفیوں اور خاص طور پر قادریوں کے ساتھ (جو داراشکوہ کو اپنے میں سے ایک سمجھتے تھے) اورنگ زیب کے سلوک کو ناپسند کرتے تھے۔ اس کے برعکس حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ اورنگ زیب کی تعریف کرتے ہیں۔ اسے وہ بادشاہ غازی کہتے ہیں اور جیسا کہ ان کے عمل سلوک میں دعوت کے ذکر میں معلوم ہوگا وہ دعوت پڑھنے کی ایک غرض یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ بادشاہ غازی جب جنگ کررہا ہو تو اس کی کامیابی کے لئے دعوت پڑھی جائے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اورنگ زیب کے حق میں دعا کی ہوگی اور جہاں تک ان کی دربار سے بے تعلقی و بے نیازی کا تعلق ہے تو ان کے نزدیک فقیر کا رتبہ بادشاہ سے بلند ہے۔ بادشاہ فقیر کا محتاج ہے نہ کہ فقیر بادشاہ کا۔ ڈاکٹر لاجونتی کی مذکورہ بالا رائے اس لئے وقیع

www.yabahu.com

معلوم نہیں ہوتی کہ انھوں نے سلطان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی کتبِ تصوّف میں سے کسی کا مطالعہ نہیں کیا' ان کا منبعِ علم اس بارے میں صرف "ابیات" تک محدود ہے۔ ایک جگہ انھوں نے "عین الفقر" کا ذکر کیا بھی ہے۔ تو "مناقبِ سلطانی" کے حوالہ سے لہٰذا ان کی یہ رائے محض قیاس پر مبنی ہے۔

تلاش و طلب حق کے دوران آپ کا سابقہ تصوف کے دائرے میں جس ماحول سے رہا' اس کے بارے میں انھوں نے کھل کر کہیں نہیں لکھا۔ صرف ایک دو جگہ اپنے دور کے درویشوں کی حالت بیان کی ہے۔" فقیر باھُو کہتا ہے کہ طالب اسرار بہت کم ہوتے ہیں۔ اس زمانہ کے طالبوں کو قرار نہیں ہے۔ دنیا کے سبب سے وہ فرار ہوجاتے ہیں۔" (عین الفقر صہ ۱۹۰)

چنانچہ وہ اس انتشار کے دور میں ایک موقعہ پر عام ایماندار آدمی کو مشورہ دیتے ہیں کہ جان و ایمان کی سلامتی کے لئے تنہائی اختیار کرلو تو بہتر ہے:۔

"جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کا دِین و بَدن سلامت رہے اور غم کم ہوجائے تو اس چاہئے کہ خلقت سے گوشہ گیری کرے کیونکہ یہ زمانہ گوشہ گیری و تنہائی کا ہے۔" (اسرارِ قادری صہ ۴۸)

ظاہر ہے کہ یہ مشورہ ہر ایک کے لئے نہیں ہے۔ اسی انتشار کے دور میں خود حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے سلوک کی منزلیں طے کیں۔ تلقین و ارشاد کے مقام پر فائز ہوئے اور پھر طالبانِ حق کو اپنے سایۂ عاطفت میں تربیت کے حصول کی دعوت بھی دیتے رہے۔

ہر کہ طالبِ حقّ بوَد' مَن حَاضِرم
زابتدا تا اِنتہا یک دَم برم

(کلید التوحید خورد صہ ۶)

ان کا فقر "فقرِ شبیری" ہے۔ یہ فقر جاں سپاری و نبرد آزمائی اور جدوجہد و استقامت کی خصوصیات کا حامل ہے۔ اس لئے مذکورہ حوالہ سے صرف یہی ظاہر ہوتا

ہے کہ وہ زمانے کو فکر و نظر کے فساد و انتشار کے ہاتھوں پامال دیکھتے ہیں اور عوام کو احتیاط کی تلقین کررہے ہیں۔

تیس سال کی جدوجہد کے بعد سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ اس مقام پر پہنچے جہاں وہ معاصرین طریقت سے آگے بڑھ گئے اور رسول اللہ ﷺ کے حال کے وارث بننے کے مستحق ٹھہرے۔ اس کا اعلان وہ جابجا کرتے ہیں۔

دَست بَیعت کرد مَارَا مُصطفیٰ
وُلدِ خُود خَواند است مارا مُجتبیٰ
شُد اِجازت باھُو را از مُصطفیٰ
خَلق را تَلقین کُن بہر از خُدا
خاک پایم از حُسین و از حَسَن
معَرفت گشت است بَرمَن اَنجمن

(رسالۂ رُوحی)

آپ روحانی طور پر براہِ راست رسول اللہ ﷺ سے فیضیاب ہو کر فنافی الرّسول کے مقام پر فائز ہوئے۔ انھوں نے اپنی نثر کی کتابوں میں وجد کے عالم میں اشعار لکھ کر جابجا اس کا اقرار کیا ہے:

از محمّد یافت باھُو آنچہ یافت (کلید التوحید صہ ۱۱۷)
نَفس را تحقیق کردم از خدا ہر حقیقت یافتم از مُصطفیٰ

(کلید التوحید صہ ۱۷۰)

نُور الہُدیٰ' رحمت خدا' باطِن صَفا
ایں مَراتب یافتم از مُصطفیٰ
فیض فَضلش یافتم از مُصطفیٰ
شُدوجودم نُور از اِسمِ خُدا

(اسرارِ قادری صہ ۳۱)

www.yabahu.com

باہمت سالکین کا مطمحِ نظر ہمیشہ ایک رہا ہے۔ یعنی رُویتِ ذاتِ حق۔ فقر یا تصوف کی راہ محبت و عشق کی راہ ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تک جمال جہاں آرا کا دیدار نہ ہو۔ اطمینان کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوتی۔ تذکرۂ غوثیہ میں مرقوم ہے کہ جب مولانا حبیب اللہ شاہ صاحب کے زیرِ توجہ حضرت غوث علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ سلوک نقشبندیہ کی منازل طے کرچکے اور سیر لطائف و دوائر و انوار ختم ہوچکی تو "حضرت نے فرمایا کہ لو سید، تعلیم ختم ہوئی میں نے عرض کیا کہ آپ کی توجہ سے لطائف و دوائر کا خوب تماشا دیکھا مگر گستاخی معاف ہو۔ خدا کا پتہ نہ کسی دائرہ میں لگا نہ کسی لطیفہ میں یہ سب بھان متی کا سوانگ معلوم ہوتا ہے۔" مولانا حبیب اللہ شاہ رحمتہ اللہ علیہ انھیں حضرت شاہ ابوسعید رحمتہ اللہ علیہ کے پاس دہلی لے گئے۔ ان سے اس بارے میں بات ہوئی تو انھوں نے فرمایا "سنو صاحبزادے! جو کچھ ہم کو بزرگوں سے پہنچا تھا وہ تم کو پہنچا دیا۔ اب اگر تمہارا حوصلہ فراخ اور طلب غالب ہے تو اور جگہ تلاش کرو۔" (ارشاد ۳۲)

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ پر طلب حق کا جذبہ شدت سے غالب تھا اور وہ شروع ہی سے ذکر و فکر میں مستغرق رہتے تھے۔ اس لئے تمام باطنی مشاہدات سے مستفید ہوتے ہوئے بالآخر لقاء الٰہی سے مشرف ہوئے۔ بعد میں جب انھوں نے تلقین و ارشاد کا کام شروع کیا تو انھوں نے طالبان حق کی آگاہی کے لئے اپنے احوال کہیں کہیں بیان کردیئے۔ مثلاً ذکر کی گرمی کے بارے میں فرمایا:

"ہزارہا اس آگ میں جلتے ہیں۔ ان میں سے شاذونادر کوئی ایک آدھ معرفتِ الٰہی کے آبِ رحمت سے سرد ہوتا ہے۔ اور محبوب کے مرتبے پر پہنچتا ہے۔ یہ قال میرے حال پر صادق آتا ہے۔" (کلید جنت صہ ۳۳)

نورُ الہدیٰ کے آخر میں باطنی مشاہدات کا ذکر ہے۔ ان سے آگے طالب "وحدتِ کبریا اور لقاءِ خدا" کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور یہاں ایک نوری صورت سلطان الفقر کو دیکھتا ہے۔ "جب نوازش سلطان الفقر سے بہرہ یاب ہو کر آگے قدم رکھتا ہے، تو

اس کے سامنے انوار توحید کا ایک گہرا سمندر ٹھاٹھیں مارتا نظر آتا ہے۔ اس مقام پر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جس سعادت مند طالب کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اسے بحرانوار میں غوطہ دیتے ہیں۔ وہ ترک، توکل، تجرید، تفرید اور فقر کے اصل مقام کو پہنچ جاتا ہے۔" (صہ ۱۷۵) ب جو اسے علمِ لدنی کی تعلیم دی جاتی ہے تو اس کی زبان سیفُ الرحمٰن ہوجاتی ہے وہ "صاحبِ لفظ" ہوجاتا ہے اور "قاتلِ قال" خطاب پاتا ہے۔

ذکر کی مختلف کیفیات ان کے تجربہ میں آئیں اور ذکر کے انوار کو انھوں نے اپنے وجود میں سمولیا۔

ع- نماند پردہ باھُو گشت باھُو
ع- از قبر باھو ھُو بیاید و از لحد
ع- ذکر باشد ہمچو با باھُو بود

ذکر و فکر کے کئی مراحل سے گذر کر سلطان باھو فنافی اللہ کے مرتبہ پر فائز ہوئے اور پھر اعلان کیا:

باقی نماند پردہ یکتا بحق شدم (جامع الاسرار صہ ۴۲)
فنافی اللہ عارف باوصالم زہستی خویش رفتہ لازوالم
(عین الفقرا صہ ۱۱۴)

سرا پردۂ حرم کی حدود جہاں سے شروع ہوتی ہے، سالک وہاں جن تجربات سے گذرتا ہے اور اسرار اسے نظر آتے ہیں انھیں وہ کسی کے سامنے بیان نہیں کرسکتا۔

آنچہ دیدم باکس نگویم سرِّ راز
لائق کس نیست سرِّ جاں بباز
(عین الفقراء صہ ۱۱۴)

انسان کی زباں ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ حروف و الفاظ سب پیچھے رہ جاتے ہیں۔ یہاں

www.yabahu.com

ذاتِ حق کے لئے بھی صرف اشارہ ہی رہ جاتا ہے۔ اسے صِرف ھُو کہا جاسکتا ہے اور پھر جو کچھ مزید مشاہدہ میں آئے۔ اسے بھی محض ھو کہہ دینے کے علاوہ کیسے بیان کیا جاسکتا ہے۔

ھُو حقیقت' سر سرّش باکس مگو

سُلطان باھُو فنافی الرّسُول کے بعد فنافی اللہ کے مقام پر پہنچے۔ تو دونوں کیفیات سے بیک وقت لذّت یاب ہوئے۔

"فقیر فنافی اللہ غوطہ خور ہے۔ جس دریا میں چاہتے ہیں' غوطہ لگاتے ہیں لیکن غرق نہیں ہوتے بلکہ ساحلِ نجات پر پہنچ جاتے ہیں۔ چنانچہ میں خود وحدت میں بھی غرق تھا اور ساتھ ہی ہمیشہ مجلسِ محمّدی میں بھی حاضر تھا ایک لحظہ کے لئے بھی جُدا نہیں ہوتا تھا...." (جامع الاسرار ص ۷۰)

لیکن یہ سب معاملات مکاشفات کی دنیا میں واقع ہوئے جو صوفی کے لئے ظاہری دنیا اور اس کے طور طریق سے کہیں زیادہ حقیقی حیثیت واہمیت رکھتی ہے۔ وہاں جو کچھ ہوتا ہے' حقیقت ہے۔ جو کچھ کہا جاتا ہے' مستند ہے اور جو کچھ ملتا ہے' مستقل اور پائیدار ہے۔

انھوں نے اپنے سلوک کی نسبت جابجا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ سے کی ہے اور حوالۂ ذیل میں جو حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ کے مریدوں کے علو مرتبت کے بارے میں لکھا ہے اس میں اپنے منصب کی جانب بھی اشارہ ہے:۔

"کاملِ قادری میں اہلِ قلب' اہلِ روح اور اہلِ سرّ ہونا پایا جاتا ہے۔

ہَر کہ بِبیند رُوئے مَن شُد اولیاء
رُوئے مَن با رُوئے رحمت مُصطفےٰ

(عقل بیدار صہ ۱۱۹)

مُرشد کی حیثیت سے وہ کامل اعتماد کے ساتھ بات کرتے ہیں۔ بعض جگہ قادری

مُرشد کی خصوصیاتِ عالیہ بیان کرتے ہیں۔ اس سے مراد وہ خود بھی ہیں۔ جب وہ منصبِ ارشاد پر فائز ہوئے' تو انھوں نے طالبانِ حق کو دعوت عام دی لیکن ایسے طالبانِ حق انہیں بہت کم ملے جو روحانیت و معرفت کے اعلیٰ مراتب تک پہنچنے کی صلاحیت و اہلیت رکھتے ہوں۔

"———— مَیں سالہا سال طالب کی طلب میں رہا ہوں لیکن افسوس کوئی ایسا طالبِ صادق نہ پایا۔ جو لقاءِ الٰہی کے لائق اور قابل ہو۔"

(نورا لہُدیٰ صہ ۱۴۹)

آپ طالبانِ حق کی اہلیت و صلاحیت پرکھنے کی استعداد بدرجہ اتم رکھتے تھے اور یہ تصوف میں ایک صاحب ارشاد کے لئے بہت ضروری بھی ہے۔ بعض دنیا کے لالچ میں آکر خانقاہوں کا رخ کرتے ہیں کہ اگر دنیوی امور مادی ذرائع سے انجام پذیر نہ ہوسکیں' تو کسی صوفی کا بھیس بدل کر یہ کام نکالے جا سکیں۔ مرشد کے لئے ماہر نفسیات اور کاشف القلوب ہونا ضروری ہے تاکہ وہ اپنی خانقاہ کو بلکہ دائرہ سلوک کے تمام ماحول کو ان لوگوں کی آلودگی سے محفوظ رکھ سکے اور اس قسم کے افراد کو اپنے ہاں ٹھہرنے کی اجازت نہ دے کہ وہ خانقاہ میں موجود درویشوں کی گمراہی کا باعث بنیں یا عوام کو اپنی منافقت سے دھوکا دے سکیں۔ سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کو یہ باطنی بصیرت کامل طور پر نصیب تھی۔

"..... اور میری باطنی نظر فوراً" جھوٹے اور سچّے مُرشد اور طالب کو اس طرح پہچان لیتی ہے جس طرح صراف سونے کو معلوم کرلیتا ہے۔"

(نُورا لہُدیٰ کلاں صہ ۴۱)

حضرت سُلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کو زندگی میں ایسے طالب بھی ملے جنھوں نے ان سے فیض حاصل کیا اور وہ خدا رسیدہ ہوگئے۔ مگر حضرت سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ کا معیار فضیلت بہت اونچا تھا۔ وہ تو اس سے بھی زیادہ صلاحیت رکھنے والوں کو اپنی روحانی تربیت سے اونچا مقام بخش سکتے تھے۔ بہرحال ولایت کی جس امتیازی شان

www.yabahu.com

سے وہ سرفراز تھے۔ اس کے مطابق انہیں کوئی طالب عرفان الٰہی میسر نہ آسکا۔

"یہ فقیر سُلطان باھُو تیس سال سے مُرشد کی جُستجو میں پھرتا رہا اور برسیں گذر گئیں ہیں کہ طالب اللہ کی طلب میں ہوں اور اب تک نہیں ملا ہے۔

کس نپُرسد زمن خُدا پُرسی تا رسانم بعرش و با کرسی"

(قُربِ دیدار صہ ۱۳۸)

آپ ولایت و قرب الٰہی کے اعلیٰ ترین مرتبہ تک پہنچے۔ آپ نے اپنی تصنیفات میں اگر کچھ باتیں اپنے مرتبہ کے بارے میں ظاہر کی ہیں تو وہ درست اور برحق ہیں کیونکہ وہ کلمات سکر کی کیفیت میں ان کی زبان یا قلم سے نہیں نکلے۔ ان کلمات کو شطحات میں شمار کرنا غلط فہمی ہوگا۔ سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ صاحب صحو بزرگ تھے اور اتنے محتاط کہ انھوں نے اپنی کتب میں نہ ہی اپنی کوئی کرامت بیان کی ہے اور حتیٰ الوسع بالوضاحت و بالارادہ اپنے کسی مکاشفہ کا ذکر کیا ہے۔ بنظر غائر مطالعہ کرنے والا قاری البتہ بین السطور یہ ضروری پڑھ سکتا ہے کہ سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ صاحب کرامت بھی تھے اور ولایت مکاشفات و اسرار کے والی بھی۔ اپنے روحانی مرتبے کے بارے میں انھوں نے اس وقت لکھا' جب وہ ارشاد و تلقین کے لئے مامور ہوچکے تھے۔ یہ سب کچھ طالبان حق کے لئے اظہار حق کے طور پر تھا تاکہ فیض ربانی کے لئے حجت تمام ہوجائے یا پھر خدا کے حضور اظہار تشکر کے طور پر ایسا کیا۔

"مالک الملکی فقیر صاحبِ اختیار ہوتا ہے۔ جسے چاہتا ہے' ولایت بخشتا ہے اور جس سے چاہتا ہے' چھین لیتا ہے' یہ خدمات اہلِ ذات فقیر کے ذمہ ہوا کرتی ہیں۔ جیسا کہ فقیر باھُو فنافی ھُو ہے۔"

(عقل بیدار صہ ۴۴)

"رسالہ رُوحی" کے مطالعہ سے جو ایک خاص کیفیت جذب میں لکھا گیا ہے' معلوم ہوتا ہے کہ ان کی عظیم روحانی شخصیت کے سامنے تمام حجابات اٹھ گئے ہیں۔ یہاں انھوں نے اپنے آپ کو ان سات روحوں میں سے ایک ظاہر کیا ہے جن میں

سے پانچ عالم ہست و بُود میں جلوہ افروز ہوچکی ہیں اور دو کا ظہور ابھی باقی ہے۔ ان میں سے ہر رُوح "سُلطان الفقر" کے پیکر میں جلوہ گر ہوئی۔ "ان کا مقام حریمِ ذاتِ کبریا ہے اور انھوں نے حق سے سوائے حق کے اور کچھ طلب نہیں کیا۔" (رسالہ رُوحی)

"عَینُ العَین وحدت" کے مقام پر انہوں نے جو دیگر اولیاء اللہ کو دیکھا تو سب کا سلوک اور ان کے مراتب آپ کے سامنے واضح ہوگئے۔ چنانچہ جب وہ قدیم و جدید دور کے مشائخ کبار کا ذکر کرتے ہیں تو وہ اسی مقام سے نظر ڈالتے ہیں:

"فقر کی منزل بہت بڑی اور اس کی گھاٹی بہت مشکل ہے۔ فقر کے لئے فقیر مخدوم جہانیاں (رحمتہ اللہ علیہ) نے چودہ طبق کا سیر و تماشا دیکھا۔ تاہم مراتبِ فقر کو نہیں پہنچ سکے۔

فقیری کے لئے ابراہیم ادھم (رحمتہ اللہ علیہ) نے اپنی سلطنت چھوڑ دی اور اپنے بیٹے کے قتل ہوجانے کے سبب سرگرداں پھرتے رہے۔ اس کے بعد مراتبِ فقر کو پہنچے۔

سُلطان بایزید بُسطامی (رحمتہ اللہ علیہ) تمام عُمر ریاضتیں اُٹھاتے رہے اور انھوں نے آخر کو اپنے نفس کی کھال کھینچ ڈالی۔ تب بھی مراتبِ فقر پر نہیں پہنچے۔ شیخ بہاؤ الدّین شاہ رُکن عالم (رحمتہ اللہ علیہ) اپنی جان سے نکل گئے اور ہرگز مراتبِ فقر پر نہیں پہنچے۔

حضرت رَابعہ بَصری (رحمتہ اللہ علیہا) نے فقر کو خواب میں دیکھا اور بے واسطہ مَراتبِ فقر پر پہنچیں۔

جناب حضرت شاہ محیّ الدّین قدس سرّہٗ العزیز شکمِ مادر میں مراتبِ فقر پر پہنچے اور شریعت پر قدم بہ قدم چل کر محبوبیت کا مرتبہ حاصل کیا اور فقیر محی الدّین کا خطاب پایا"۔ عین الفقر صہ ۱۴۴

سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ نے جابجا حضرت بایزید بُسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی

www.yabahu.com

تعریف کی ہے۔ خاص طور پر نفس کُشی اور تَرکِ دنیا کے سلسلہ میں جن دو ہستیوں کو بطور مثال پیش کیا ہے وہ حضرت بایزید بُسطامی رحمتہ اللہ علیہ اور رابعہ بصریہ ہیں بلکہ وہ ترکِ دنیا کے مفہوم واضح کرنے کے لئے ان کی مثال بطور تشبیہ لاتے ہیں۔ جہاں تک حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے مرتبہ فقر کے بارے میں ان کی رائے کا تعلق ہے تو یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت سلطان باھو اسرار ربانیہ کے عارف کامل کی حیثیت سے بات کررہے ہیں اور ظاہر ہے کہ ایک محرمِ حال کی بات ہمیشہ صحیح اور امر واقع خیال کی جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ مشائخ کبار میں سے تھے لیکن ان کے مرتبۂ فقر کے بارے میں حضرت سُلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ سے پہلے بھی ایک بزرگ اسی طرح کا ایک ذاتی تجربہ و مشاہدہ بیان کرچکے ہیں۔ "عدّۃ السالکین" میں جو حضرت خواجہ بہاؤ الدّین نقشبند رحمتہ اللہ علیہ کے مناقب کے بارے میں ہے' لکھا ہے:

" خواجہ علاؤ الدّین والحق ہمارے خواجہ صاحب (خواجہ نقشبند رحمتہ اللہ علیہ) کی نسبت فرماتے ہیں کہ خواجہ صاحب نے سُلطان العارفین ابویزید بسطامی کی نسبت فرمایا کہ جب وہ سیر کے مقام میں انبیاء علیہم السلام کی صفات کی سیر کرتے ہوئے بارگاہِ محمّدی میں پہنچے اور چاہا کہ آنحضرت ﷺ کی صفت کی سیر کریں' تو ان کو روکا گیا۔ لیکن جب ہمارے خواجہ صاحب نے عنایتِ الٰہی سے ان مقامات کی سیر کی تو آپ نے گستاخی نہ کی۔ بلکہ عجز و نیاز کا سر آنحضرت ﷺ کی عزّت اور احترام کے آستاں پر رکھا۔" (اردو ترجمہ صہ ۳۵)

صُوفی سلوک کے درمیان برابر دیکھتا رہتا ہے کہ اب وہ فلاں مقرب کے درجے کے قریب ہے اور فلاں کے مرتبے سے آگے بڑھ گیا ہے۔ وہ تذکرات جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے مناقب میں لکھے گئے ہیں ان میں یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ ایک دفعہ حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ جب شیخ معروف کرخی رحمتہ اللہ

علیہ کی قبر پر گئے تو فرمایا "السّلام علیکَ یا شیخ! آپ ایک درجہ ہم سے آگے ہیں۔" چند روز بعد جب ان کے مزار پر تشریف لے گئے تو فرمایا :"السلام علیک یا شیخ! ہم آپ سے دو درجے آگے نکل گئے۔"

یہ خواص کے مکاشفات ہیں جو خواص ہی سے متعلق ہیں ورنہ عوام کے لئے ان انکشافات کی ضرورت نہ تھی۔ ان کے لئے تو یہی کافی ہے کہ یہ سب بزرگ اولیاء اللہ اور مقربینِ درگاہ ہیں۔

حضرت سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ اس پایہ کے بزرگ تھے کہ فقر کی دنیا میں قدم رکھا تو سُلطان الفقر کہلائے۔ قُربِ الٰہی میں فنافی ھُو اور عَین العین وحدت کا درجہ پایا۔ پھر یہ مقام کہ بیک وقت اللہ تعالیٰ کے منظور نظر بھی رہے اور رسول اللہ کی حضوری سے بھی شرف یاب تھے۔ آپ اس دنیا میں نہیں ہیں۔ پھر بھی آپ کا فیض اسی طرح جاری ہے جس کا ایک ذریعہ آپ کی کتابیں ہیں۔ اگر کسی ولی اللہ کی کتاب ملے تو وہ طالب حق کے لئے روحانیت کا مصدر و معدن بن سکتی ہے کیونکہ بقول سُلطان صاحب "سُخنِ فقیراز کہ مثلِ سُخنانِ خُدااست"۔ انھوں نے فرمایا :

"واضح رہے کہ کسی ولی اللہ کی تصنیف بے تکلیف کے مطالعہ کا اثر وجود میں اس قدر ہوتا ہے کہ انسان روشن ضمیر بن جاتا ہے اور از خود خدا رسیدہ ہوجاتا ہے۔ لیکن ناقص کی تصنیف کے مطالعہ سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔" (عقل بیدار صہ ۳)

تقریباً" اپنی ہر کتاب کے متعلق سلطان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا دعویٰ ہے کہ ایک کامل مرشد کی طرح فیض رساں ہے۔ جملہ کتب خاص روحانی کیفیات کے زیر اثر لکھی گئی ہیں اور ان میں اکثر سرتاسرالہامی ہیں۔ چند ایک کے بارے میں ان کی رائے ملاحظہ فرمایئے :

" جو شخص دن رات اس کتاب کا مطالعہ کرے گا اور اخلاص سے پڑھے گا وہ مجلسِ نبوی سے مشرف ہوگا۔ الٰہی بھید اس پر ظاہر ہوں گے' زمین و

www.yabahu.com

آسمان کی کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں رہے گی۔ اس کتاب کا پڑھنے والا عارف خاص اور خلقت کا رہنما ہو جاتا ہے۔" (کلید التوحید صہ ۱۳۵)

جو شخص اس رسالہ کو پڑھے گا۔ مشاہدۂ نُورِ الٰہی اور معرفتِ اسرارِ نامتناہی اس کی طرف رُخ کرے گا۔" (نُورا لہُدیٰ خورد صہ ۲)

"ہر کہ خواند محک را بہرِ خُدا مجلسے حاصِل شوَد با مُصطفےٰ"

(محک الفقراء کلاں صہ ۱۵)

دوسرا منبعِ فیض ان کی قبر ہے۔ حضرت سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ استمداد عن القبور کو بہت بڑا وسیلۂ قُربِ الٰہی مانتے تھے۔ اسی لئے انھوں نے اپنی تحریروں میں بار بار اس کا ذکر کیا ہے اور قبور پر دعوت پڑھنے کے طریقے بیان کئے ہیں۔ ان کے نزدیک فقیر کا کمال یہ ہے کہ وہ مُر کر زندوں کی طرح فیض پہنچاتا رہے:

نام فقیر تنہا ندا باھُو قبر جنہاندی جیوے ھُو

قبروں سے اِستعانت کے بارے میں علماء کا اختلاف ضرور ہے مگر صرف چند ایک ہی ایسے ہیں جو کُلی طور پر اس کے منکر ہیں۔ ورنہ صوفیائے کبار سب کے سب اس کے قائل تھے اور علماء محققین کی بھی ایک کثیر تعداد ان کے ساتھ اتفاق رکھتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے رسائل "ہمعات" اور "القول الجمیل" وغیرہ میں صراحت سے بیان کیا ہے کہ ان بزرگوں کی ارواح کا فیض زندوں کو پہنچتا ہے جو اس دنیا سے انتقال کر چکے ہوں۔

حضرت سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ اگرچہ عالمِ بالا کے مکین ہیں مگر وہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کا فیض کبھی منقطع نہیں ہوتا۔ وہ اپنی زندگی ہی میں یہ بات بتا گئے ہیں کہ ان کی موت کے بعد ان کی قبر زندہ رہے گی:

"جب طالب دیکھے کہ اس کے ذکر و فکر سے راہ باطن اس پر روشن نہیں ہوتی اور جس کے پاس جاتا ہے' اس پر اسے اعتقاد نہیں ہوتا اسے چاہئے کہ اول شب یا نیم شب کو کسی درویش زندہ قلب یا غوث یا قطب یا فقیر

باھُو کی قبر پر آکر قبر کی پائنتی سوار ہو جس طرح سے گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں اور قرآن مجید سے جو کچھ یاد ہو' پڑھے۔"

(عین الفقر ص ۱۸۹)

جب تک زندہ تھے' خلقت ان کی تقریر و تحریر سے تلقین حاصل کرتی تھی' اور اب جب کہ وہ اس جہاں میں نہیں' ان کی تصنیفات اور مزار اقدس سے کسب فیض کر کے ایک سالک دیدہ و دل کو سیراب کر سکتا ہے۔ البتہ اس کا انحصار اس امر پر ہوگا کہ طالبِ حق میں ذاتی استعداد کس حد تک ہے اور وہ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کے احوال و مقامات کے ادراک کے بعد وجدانی لحاظ سے ان کے اثر و نفوذ سے کس حد تک ربط رکھتا ہے۔

حوالہ و حواشی

۱۔ "شاہ حُسین کے ایک ایک لفظ سے مسکینی ظاہر ہوتی ہے"۔
(تاریخ ادبیات مُسلمانان پاکستان و ہند ۱۳۔۱ صفحہ ۲۸۹)

۲۔ مخزن اسرار۔ص ۲۰۳

۳۔ رود کوثر۔از شیخ محمد اکرم صہ ۴۱۴

۴۔ شاہجہان کے بیٹوں کے درمیان جنگ تخت نشینی صہ ۷۹ (انگریزی)

۵۔ PANJABI SUFI POETS (P-29)

www.yabahu.com

باب: ۳

مردِ فقیر

ہر مذہب میں صفائے باطن کے حصول کے لئے علم و عمل، ہدایات و تعلیمات کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے، یہی صورت ہمیں اسلامی تصوف میں ملتی ہے۔ باطن کی وسیع کائنات میں علم و عمل کے لئے اسلامی تصوف میں بھی مختلف طریقے تجویز کئے گئے ہیں اور ان کی خصوصیات و اہمیت کے پیش نظر اسے مختلف نام بھی دیئے گئے ہیں مثلاً" کہیں اسے تصوف کہا گیا، کسی نے احسان اور حکمت کا نام دیا اور کسی نے فقر و درویشی سے موسوم کیا۔ کتب صوفیہ میں تصوف کی حقیقت و ماہیت اور ذکر طریق میں اس کی تفصیل جابجا ملے گی۔

تصوّف کی تعریف یُوں کی گئی ہے:

"تصوّف وہ علم ہے۔ جس سے تزکیۂ نفوس اور تصفیۂ اخلاق اور ظاہر و باطن کے احوال پہچانے جاتے ہیں تاکہ سعادتِ ابدی حاصل ہو۔ نفس کی اصلاح ہو اور ربّ العالمین کی رضا اور اس کی معرفت حاصل ہو اور تصوف کا موضوع تزکیۂ، تصفیہ اور تعمیر باطن ہے اور اس کا مقصد ابدی سعادت کا حصول ہے۔" (بحوالہ دلائل السلوک ص ۴)

اس تعریف کے مطابق تصوف اس علم کا نام ہے جس میں معبودِ حقیقی کی معرفت کی خاطر تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب نیز تجلیۂ رُوح کے بارے میں اصول و ضوابط اور احوالِ باطن کا بیان ہوتا ہے۔ لیکن یہ محض نظری علم نہیں تصوف کو نظری علم کی حیثیت ہی سے پڑھا جائے تو اس پر کسی تذکرہ نگار کا یہ قول صادق آتا ہے کہ "تصوّف برائے شعر گفتن خُوب است" گو مذہب میں عام طور پر اعتقاد اور عمل ساتھ ساتھ چلتے ہیں مگر تصوف میں تو عمل کے بارے میں یہاں تک کہا جاتا ہے کہ یہاں عمل پہلے ہے

اور علم بعد میں۔ یہ بات اس لئے بھی درست ہے کہ سلوک کے دوران پیش آنے والی کیفیات جب تک ذاتی طور پر تجربے میں نہ آجائیں محض علمی سطح پر انھیں کاملاً" سمجھ لینا مشکل کیا ناممکن ہے۔ چنانچہ یہاں علم و عمل صحیح معنوں میں لازم و ملزوم ہیں۔

بحث و نظر میں تصوّف کے کئی مترادف نام بھی مستعمل ہیں مگر ہم صرف تصوّف اور فقر کے مفہوم کی وضاحت کریں گے۔ سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتب میں ہر چند تصوف کی اصطلاح کو وسیع معنوں میں ایک علم کے طور پر استعمال کرتے ہیں مگر انھوں نے اکثر و بیشتر فقر کی اصطلاح ہی کو پسند کیا ہے اور اپنی تحریروں میں اسی عنوان کے تحت اس کا مُنتہائے مقصود اور اس کی خصوصیات بیان کی ہیں۔

تصوّف میں جن احوال و مقامات پر زور دیا جاتا ہے۔ وہ اخلاص، توبہ، زُہد، یقین، توکّل، رضا، فقر اور استغنا وغیرہ ہیں۔ اس لحاظ سے فقر محض ایک حالت ہے یا ایک مقام جبکہ تصوف ان سب پر حاوی ہے۔ شیخ شہاب الدّین سُہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے تصوف اور فقر کے مفہوم پر اسی رُخ سے نظر ڈالی ہے۔ انھوں نے تصوف اور صوفی کی اصطلاحات پسند کی ہیں مگر اس کے باوجود وہ یہ مانتے ہیں کہ تصوف کی بنیاد اور اس کا لازمی جُز فقر ہے۔ اس بحث کے آغاز میں انھوں نے یوں اقرار کیا ہے:

"شیخ ابو زرعہ بن ابی الفضل نے اپنے مشائخ کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث ہم سے بیان کی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ہر چیز کی ایک کُنجی ہوتی ہے۔ لہٰذا جنت کی کُنجی غریبوں اور صابر فقراء سے محبت کرنا ہے۔ وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہم نشیں ہوں گے۔

اس طرح فقر تصوف کی اصل حقیقت میں داخل ہے وہ اس کی بنیاد اور لازمی جزُ ہے۔" (عوارف المعارف صہ ۸۹)

حضرت سُلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے بھی ایک دو جگہ تصوف کی جو اصطلاح استعمال

www.yabahu.com

کی ہے اس کا مفہوم بھی صاحب عوارف المعارف کے نکتۂ نظر سے مختلف نہیں۔ مثلاً "امیرالکونین" میں آپ فرماتے ہیں:

ہر علم کا مغز تصوّف ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ کی باتیں اُم العلوم اور احیاء العلوم ہیں۔ علمِ تصوّف سے حق و باطل میں تمیز ہوتی ہے جو شخص علم تصوّف نہیں پڑھتا اس کا دل سیاہ رہتا ہے اور ہمیشہ جہل و نفاق میں رہتا ہے، علمِ تصوف ہی علمِ فقر اور سلک سلوک فقر ہے۔ اس سے قلبی تصدیق، توفیق بحق رفیق، تحقیق فضل اللہ حاصل ہوتے ہیں۔ علم تصوف سے عارف رحمتِ الٰہی بن جاتا ہے۔ جو شخص علم تصوف سے منع کرتا ہے۔ وہ بے دین ہے۔" صہ ۹۴

ظاہر ہے کہ وہ دوسرے علوم کے علاوہ فقر کو بھی تصوف میں داخل سمجھتے ہیں اور اگر انھوں نے تصوف کی بجائے فقر کی اصطلاح کو بار بار استعمال کیا ہے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انکے نزدیک تصوف کی روح فقر ہے بلکہ ان کے نقطہ نظر سے تصوف کی انتہا فقر ہے کیونکہ تصوّف محض علم و نظر ہے اور فقر علم و مشاہدہ بقول صاحبِ کشف المحجوب ..... "اور جس نے حقیقتِ فقر کو پالیا اس نے موجودات سے منہ پھیر لیا اور رؤیتِ کُلی حاصل کرکے فناء کُل میں مستغرق ہو کر بقاء کُل میں چلا گیا۔" ص ۱۰۴

وہ سب احوال و مقامات جو صُوفی کے درجات بلندی کی طرف اشارہ کرتے ہیں فقر میں یکجا ہوجاتے ہیں۔ صبر و رضا، زہد و قناعت، غیرت و استغناء یقین و توکّل وغیرہ، اس لئے بعض کاملینِ اُمّت نے تصوّف کی بجائے فقر کی اصطلاح ہی کو موزوں سمجھا۔ اور اسی عنوان کے تحت نکات معرفت و حکمت بیان کئے۔

فقر کی اصطلاح کو اس لئے بھی مفہوم کے قرین سمجھا گیا کہ انبیاء کے درمیان رسول اللہ ﷺ کی امتیازی صفت فقر ہے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا: **اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ وَ الْفَقْرُ مِنِّیْ** (فقر میرا فخر ہے اور فقر مجھ سے ہے) کشف المحجوب میں حضرت جُنید

بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے حوالے سے دیگر پیغمبروں کی امتیازی صفات کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی شان فقر یوں بیان کی گئی ہے:

"..... اور فقر میں سیّد الانبیاء حبیبِ کبریا محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کی جائے باآنکہ حق تعالیٰ شانہٗ نے خزانہائے رُوئے زمین کی کُنجی حضُور کی خدمت میں بھیجی اور فرمایا اے محبوب ﷺ، اپنی جان پاک پر محنت و مشقت نہ ڈالئے اور خزانوں سے جس قدر چاہئے، خرچ فرما کر اپنی شانِ تجمل دوبالا کیجئے۔ حضور سیّد یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بارگاہ جل مجدہٗ میں عرض کی کہ الٰہی میں نہیں چاہتا۔ بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ ایک روز کھاؤں اور ایک روز بھوکا رہوں اور یہ اصول معاملہ تصوف میں بہترین خصلت ہے۔" ص ۱۳۳

سُلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ تصوف اور فقر کے متعلق مشائخ کی آراء سے واقف تھے اور اگر انھوں نے تصوف اور صوفی کی اصطلاحات سے اعراض کرکے فقر اور فقیر کی اصطلاحات پسند کیں اور انہی عنوانات کے تحت علوم معرفت اور حقائق و اسرار باطنی بیان فرمائے تو اس کا سبب صرف یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع میں تصوف کی انتہا کو فقر کا نام دیتے تھے اور اسی بناء پر اس راہ پر چلنے والوں اور بلند درجات حاصل کرنے والوں کو فقیر کہتے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ ان اصطلاحات کے استعمال یا ان کے مابین فرق کے سلسلہ میں دیگر مشائخ اور سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ میں کوئی بنیادی اختلاف تو نہیں تاہم اس کو محض لفظی ہیر پھیر بھی نہیں سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ لفظی نزاع میں تو شاید فرق کم نظر آئے مگر اس سے مرد راہ کے نکتۂ نظر اور بالآخر اس کے منشاء و مُتمنا پر ضرور اثر پڑتا ہے۔ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتابیں تلقین و تبلیغ کے لئے لکھی تھیں اور ان کے سامنے ایسے قاری نہ تھے، جو محض نظری سطح پر مطالعہ کے لئے کتاب لے کر بیٹھیں بلکہ ان کی موجودگی میں تو ان کی صحبت میں اور آئندہ

www.yabahu.com

کے لئے ان کے تصوّر میں وہ قاری تھے جو معبودِ حقیقی کی محبّت و معرفت میں عملی طور پر کوشاں ہوں اور احوال باطن کے تجربات سے گذر رہے ہوں۔ ان کی خاطر لکھتے ہوئے جب انھوں نے اپنی تحریروں میں فقر کا لفظ استعمال کیا اور انھیں فقیر کہا تو اس کا مطلب یہی سمجھنا چاہئے کہ تصوف کی روح کو انھوں نے فقر ہی میں دیکھا اور فقر کی کچھ ایسی خصوصیات تھیں جو شاید تصوف کے عنوان کے تحت نمایاں نہ ہوسکتیں۔ ان کو انھوں نے تاکید مزید کے ساتھ پیش کیا۔ ان کی نگاہ میں "فقیر آفتاب کی طرح تمام جہاں کی روشنی کا معدن انوار ہے۔" اور فقیر "کامل کل اہل توحید ہے۔" (نورالہدیٰ ص ۲۴۰)

فقر کے بارے میں انھوں نے جابجا اشارات تو کئے ہیں مگر اس کی جامع تعریف محض ان اشارت سے سمجھنا مشکل ہے۔ مثلاً" مندرجہ ذیل اقتباسات میں فقر کے اصول و فروعات میں سے بعض کا ذکر تو ہے۔ لیکن فقر کی ایسی تعریف جو منطقی لحاظ سے مکمل بھی ہو' ان میں نہیں مل سکتی۔

"واضح رہے کہ فقر کے تین حرف ہیں۔ ف ۔ ق ۔ ر۔ حرف ف سے فنائے نفس' قاف سے قوّتِ روح اور ر سے رحم دل مراد ہے۔ نیز فا سے فخر' قاف سے قرب اور ر سے رحمت مراد ہے۔" (کلیدالتوحید ۱۵۹)

" مجلسِ محمّدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے چند خاص چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔ یعنی شوق' شفقت' صفائی دل' ترک و توکل' صدق و یقین اور عنایت قلبی' اسی کو فقر عظیم کہتے ہیں۔" (مفتاح العارفین)

"فقر کیا چیز ہے؟ کسے کہتے ہیں؟ اور کہاں سے پیدا ہوتا ہے؟ فقر نورِ الٰہی سے پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ تمام جہان کا ظہور نورِ فقر سے ہوا ہے۔ فقر ہدایت ہے۔ فقر نور حقّ کی ایک صورت ہے جو اس درجہ خوبصورت ہے کہ دونو جہاں اس کے شیدا اور اس پر فریفتہ ہیں لیکن فقر کسی کی طرف توجہ نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ کے حکم اور حضرت محمّد مصطفٰے ﷺ کی

اجازت سے۔

فقر رحمت' رازِ وحدت' نورِ حقّ زیرپائے فقر باشد ہر طبق

(توفیق الہدایت صہ ۱۴)

حضرت سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ صاحبِ حال اور بلند مقام صوفی تھے۔ اس لئے ان کا اسلوب شاعرانہ و صوفیانہ ہے۔ ان کا انداز بیان معروضی و استدلالی نہیں' بلکہ ذوقی و وجدانی ہے۔ وہ مقدمات کی ترتیب اور ان کے منطقی نتائج کے تطابق و ارتباط سے کسی خیال تک باقاعدہ رسائی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات موضوع کی مرکزیت کو بھی نظر انداز کردیتے ہیں۔ چنانچہ ان کے نظریات فقر کو کماحقہ' سمجھنے کے لئے وہی ایک صورت رہ جاتی ہے۔ جو ہم ہر بڑے مفکر' شاعر یا صوفی کے خیالات و آراء سے آشنا ہونے کے لئے اختیار کرتے ہیں۔ یعنی اس کی تحریروں اور اس کے اسلوب کو جوں کا توں قبول کرلیا جائے۔ اس موافقت و قبولیت کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مصنف کی ذہنی دنیا کی فضا اور اس کا ماحول خودبخود اپنے آپ کو ہم پر ظاہر کردیتے ہیں اور قاری محسوس کرتا ہے گویا خود مصنف کی روح مطالب کے ادارک میں اس کی رہبری کررہی ہے۔

اس حکمت کی روشنی میں جب سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کی کتب کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کے ہاں فقر کا نظریہ محض تجریدی نہیں ہے جسے وہ دلائل و براہین سے ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف ہوں بلکہ یہ فقر ایک زندہ اور متحرک طرز عمل ہے جو فقیر کے خصائص میں متشکل ہو کر دنیا کے سامنے آجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کی توجہ' نظریہ فقر پر بحث کی بجائے ہمیشہ فقیر کی شان پر مرکوز رہتی ہے۔ وہ فقر کو بطور نظریہ پیش کرتے ہیں اور نہ ہی ایک مستقل نظام

www.yabahu.com

کے تصور کے طور پر اس کی افادیت منوانے کے خواہاں نظر آتے ہیں کیونکہ جب کوئی بات نظریہ یا نظام کی شکل اختیار کرلے تو اس کے ساتھ حدود و قیود کی بات بھی چل نکلتی ہے اور پھر اس نظریہ یا نظام کو بذریعہ جبرواستبداد لوگوں کے ذہنوں پر ٹھونسنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ انجام کارذہنی و روحانی جمود کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ فقر دراصل نظریہ نہیں' جذبہ ہے اور وہ نظام بھی نہیں' بلکہ ایک رویہ اور طرز حیات ہے اس لئے سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ فقر کی بات کرتے ہیں تو فقیر کو سامنے لے آتے ہیں۔ فقیر کے خصائص اس کے احوال و مقامات اور مواجید و کیفیات سب بیان کرتے ہیں۔ اس تفصیل میں فقر کی ابتداء و انتہا' اس کی تربیت کے اصول و قواعد اور مدراج و مراتب فقر کی خودبخود تشریح ہوجاتی ہے۔

فقر کے اصولوں کو اپنانے والے جب صرف معبودِ حقیقی کی معرفت میں کمال حاصل کرتے ہیں تو خلقِ خدا کے ساتھ ان کے معاملات میں خودبخود ایک قرینہ اور سلیقہ آجاتا ہے۔ یہی قرینہ اور سلیقہ پُرامن روحانی زندگی اور باہمی یکجہتی کا ضامن بن جاتا ہے۔

باب: ۴

فقر

فقر میں گو فیض تربیت کے سلسلہ کو دور تک تحقیق کیا جاسکتا ہے مگر اسے کسی فرد یا جماعت کی میراث نہیں کہا جاسکتا۔

"فقیری سیّد یا قریش ہونے پر موقوف نہیں۔ یہ صرف عرفان سے حاصل ہوتی ہے۔" (نُور الہُدیٰ خورد ص ۴۳)

ملک حسین والیٔ ہرات نے خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمتہ اللہ علیہ کی دعوت کی۔ اس نے بعد میں جو چند سوالات آپ سے پوچھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ کیا درویشی آپ کا موروث ہے؟ آپ نے کہا "نہیں" بلکہ اسے جَذْبَۃٌ مِّنْ جَذَبَاتِ الْحَقِّ تُوَازِیْ عَمَلَ الثَّقَلَیْنِ کے مطابق ایک جذبہ پہنچا اور میں اس سعادت سے مشرف ہوا (عدۃ السالکین)

فقر ایک جذبہ ہے اور اس جذبہ کو حیات و کائنات پر ایک خاص زاویے سے نظر ڈالنے کا نتیجہ سمجھنا چاہئے۔ یہ نظر بلند تر سطح پر انبیاء و اولیاء کو بارگاہ رب العزت سے حاصل ہوتی ہے۔ لیکن یہ خواص کا گروہ ہے۔ دوسرے لوگ ان کے ساتھ ان کی محبت و اطاعت کے طفیل بقدر ضرورت اور حسب استعداد و بصیرت روشنی حاصل کرتے ہیں اور یوں اس نظر کے وارث بنتے ہیں۔ یہ نظر حق و باطل میں تمیز سکھاتی ہے۔ جب مشاہدہ و معرفت حق کی طلب میں شدت پیدا ہوتی ہے۔ تو اس جذبے کی ابتداء ہوتی ہے اور جب اس بارے میں کسی کو حق الیقین کی کیفیت حاصل ہوجاتی ہے تو اس کے رگ و پے میں یہ کیفیت بجلی کی رو کی مانند سرایت کر جاتی ہے۔ اس

www.yabahu.com

کی شخصیت کا کوئی معمولی اور غیر اہم حصہ بھی اس کے اثر سے محروم نہیں رہتا۔ اس کا ہر خیال اور ہر عمل اس کیفیت کے تابع ہو جاتا ہے۔

"اِبتدائے فقر اِشتیاق ہے۔ اور اِنتہائے فقر غرق و اِستغراق ہے۔"

(عینُ الفقر ص ۱۳۶)

اس جذبے کی تکمیل لازم ہے اور جو شخص بھی اس جذبے کو محسوس کرتا ہے۔ وہ باندازۂ سعی و ہمت اس کی تکمیل میں کوشاں رہتا ہے اور یہی کوشش و ترقی انسانوں کے درمیان روحانی و اخلاقی لحاظ سے اس کے مراتب کی نشاندہی کرتی ہے کیونکہ فقر کی دنیا میں بڑائی یا بزرگی کے ناپنے کا پیمانہ یہی ہے۔ یہاں بادشاہ وہی ہے جس نے معرفت و عرفان کو حد کمال تک پہنچا دیا۔

طریقۂ فقر و تصوف میں عقیدہ کی روشنی اور ظاہر و باطن میں عمل کی حرارت درکار ہے اور ان میں اولیت عقیدہ کو حاصل ہے۔ عقیدہ سے مراد عقیدۂ توحید ہے جو تمام ادیان میں مشترک ہے۔ یہ عقیدہ بیک وقت آسان اور سادہ بھی ہے اور پیچیدہ و عمیق بھی۔ صوفی ظاہر و باطن میں محسوس کرتا ہے کہ خدا ہے وہ لامحدود و یکتا ہے اور حی و قیوم ہے۔ یہ عقیدہ اس کی روح کی گہرائیوں سے ابھرتا ہے اور اس کے احساس پر غالب آکر اس کی توجہ کو یک جہتی کے ساتھ خدا کی جانب پھیر دیتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ خوارزم میں شیخ نجم الدین کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ کے ورود کی خبر جب مولانا فخر الدین رازی نے سنی تو مولانا نے شیخ سے ملاقات کی اور پوچھا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو کس چیز سے پہچانا ہے؟ شیخ نے جواب دیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو ان انوار سے پہچانا جو غیب سے مجھے پہنچتے ہیں اور شک میں ڈالنے والے عقلی واردات اس کی سمجھ سے قاصر ہیں۔ مولانا یہ سن کر چپ ہو رہے۔

عقیدۂ توحید وہ مرکزی نقطہ ہے جس کے گرد سارے کا سارا تصوف گھوم رہا ہے۔ "تصدیقاً" بالقلب" کی صحیح عملی صورت صوفیا کے ہاں ملتی ہے۔ کیونکہ فقر میں عقیدۂ توحید محض خیال نہیں ہوتا بلکہ جذبہ و احساس بن کر فقیر کے ذرائع و مقاصد

متعین کرتا ہے، پھر فقیر فردانیت کی منزل کی طرف رواں ہوتا ہے اور اس کی منزل لامکاں ٹھہرتی ہے۔

فقر و تصوف میں توحید ہی علم اور ذکر و فکر کا محور ہے:

"علم مفتح الابواب یعنی وہ علم جس سے تمام علوم کے دروازے کھلتے ہیں علم توحید ہے۔ یہ علم گویا دونوں جہاں کی تسخیر کی کلید ہے۔"

(نورُ الہُدیٰ کلاں صہ ۱۰۸)

توحید کی راہ آزادی اور مشاہدہ کی راہ ہے۔ اس سے "پا بستگی رسم و رہ عام" اور تقلید سے نجات مل جاتی ہے۔

"راہِ معرفت و توحید کہاں اور راہِ رسم رسوم تقلید کہاں؟ چنانچہ گفت و شُنید سب تقلید ہے۔ یعنی قیل اور دید و نمود سب راہِ توحید ہے۔"

(ایضاً ص ۱۳۲)

فقر کی دنیا میں تمام نظریات و اعمال کا دارومدار توحید پر ہے۔ اس لئے حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے ایک جگہ مرشد کی بحث میں سلوک و تصوف کا منتہائے مقصود توحید مطلق قرار دیا ہے:

"عارف اور عاشق مرشد وہ ہے کہ باطنی توجہ سے باطنی طالب اللہ کے وجود سے چار جانوروں کو ذبح کرے۔ یعنی شہوت کا مرغ، زینت کا مور، حرص کا کوّا، اور خواہش کا کبوتر اور بعد ازاں نظر سے چار چیزیں عطا فرمائے۔ ۱۔ تزکیۂ نفس ۲۔ تصفیۂ قلب ۳۔ تجلیۂ روح ۴۔ تخلیۂ سرّ۔ پھر ان چار صفتوں سے چار پرندے زندہ کرے۔ نفس دل صاف ہو جاتا ہے اور دل میں روح کی سی صفت آجاتی ہے اور روح میں سرّ کی سی صفت آجاتی ہے۔ اسی کو توحید مطلق کہتے ہیں۔" (محکم الفقراء ص ۱۱)

عقیدہ کے ساتھ عمل کی اہمیت مسلم ہے اور حقیقت یہ ہے کہ عقیدہ و عمل کے اثرات زمانی و مکانی لحاظ سے بیک وقت مرتب ہوتے ہیں اور عملی زندگی میں ان کا

www.yabahu.com

دائرۂ اثر و نفوذ بھی ایک ہی رہتا ہے۔ ہمارے اعمال دراصل بعض حقوق و فرائض کی بجا آوری کی ظاہری صورتیں ہیں۔ یہ حقوق و فرائض مختلف عنوانات کے تحت ہوسکتے ہیں۔ مگر شریعت نے انھیں دو عنوانات کے تحت جمع کیا ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ حقوق اللہ عبادات و مناسک کی شکل میں تکمیل پاتے ہیں اور یہ ہماری روحانی ضروریات میں سے ہیں۔ جہاں تک حقوق العباد کا تعلق ہے تو ان کی شرح زندگی کے مسائل کی طرح وسیع ہے اگر تفصیل مقصود ہو' تو اخلاقی و معاشرتی اور تمدنی و تہذیبی حتیٰ کہ سیاسی حقوق و فرائض تک سب جمع کئے جاسکتے ہیں۔

حقوق اللہ یا عبادات کا ذکر زیر نظر کتاب میں عملی سلوک کے باب میں ہوگا۔ اور ان اعمال کے بارے میں جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے' یاد رکھنا چاہئے کہ فقر کے نظام تربیت میں انھیں نظرانداز کرنا سلوک و تصوف کے اغراض و مقاصد کو پس پشت ڈالنے کے مترادف ہوگا۔ اس مقام پر صرف ان اصول و نظریات کا ذکر ضروری ہے جن کو یکجا کرکے ضابطۂ اخلاق مرتب کیا جاتا ہے۔ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اخلاقی تربیت فقر کا لازمی حصہ ہے ورنہ فقیر ایک قدم آگے نہیں چل سکتا:

"فقیر کو بدوں تزکیۂ نفس اور صیقلۂ قلب اور تجلیۂ روح کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔" (عین الفقر ص ۸۸)

اخلاقی تربیت کا مقصد یہ ہے کہ انسان کے وجود میں یک جہتی کی ایسی فضا پیدا ہوجائے کہ اس کا ظاہر و باطن یکساں ہوجائے اور نتیجتہً اس کے قول و فعل یا خیال و عمل میں تضاد اور پریشانی کا اندیشہ نہ رہے۔ منافقت سے فساد لازم آتا ہے اور منافقت کا اثر صرف اپنی ذات کے لئے ہی مہلک نہیں ہوتا بلکہ وہ معاشرہ کے لئے بھی مضر ہے۔ چنانچہ فقر میں وحدت ذات کی اس صورت کو بہت اہمیت دی گئی ہے اس لئے تصوف یا فقر کو اخلاص فی العمل کہا گیا ہے۔ اخلاص نہ ہو تو فقر کے مدارج کا حصول ناممکن ہے:

"جب تک ظاہر و باطن متفق نہ ہوں۔ تب تک عاشقی' معشوقی' محبوبی' مرغوبی اور محبوب القلوبی حاصل نہیں ہوتا۔" (عقل بیدار ص ۲۷)

"طالب کو ایک ایسے پاک اور ظاہر وجود کی ضرورت ہے جس کا ظاہر و باطن ایک ہوجائے۔" (نورالہدیٰ ص ۳۴)

فقر کے نظام تربیت میں ابتداء باطن سے ہوتی ہے۔ یوں تو ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے اور باطن ظاہر کو متاثر کرتا ہے لیکن فقر میں ظاہر کو باطن کے ماتحت کردیا جاتا ہے۔ سب کچھ باطن میں وقوع پذیر ہوتا ہے۔ اور ظاہر خودبخود اس کی موافقت اختیار کرلیتا ہے۔ ہمارا باطنی وجود جب یک جہتی کے ساتھ کسی امر کا فیصلہ کرلیتا ہے تو ظاہر کو اس کی تعمیل کے سوا چارہ نہیں رہتا۔ چنانچہ صوفیاء نے ہمیشہ باطن کو اولیت دی ہے۔ باطن ٹھیک ہوجائے' تو ظاہر کو بدلتے دیر نہیں لگتی:

"باطن اصل ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی معرفت اور وصل ہے اور ظاہر دنیا موسم تابستان' زمستان' ربیع' خریف' فصل ہے۔"

(نورالہدیٰ ص ۲۰۵)

فرد اخلاقی تربیت کے دوران جن حالتوں سے گذرتا ہے۔ فقر کے نکتۂ نظر سے ان کے لئے محض ظاہری مشق نہ صرف ناکافی ہے بلکہ بعض صورتوں میں نقصان دہ بھی ہوسکتی ہے۔ مثلاً" انسان اگر کم حوصلہ ہوجائے اور خارجی طور پر ظاہری آداب ہی کا خیال رکھے' تو ریاکار اور منافق بن کر رہ جاتا ہے۔ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ باطنی ریاضت کی تلقین کرتے ہیں۔ کیونکہ ظاہر از خود باطن کی پیروی کرے گا:

"ظاہر کے تقویٰ سے خلق میں غلغلہ اور نام بلند اور خودپسندی اور نفس تازہ زندہ اور فربہ ہوتا ہے۔ ریا و کفر ہاتھ آتا ہے اور شرک دامنگیر ہوتا ہے۔ شیطان مصاحب بنتا ہے اور دنیا مہربان ہوتی ہے۔ اس سے روح پژمردہ اور نفس لوامہ' ملہمہ اور مطمئنہ پریشان۔ جو باطنی ریاضت کرتا ہے' اس کے وجود میں معرفتِ الٰہی کا آفتاب طلوع کرتا ہے اور اس کا نفسِ امّارہ خراب

www.yabahu.com

ہوتا ہے اور مرجاتا ہے۔ روح زندہ ہوتی ہے۔ نفسِ مُلہمہ صِدق قبول کرتا ہے' لوامہ جمعیت بخشتا ہے اور مطمئنہ قبول کرتا ہے۔ یہ مراتب تقویٰ کے ہیں۔ متقی صاحبِ معرفت عارف باللہ روشن ضمیر ہوتا ہے۔" (محک الفقرا کلاں' ص ۱۷۷)

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے بھی دیگر مطمئین اخلاق کی طرح اخلاقی تربیت کے دوران پیش آنے والی مختلف حالتوں کے لئے قرآنی اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ جب انسان ابتداء میں نیکی و بدی کی تمیز کے بغیر اپنی خواہشات کا غلام ہوتا ہے' تو اسے نفس امارہ کہتے ہیں۔ جب وہ نیکی و بدی کی تمیز کے قابل ہوجاتا ہے' تو نفس ملہمہ کہلاتا ہے۔ نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے تو نفسِ لوامہ نام پاتا ہے اور جب نیکی کو بطیب خاطر قبول کرلیتا ہے' تو اسے نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔ یہاں آکر اخلاقی مدارج کی تکمیل ہوجاتی ہے۔ جوں جوں انسان تدریجی ترقی کے دوران ایک حالت سے دوسری حالت میں قدم رکھتا چلا جاتا ہے' اسے سابقہ حالت میں برائی نظر آتی ہے۔ کیونکہ وہ اخلاقی لحاظ سے ایک نامکمل حالت تھی۔ سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نفس مطمئنہ سے پہلے کی تینوں حالتوں کو نفسانیت کی قسمیں قرار دیتے ہیں:

"آدمی کے وجود میں جو نفسانیت ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں۔ ایک جس کا نفس کافر ہے۔ اس کی خصلت کافروں اور جینو والوں کی سی ہوتی ہے۔ وہ دنیا اور کافروں ہی سے محبت کرتا ہے۔ اس کا رہزن نفس امارہ ہے اور جس کے نفس میں منافقوں کی سی خو ہے' وہ منافقوں سے محبت کرتا ہے اس کا نفس لوامہ ہے۔ اور جس کے نفس میں اہل دنیا کی سی خو ہو' وہ بہت ظالم ہے۔ اسے نفس ملہمہ کہتے ہیں اور جس کے نفس کی دوستی علم' شریعت عالم' عامل' فقراء سے ہو' تو وہ کامل اہل ترس' خداپرست' ذکر الٰہی میں مستغرق اور عبودیت میں مست ہوتا ہے۔ ایسے نفس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔" (محبّت الاسرار ص ۲۲)

"عینُ الفقر" میں انھوں نے ان تینوں حالتوں کی اصلاح کی تدابیر پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ نفس امارہ سے نکلنے کے لئے شریعت کے اوامر و نواہی کی پابندی ضروری ہے۔ نفس لوامہ اور نفس ملہمہ کے لئے طریقت و حقیقت کے اصول و قواعد پر کاربند ہونا چاہئے۔ اور نفس مطمئنہ معرفت سے حاصل ہوتا ہے۔ پھر نفس مطمئنہ بھی جائے قرار نہیں ہے کہ "منزلِ ما کبریا است"

"اور نفسِ مطمئنہ سے بیداری اور مشاہدۂ فقر فنافی اللہ حاصل ہوتا ہے پس فقیر کو ہر روز درگاہ الٰہی میں ترقی کرنی چاہئے اور ذکر الٰہی میں اسے جانسوز رہنا چاہئے نہ دِرم اندوز۔" (عین الفقر ص ۷۱)

فقر کے مدارج طے کرنے کے لئے نفس مطمئنہ کا حصول ضروری ہے۔ کیونکہ نفس مطمئنہ ظاہری و باطنی لحاظ سے وہ حالت ہے' جو روحانی ترقی کے لئے مرکز کا کام کرتی ہے۔ یہ وہ بنیاد ہے جس پر عمارت استوار کی جاتی ہے۔ اگر نفس مطمئنہ نہ ہو تو اذکار و اشغال کوئی اثر نہیں کرتے اور وجود طاہر و مطہر نہیں ہوتا۔ لیکن نفس مطمئنہ کے حصول کے بعد ترقی کرتے کرتے آدمی وہاں پہنچ سکتا ہے۔ جہاں وہ اپنے آپ کو خدا سے جدا نہیں جانتا۔

"جب ان مراتب پر پہنچ جاتا ہے تو نفس مطمئنہ قلب کی صورت اختیار کرتا ہے اور قلب روح کا نور حاصل کرتا ہے۔ روح امر ربی ہے۔ روح سر سے مل جاتا ہے۔ اس کے مغز' پوست' جاں اور ہر رگ و ریشے میں ذکر اثر کر جاتا ہے۔ اس وقت بندے اور خدا میں فرق نہیں رہتا۔ گو خدا تو نہیں ہوجاتا لیکن اس سے جدا بھی نہیں ہوتا۔" (کلید التوحید کلاں صہ ۳۰۹)

نفس مطمئنہ کا مالک حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کی نظر میں "فقیر صاحبِ عنایت" ہے نور الہدیٰ میں انھوں نے اس مرتبے کے فقیر کو یوں تعریف کی ہے۔ "فقیر صاحب عنایت وہ ہوتا ہے کہ جملہ گنج ہائے ظاہری و باطنی کا تصرّف اس کی نظر میں ہو۔ اس کا نفس مطمئنہ نور نوادر ہو

www.yabahu.com

اور وہ اپنے نفس پر قادر ہو۔"

فقر کا راستہ نبیوں' ولیوں اور درویشوں کا راستہ ہے۔ انہیں نفس مطمئنہ حاصل ہوتا ہے۔ نفسِ مطمئنہ انبیاء کا ہوتا ہے یا خاص خاص اولیاء اور فقرا کا۔ فقرا میں باطن کی صفائی اور قوت ہوتی ہے۔ ان کی عظمت و عزت' ان کا قرب و منصب' ان کی ولایت و ہدایت' ان کی دستگیری' ان کی جمعیت اور ان کے نور ایمان کا جوہر قیامت کے دن معلوم ہوگا۔" (توفیق الہدایت ص ۶۶)

اور درویشوں کا راستہ ہے۔ انھیں نفس مطمئنہ حاصل ہوتا ہے۔" نفس مطمئنہ انبیاء کا ہوتا ہے یا خاص خاص اولیاء اور فقراء کا فقرا میں باطن کی اور حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف میں موضوع بحث کے لحاظ سے جابجا اخلاقی و روحانی تربیت کے بارے میں اشارات و نکات کے ذریعہ مرو راہ کو آگاہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً" معرفت الٰہی کی لذت کے مقابلے میں چار لذات کی بے و قعتی بیان کی ہے۔

"اور یاد رہے کہ انسان کے وجود میں چار لذتیں ہیں اور چاروں فانی ہیں۔ اوّل لذتِ اکل و شُرب' دوم لذّتِ جماع' سوم لذّتِ حکومت' چہارم لذّت علم و فضیلت' ایک پانچویں لذت اور ہے' جو فانی نہیں اور ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ وہ لذّت محبت و اسرارِ حقّ تعالیٰ ہے۔ جب یہ لذت انسان کے وجود میں غالب ہوتی ہے تو وہ چاروں لذتیں مغلوب ہوجاتی ہیں اور اسے سوائے اس کے اور کوئی لذت اچھی معلوم نہیں ہوتی۔ جس طرح بیمار کھانا کھانے سے گھبراتا ہے' اسی طرح چاروں لذتوں سے اس کی طبیعت منقبض ہوتی ہے۔" (عین الفقر ۷۷)

آدمی اعلیٰ اخلاقی درجہ بھی حاصل کرلے' پھر بھی وہ محاسبہ سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ "جس شخص کو اللہ تعالیٰ اپنے قرب کے لئے پسند کرتا ہے' اسے بے طمع اور

بے نیاز بنا دیتا ہے۔ پس چاہیے کہ حرص و ہوا کو چھوڑ کر اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے تاکہ عمر گذشتہ کی مکافات عمل بھی ہوسکے۔" (ایضاً" ص ۶۹)

اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کے علاوہ جذبۂ فقر کے کچھ مطالبات ایسے بھی ہیں جو ہر مرد راہ کے لئے یکساں حکم رکھتے ہیں۔ چنانچہ جو شخص فقر کی راہ اختیار کرتا ہے۔ اسے یہ مطالبات پورے کرنا پڑتے ہیں۔ یہ مطالبات وہ اقدار ہیں جو فقر کے احوال بھی ہیں اور مقامات بھی۔ انھیں جذبۂ فقر فطری طور پر بلا پس و پیش منتخب و قبول کرتا ہے۔

بعض لوگ ان اقدار کو مادی نقطۂ نظر سے انسانی ترقی کی راہ میں موانع تصور کرتے ہیں' لیکن دقت نظر سے دیکھا جائے' تو یہ بدگمانی بے سبب ہے' مادی ترقی کے ساتھ ساتھ پرامن زندگی بہت ضروری ہے۔ ورنہ ساری مادی ترقیات بے کار ہیں اور پرامن زندگی کے لئے اخلاق و روحانی طور پر انسان کا تربیت یافتہ ہونا بہت ضروری ہے بدی کو روکنے کے لئے بظاہر قوانین بھی موجود ہیں اور ان کی سزا بھی مقرر ہے۔ مگر ان سے جرائم کبھی نہیں رکتے۔ جرائم کو روکنے اور امن کی فضا پیدا کرنے کے لئے اخلاقی و روحانی تربیت درکار ہے اور اس کے اصول اگر بظاہر مادی ترقی کے اصولوں سے کبھی ٹکراتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ہم اخلاقی و روحانی اصولوں کو مادی ترقی کی بھینٹ نہیں چڑھا سکتے۔ مادی ترقی امن و انصاف کی عدم موجودگی میں موت ہے۔ اس لئے مادی ترقی کے بعض اصولوں کو اخلاقی و روحانی اصولوں پر قربان کرنا ہی دانش مندی ہے۔ اس سخن گسترانہ بات سے قطع نظر اگر حقیقت بین نگاہ سے فقر کی اقدار کا جائزہ لیا جائے' تو یہ بے بضاعتی اور بے کاری کا نہیں' بلکہ جدوجہد اور ریاضت و محنت کا مفہوم ظاہر کرتی ہیں' ان سے قوت کار کم نہیں ہوتی بلکہ بڑھ جاتی ہے کیونکہ اس صورت میں انسان کے ظاہر کے ساتھ اس کا باطن بھی جو فرد کا حقیقی وجود (self Real) ہے۔ شریک سعی ہوتا ہے۔ جس سے ظاہر کی تسخیر و تصرف کے لئے سیل بے پناہ کی طرح طاقت و قوت حاصل ہوجاتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ صوفیاء نے ان میں سے بعض اقدار کو کم اہمیت دی ہے۔

www.yabahu.com

اور بعض کو زیادہ۔ اس کا سبب عموماً فقر و تصوف کے بارے میں ان کا اپنا زاویہ نظر ہے۔ طریقہ ہائے تصوف کا اختلاف دراصل انہی اقدار کی اولیت و اہمیت اور ترتیب کا اختلاف ہے۔

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے طریقہ میں جن اقدار کو اہم اور روح فقر خیال کیا ہے' اپنی کتب میں ان کا جابجا ذکر فرمایا ہے۔ کہیں ان کا ذکر محض بیان کے طور پر ہے اور کہیں فقر کی حالت' مقام یا صفت کے طور پر ان کی وضاحت کی گئی ہے ۔ ان اقدار کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کا تصوف روایتی خانقاہی تصوف نہیں۔ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں کوئی خانقاہ نہیں بنائی اور نہ ہی رسمی طور پر مَسندِ اِرشاد پر بیٹھنے کا تکلف کیا۔ وہ ساری عمر آزاد رہے اور گھوم پھر کر لوگوں کو راہِ ہدایت دکھاتے رہے۔ اس لئے ان کا تصوف ایک حَرکی تصوّف ہے اور وہ تسخیر و تصرّف کا مظہر ہے۔

اس فقر کی اہم اقدار درج ذیل ہیں۔ بالفاظ دیگر وہ ایجابی صفات ہیں جنہیں فقیر اپنی شخصیت و کردار میں جذب کرلیتا ہے اور کمال حاصل کرتا ہے:

ا۔ عِشق : فقر اگر ایک جذبہ ہے تو یہ جذبۂ عشق ہے اور یہ انسان کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے۔ کسی میں کم اور کسی میں زیادہ۔ فقر کا راستہ گویا عشق کا راستہ ہے۔ بقول حضرت سُلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ "اللہ کی راہ کو نہ عِلم سے تعلق' نہ جہالت سے واسطہ' یہ تو محض محبّت اور اخلاص کی راہ ہے۔" عِشق نہ ہو' تو فقر کے مطالبات پورے ہوتے ہیں اور نہ ہی مُنتہائے مقصود کے ساتھ وہ تعلق پیدا ہوتا ہے جو شوق بے پایاں کے پر عنایت کرتا ہے۔ عشق میں کمال یہ ہے کہ اس میں منافقت یا دوئی کی کوئی گنجائش نہیں اور اس کے زیر اثر انسان مشکل سے مشکل مقام سے بھی گذرنے پر تیار ہوجاتا ہے: "عشق ایک لطیفہ ہے۔ جو غیب سے دل میں پیدا ہوتا ہے اور معشوق کے سوا کسی چیز سے قرار نہیں پکڑتا اور س کے سوا مخلوق کا منہ نہیں دیکھنا چاہتا۔" (محکم الفقراء ص ۱۱)

عِشق والوں سے معاملہ بھی جُدا ہوتا ہے۔ عُلمائے محض سے اور طرح بات ہوتی ہے اور عُشاق کے ساتھ دوسرے طریقے سے گفتگو کی جاتی ہے۔ عشق مشاہدہ کا وارث ہے اور حقیقت کی تہہ یا اس کی کُنہ تک کی خبر رکھتا ہے مگر علم کی نظر سطح تک رہتی ہے۔ سلطان العارفین سلطان باھو قدس سرہ' نے اس کی وضاحت اس طرح کی ہے:

"واضح رہے کہ عشق کی یہ راہ مذہب و ملّت اور کتابوں میں لکھی ہوئی نہیں اس سے مراد ربّ الارباب ہے۔ چنانچہ جب پیغمبر خدا ﷺ معراج سے مشرف ہو کر واپس تشریف لائے تو پہلے عاشقوں نے آنجناب ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! ﷺ آپ نے خدا کو دیکھا؟ فرمایا: بَلٰی مَنْ رَّاٰنِیْ رَاَی الْحَقَّ (ہاں جس نے مجھے دیکھا' اس نے گویا خدا ہی کو دیکھا) بعد ازاں علماء نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! ﷺ آپ نے خدا کو دیکھا۔ چونکہ آپ کے حق میں وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی وارد ہے۔ فرمایا: تَفَکَّرُوْا فِیْ نَعْمَائِہٖ وَلَا تَتَفَکَّرُوْا فِیْ ذَاتِہٖ (اس کی نعمتوں میں فکر کرو۔ لیکن اس کی ذات کی بابت کچھ نہ سوچو)" (محبّت الاسرار ص ۸)

۲۔ عِلم : صُوفیاء نے اپنی کتب میں ہمیشہ علم کی تعریف کی ہے۔ تقریباً سب مشائخ کبار رحمتہ اللہ علیہما خود بہت بڑے علماء اور صاحب فتویٰ بزرگ تھے۔ وہ علم کی قدر و قیمت کو بخوبی سمجھتے تھے۔ علم سے انسان راہنمائی حاصل کرتا ہے اور بے علم اندھے کی طرح ہے' بقول شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ

ع۔کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

جہاں کہیں علم کی مُذمّت کی گئی ہے' وہاں عِلم بے عمل مراد ہے یا علم بے مغز جو محض ظاہری احکام کے بارے میں ہو اور جس میں ان کی مصلحت و حکمت اور روحانی اثرات کو بالکل نظرانداز کر دیا گیا ہو۔

بنیادی بات تو یہ ہے کہ جو علم جہل کے مقابلہ میں مفہوم کے اظہار کے لئے

www.yabahu.com

استعمال ہو وہ علم فرض ہے۔ "عوارف المعارف" میں حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ نے حصول علم کے فریضہ کے بارے میں شیخ ابو طالب مکّی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک قول نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

"صُوفیہ کے مشائخ کرام اور عابد و زاہد علماء نے فریضۂ عِلم کو نہایت محنت سے ادا کیا اور تحصیل علم کے بعد انھوں نے اپنے تبلیغی فرائض کو توفیق خداوندی کی بدولت اچھی طرح سرانجام دیا ..... اس استقامت کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ان پر علوم و فنون کے دروازے کھول دیئے۔" (ص ۳۔۴۲)

شیخ علی بن عثمان ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے "کشف المحجوب" کے پہلے باب کا آغاز اثباتِ عِلم سے کیا ہے۔ اور ضروری شرح کے بعد لکھا ہے:

"..... لہٰذا چاہئے کہ عِلم حاصل کیا جائے اور اس پر بحدِ وسعت عمل کرنے کی سعی ہو اور یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ بندہ جب علم میں درجہ کمال حاصل کرلیتا ہے تو وہ علم الٰہی کے مقابلہ میں ایک جاہل کا درجہ پاتا ہے۔ پس لازم ہے کہ انسان وہاں تک علم حاصل کرے اور حقائق جانے جہاں تک کہ وہ نہ جانتا تھا۔" (ص ۹۹)

ہندوستان میں مشائخ چشت رحمتہ اللہ علیہما نے خلافت کا سزاوار اسے سمجھا' جسے عِشق و عمل کے ساتھ علم بھی حاصل ہو۔ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:۲۔

"باری تعالیٰ ترا عِلم و عقل و عِشق دادہ است و ہرکہ بریں سہ صفت موصوف باشد از و خلافت مشائخ نیکو آید" اور شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی نے اہل علم کو خلافت دینے کی وجہ یہ بتائی کہ "درصحبت او ضلالت رواج نخواہد یافت" (تاریخ مشائخ چشت ص ۲۷۴)

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے علم کا بار بار تذکرہ کیا ہے۔ وہ علم کی

تحصیل میں نیت کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ اگر علم اس لئے حاصل کیا جارہا ہے کہ اس کی مدد سے دولت کما کر حرص و آز کے تقاضوں کو پورا کیا جائے تو یہ مذموم ہے اور اگر علم لوجہ اللہ حاصل کیا جائے تو یہ فضیلت بخش ہے۔ اس سے آدمی عارف اور عالم علم ربوبیت ہوجاتا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"اور علم کی بھی دو قسمیں ہیں۔ عِلم عارفیت اور علم عاریت۔ علم عارفیت' علم ربوبیت کا نام ہے اور علم عاریت علم دنیائے مردار ہے۔ دنیا کے لئے اَلدُّنْیَا مَنَامٌ وَّ عَیْشُ فِیْھَا اِحْتِلَامٌ وارد ہے اور جو علم کہ محض دنیا کے لئے پڑھا جائے' وہ ابوجہل کا ھمنشیں بنائے گا اور جو علم لوجہ اللہ پڑھا جائے گا' وہ مجلس محمدّی میں پہنچا کر آپ کا ہم نشین بنائے گا۔" (عین الفقر ص ۵۴)

انھوں نے علم کو دو حصوں یعنی علم ظاہر اور علم باطن میں تقسیم کرکے بھی اس کی وضاحت کی ہے۔ علم ظاہر سے علم فقہ و منطق یا وہ تمام علوم و فنون مراد ہیں جو بنی نوع انسان کے لئے کسی لحاظ سے بھی مفید ہیں اور علم باطن سے علم سلوک و تصوف یا علم معرفت و روحانیت مراد ہے۔ فقیر کے لئے دونوں ضروری ہیں:

"علم ظاہر بمنزلۂ ابتدا ہے اور علم باطن بمنزلۂ انتہاء۔ دونوں علموں کے بغیر عین کو نہیں پہنچ سکتا۔ علم جان کا غم خوار ہے۔ علم کے بغیر زاہد بمنزلۂ شیطان ہے۔" (کلید التواحید ص ۱۹)

فقیر علم ظاہری سے بے نیاز نہیں رہ سکتا کیونکہ یہ انبیاء کی تعلیم ہے:

"وہ فقیر جو علم ظاہری سے دوستی نہیں رکھتا' وہ باطنی مجلس انبیاء سے خارج ہو جاتا ہے اور کسی مرتبے کو نہیں پہنچتا۔" (شمس العارفین ص ۱۵)

البتہ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ علم باطن کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ علم باطن کی لیاقت حاصل ہو' تو علم ظاہر کا حصہ اس میں سے نکل آتا ہے۔ کیونکہ "..... عارف باللہ اگرچہ ظاہری اور باطنی علم میں رُکا نہیں رہتا۔" (تیغ برہنہ ص ۱۰)

اگر آدمی علم ظاہر تک ہی محدود رہے' تو علم باطن سے محروم رہ جاتا ہے اور جو

www.yabahu.com

شخص علم ظاہر سے بہرہ ور ہے اور نہ ہی علم تصوف سے آشنا ہے۔ اسے فقر کے درجہ سے ہی نہیں بلکہ عام آدمیت کے درجہ سے بھی گرا ہوا سمجھنا چاہیے:

"واضح ہو کہ علم راستے کی روشنی ہے اور بغیر روشنی علم جاہل فقیر گمراہ ہو کر راستے سے بھٹک جاتا ہے۔ علم جان کا مونس اور معاون ہے۔ جاہل فقیر شیطان سے بدتر ہے اور اللہ تعالیٰ کے راستے کا راہزن ہے۔ لیکن علم دو قسم کے ہیں۔ علم ظاہر قال و بیاں اور علم باطن معرفت وصال و عیاں۔ جہاں معاملہ عیاں ہے' وہاں کیا حاجت قال و بیاں ہے۔ جو شخص نہ واقف علم تصوف عیاں اور نہ عالم علم ظاہر فقہ مسائل بیان ہے' وہ فقیر نہیں ہے بلکہ حیوان مطلق اور بندۂ نفس و شیطان ہے۔" (نور الہدیٰ ص ۱۳۹)

علم باطن سے قرب الٰہی کے درجات اور مشاہدات و واردات کا علم مراد ہے اور یہ علم ظاہر کے بعد اخلاص فی العمل سے حاصل ہوتا ہے۔ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے اس زاویۂ نظر سے بھی علم کے فضائل پر روشنی ڈالی ہے۔ علم کی فضیلت عمل سے ہے اور جب علم اخلاص کے ساتھ بہ شان استقلال و استقامت انسان کے عمل سے ظاہر ہو' تو یہی فقر ہے۔

"جو شخص عمر بھر علم اور عمل میں مصروف رہے' وہی فقیر کامل ہے" (عقل بیدار ص ۲۱)

"علم سے عامل پر انوارِ اسرارِ الٰہی نازل ہوتے ہیں اور جب زبان دل کے ساتھ موافق ہوتی ہے' دل اور زبان ایک ہوجاتے ہیں۔ انوارِ عشق اس جگہ پیدا ہوتے ہیں۔" (عین الفقر ص ۱۳۶)

فقیر اگر باطنی کمالات کے ساتھ ساتھ علم ظاہری میں بھی درجہ رکھتا ہو' تو اس کا مرتبہ بڑھ جاتا ہے۔ "اگر ان میں سے کوئی ظاہری علم بھی رکھتا ہو' تو وہ غالب اولیاء ہے۔" (تیغ برہنہ ص ۱۵)

مشائخ کبار رحمتہ اللہ علیہما اسی پایہ کے لوگ تھے۔

۳۔ ذکر و فکر: صوفیاء نے قرآن و سنت کی روشنی میں ذکر کو فرض دائمی قرار دیا ہے۔ نماز بھی ذکر کی ایک صورت ہے مگر یہ وقتی فرائض میں سے ہے۔ دائمی فرض وہ ذکر ہے جسے قرآن کریم میں اٹھتے بیٹھتے' سوتے جاگتے جاری رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ حضرت سلطان باھو قدس اللہ سرہ کی تلقین بھی یہی ہے:

"پس اے درویش! فرض دو قسم کا ہے۔ ایک کا نام فرض وقتی ہے۔ دوسرے کا نام فرض دائمی۔ پس فرض وقتی تو نماز' روزہ' حج' زکوۃ ہے اور فرض دائمی اللہ تعالیٰ کا ذکر اور معرفت الٰہی کا مشاہدہ ہے پس اے درویش! فرض دائمی کو غالب رکھ اور فرض وقتی کا مقیدرہ' اور اس کے ادا کرنے میں ایک وقت سے دوسرے وقت کا انتظار مت کر۔" (محک الفقرا کلاں ۱۹)

ذکر سے درجات قرب ملتے ہیں اور ذکر ہی سے انسان کمال کی بلندیوں پر پہنچتا ہے۔ تصوف میں جس قدر واردات و مشاہدات کا ذکر ملتا ہے' وہ سب ذکر کے دوران تجربے میں آنے والی مختلف کیفیات روحانی ہیں یہاں تک کہ معرفت الٰہی کا کشف بھی ذکر ہی کا ثمرہ ہے۔

"جو دل ذکر الٰہی میں جنبش کرتا ہے اور نور الٰہی کے مشاہدہ کے سبب سے حضور میں آتا ہے۔ اس پر معرفت الٰہی منکشف ہوتی ہے۔"

(کلید التوحید کلاں ص ۳۵)

"ذکر سے طالب کو نور ذات کی تجلیات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔"

(توفیق الہدایت ص ۵۶)

"امیر الکونین ص ۴۳" میں حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے ذکر کے سات اصول لکھے ہیں یہ ذکر کے سات درجے بھی ہیں۔ آخری درجۂ ذکر "عظمت العظام" کا ہے کہ جہاں فقیر خدا تو نہیں بن جاتا لیکن خدا سے ایک دم جدا بھی نہیں ہوتا اور اپنے تمام مطالب یکبارگی حاصل کرلیتا ہے۔" چنانچہ جہاں کہیں انھوں نے ذاکر کی تعریف کی

www.yabahu.com

ہے' وہ دراصل فقیر منتہی کی تعریف ہے کیونکہ ذکر ہی سے انسان واصل باللہ ہوتا ہے اور لقا و دیدار سے مشرف ہوتا ہے۔

"ذاکر اللہ تعالیٰ کا خزانہ ہوتا ہے۔ ذاکر کا بھید اللہ تعالیٰ کا بھید ہوتا ہے کیونکہ ذاکر شرک' کفر' بدعت اور حرص و ہوا سے فارغ ہوتا ہے۔ ذاکر کی آنکھ حق بین ہوتی ہے۔ ذاکر اہل دنیا' باطن اور بے دین سے بیزار ہوتا ہے' ذاکر کا سینہ علم معرفت اور توحید سے پر ہوتا ہے ..... ذاکر کے وجود میں اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں رہتا۔" (کلید التوحید ص ۷۱)

اور آگے چل کر لکھا ہے:

"ذاکر ہمیشہ نفس پر غالب اور قلندر صفت ہوتے ہیں جو ملک سلیمانی اور سلطنت سکندر سے بہتر ہے۔" (ص ۷۲)

لیکن جس ذکر سے یہ مراتب حاصل ہوتے ہیں' وہ محض زبانی ذکر نہیں ہے بلکہ وہ پورے وجود کا ذکر ہے اور اس ذکر میں جذبہ' محنت اور شدت طلب درکار ہے۔ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ جس ذکر کے بارے میں بیان کررہے ہیں' وہ عوام کا ذکر نہیں بلکہ خواص اور عشاق کا ذکر ہے ۔ تمثیلی انداز میں اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"اور اللہ کا ذکر وہ ہے کہ شروع فکر سے دل پر ضرب مارے اور اس کے منہ سے دھواں نکلے اس کے بعد دوسری ضرب لگائے اور اس کے غلبہ سے منہ سے آگ نکلے۔ بعدہ تیسری ضرب لگائے اور منہ سے چنگاریاں نکلیں تو یہ صحیح ذکر ہے۔ اس کے بعد ذکر خفی میں آئے۔ اس سے گوشت پارہ پارہ ہوجاتا ہے اور آنکھ سے خون نکلتا ہے۔" (محک الفقراء کلاں ص ۲۳۱)

امام ابوبکر الکلا باذی رحمتہ اللہ علیہ نے "تعرف" میں ذکر کے باب میں ایک روایت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کی ہے۔ انھوں نے فرمایا "میں جنگل میں ایک حبشی کی صحبت میں چلا جارہا تھا' کیا دیکھتا ہوں کہ وہ جب بھی اللہ کا ذکر کرتا ہے'

اس کا رنگ بدل کر سفید ہوجاتا ہے۔ یہ دیکھ کر میں نے کہا۔ ارے میں تو تم میں عجیب کیفیت دیکھ رہا ہوں۔ جب بھی اللہ کا ذکر کرتے ہو' تمہارا رنگ بدل جاتا ہے۔ اس نے جواب دیا۔ بھائی اگر تم بھی اللہ کا ذکر اس طرح کرو' جس طرح ذکر کرنے کا حق ہے' تو تمہارا رنگ بھی بدل جائے اور تمہاری صفات بھی بدل جائیں۔ اس کے بعد اس نے یہ اشعار سنائے ....." حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے اسے "خاص الخاص ذکر کا نام دیا ہے اور بقول کے ان کے "خاص الخاص ذکر" کی یہ خاصیت ہے کہ اس سے ایسا ذوق پیدا ہو' جو ازل سے ابد تک رہے اور ذاکر عارف باللہ اور واصل بن جائے اور اسے فکر سے فنائے نفس حاصل ہو۔" (توفیق الہدایت ص ۴۸)

یوں تو اس ذکر کے ساتھ فکر ہمیشہ شامل ہوتی ہے کیونکہ اس ذکر میں ذات کی ساری قوتیں شریک ہوجاتی ہیں مگر سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے فکر کا الگ ذکر بھی کیا ہے۔ اگر شروع ذکر میں فکر شامل نہ ہو' تو بعد میں خودبخود اس کے ساتھ آکر شامل ہوجاتی ہے۔ اس فکر سے مراد استدلالی فکر نہیں بلکہ یہ وہ ہمہ گیر حرکی فکر ہے جس میں ادراک' تصور' وجدان سبھی شامل ہیں۔ یہی وہ فکر ہے جس کی ایک ساعت دونو جہان کی عبادت سے افضل ہے:

"جان کہ تفکر دو جہاں کی عبادت سے بہتر ہے۔ جب عارف باللہ تفکر میں آتا ہے۔ تماشا اٹھارہ ہزار عالم کا دیکھتا ہے۔ اس وقت فکر میں آوے کہ دونوں جہان کے مشاہدہ سے اللہ تعالیٰ بہتر ہے' جو اس فکر میں دونوں جہان کو جھوٹا جانتا ہے' اور اللہ تعالیٰ کو بہتر جانتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دونو جہان کی عبادت سے زیادہ ثواب بخشتا ہے۔" (محک الفقراء کلاں ص ۱۹۸)

اصل میں ذکر و فکر کو صرف سمجھنے سمجھانے کے لئے الگ الگ لکھا گیا ہے۔ ورنہ دونو کو ایک دوسرے سے جدا نہیں جاننا چاہیے۔ حلقۂ درویشاں میں مردِ خدا بقول اقبال رحمتہ اللہ علیہ ذکر کی گرمی سے شعلہ کی طرح روشن رہتا ہے اور فکر اسے بجلی سے بڑھ کر تیزی عطا کرتی ہے ۔

www.yabahu.com

جو ذکر کی گرمی سے شعلے کی طرح روشن
جو فکر کی سرعت میں بجلی سے زیادہ تیز

۴۔ تَرکِ دُنیا:۔ ترک دنیا کی اصطلاح نے تصوف کے منکرین اور بعض ناقدین کے دلوں میں سخت غلط فہمی پیدا کی ہے۔ یہ اکثر و بیشتر کم علمی یا کوتاہ اندیشی پر مبنی ہے۔ ترک دنیا کی اصطلاح سن کر بسا اوقات کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ غیر اسلامی تعلیم ہے کبھی اس قسم کا کوئی اعتراض کر دیا جاتا ہے کہ ترک دنیا سے قوم کمزور ہوجاتی ہے یا دنیا ترک کرنا ممکن ہی نہیں وغیرہ وغیرہ۔

صوفیاء نے اپنی تعلیمات میں ترکِ دنیا پر ضرور زور دیا ہے لیکن انھوں نے ایک خاص مفہوم میں یہ ہدایت قرآن و حدیث سے حاصل کی ہے۔ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے بھی ترک دنیا کی نصیحت دہرائی ہے مگر پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ ترک دنیا سے مراد کیا ہے۔

صوفیہ کی اصطلاح میں "دُنیا" سے مراد وہ کاروبار ہے جو عقائد دینی اور اخلاق حسنہ کو پس پشت ڈال کر صرف اس مقصد کے لئے اختیار کیا جائے کہ اس سے مال و دولت میں اضافہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیاء کے ہاں بعض مقامات پر اس سے مراد محض دولت دنیا بھی ہے اور دولت کے نتیجے میں حاصل ہونے والے خصائص یعنی آسائش و اقتدار بھی۔ صوفیاء نے انبیاء کی اقتداء میں اس قسم کے کاروبار کو جو اس نیت سے کیاجارہا ہو' برا گردانا ہے۔ صوفیاء کی نظر ظاہر کی بجائے باطن پر رہتی ہے اور وہ ہر فعل و عمل کے نفسیاتی محرک کو دیکھ کر اس کی قدر و قیمت یا اس کے نیک و بد کے بارے میں فیصلہ صادر کرتے ہیں۔ انھوں نے دیکھا کہ محض دولت کمانے اور حطام دنیوی جمع کرنے کا محرک طمع و آز ہے۔ لہٰذا ان کا فیصلہ اس قسم کے شغل کے خلاف ہے۔ تاہم اگر یہ سب کچھ دینی تعلیم اور اخلاقی اصولوں کے تابع رہ کر کیا جائے اور اجتماعی مفاد پیش نظر ہو' تو پھر یہ برا نہیں۔ گو بعض حالات میں انفرادی طور پر انسان کی اخلاقی و روحانی ترقی کے راستے میں اس کے حارج ہونے کے امکانات پھر

بھی رہتے ہیں۔ چونکہ اس صورت میں دنیا مقصود نہیں بلکہ اس میں خلق خدا کو فائدہ پہنچانے کا موجب موجود ہے۔ اس لئے اس کے جواز کا پہلو نکل آتا ہے۔

اگر معروضی نقطۂ نظر سے دولت کے پس و پیش کا جائزہ لیا جائے' تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اس کے حصول میں ہر چند انسان کی بہترین صلاحیتیں صرف ہوتی ہیں' مگر اس کا احتکار بے شمار قباحتوں کو جنم دیتا ہے۔ لہو و لعب اور عیش و عشرت اس کے بدیہی ثمرات ہیں۔ حرص و طمع اور ہوس و آز کے دخیل ہونے کے خدشات بڑھ جاتے ہیں اور دولت کے بل بوتے پر قوت و اقتدار کے نشے میں انسان کے بھٹکنے کے مواقع نکل آتے ہیں۔ دولت میں اگر فائدہ ہے' تو بھی یہی کہ اسے خلق خدا کی امداد پر صرف کیا جاسکتا ہے' لیکن یہ بھی تو دیکھئے کہ اس کے ساتھ انفرادی مساعی میں لغزش کے خطرات کس قدر ہیں۔ دولت کے ان متوقع مذموم نتائج کے ذکر سے یہ مراد نہیں کہ دولت کمانا برا ہے۔ صرف یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ دولت دنیا اپنے وجود میں بری نہیں۔ اس کے اثرات گمراہ کن ہوسکتے ہیں' اس لئے اس میں بعض کی مشغولیت تامہ ان کے مقصد کے حصول میں ضرر رساں ثابت ہوسکتی ہے۔ مثلاً" طلباء و علماء' معلمین و مصلحین' مفکرین و عارفین' فقراء و اولیاء اور بعض ماہرین فن کو اس قسم کے کاروبار سے دور رہنا چاہیے اور ان کا یہ گریز و پرہیز جماعت انسانی کے لئے مفید ہے۔ معاشرے کا فرض ہے کہ وہ ان کی روزی کا متکفل ہوتا کہ وہ علمی و روحانی اشغال میں ہمہ تن مصروف رہ سکیں۔

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں ترک دنیا سے مراد ترک محبت دنیا ہے کیونکہ جہاں دل میں دنیا کی محبت پیدا ہوئی' وہاں طمع نے ڈیرے ڈال دیئے اور طمع کی کوئی حد نہیں ہے۔

دنیوی لذات سے کبھی کوئی سیر نہیں ہوتا' جو شخص دنیا کی محبت دل سے نہیں نکالتا' اسے نہ قُربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے' نہ مجلسِ محمدی کی حضوری اور نہ اس کے قلب' قالب اور ہر ایک بال سے ذکر جاری ہوتا ہے۔

www.yabahu.com

معرفتِ الٰہی جو اصل فتح ہے، دنیا ترک کئے غیر حاصل نہیں ہوتی۔"

(کلید التوحید کلاں ص ۱۵)

"درویش صاحبِ شعور اور فقیر صاحبِ حضور کا یہ نشان ہے کہ اپنے دل میں دنیا کی محبت نہ رکھے۔" (عین الفقر ۱۸)

ان کی نظر میں دنیا وہ ہے، جو یاد الٰہی سے غافل کر دے۔ وہ راہ حق کے سالک کو ہدایت کرتے ہیں:

"پس اے طالب! دنیا وہ ہے کہ جو یاد مولا کو دل سے بھلائے اور خدا تعالیٰ سے باز رکھے اور ہمہ تن انسان دنیا اور اہل دنیا بن جائے پس خرابی یہ ہے اور بعض صوفیاء کہتے ہیں کہ دنیا وہ ہے جو یاد مولا ہی کے سوا کسی کا دل میں ذوق بخشے۔"

(محک الفقراء کلاں ص ۷۱)

فقیر کے لئے سب سے بڑی روکاوٹ حُبِ دنیا ہے کیونکہ فقر ایک جذبہ ہے جو طمع و ہوس کے جذبات ناخالص کو برداشت نہیں کر سکتا۔ (محکم الفقراء ص ۲۱)

جب تک دنیا کی محبت ختم نہیں ہو گی، روحانی کمال حاصل نہ ہو گا۔

"عمل صالح، راہ رحمت اور جملہ امراض باطنی کفر و شرک زحمت سے نکلنے کا علاج ترک دنیا ہے کیونکہ ترک دنیا ہی اللہ تعالیٰ کی معرفت اور وصال میں حج اکبر ہے۔" (نور الہدیٰ ص ۱۵۴)

طمع بہرصورت دور ہونی چاہیے کیونکہ جب تک اس کی آلائش رہے گی، روحانیت میں کوئی قابل قدر ترقی نہ ہو گی۔

"طالب مولا کو راہ حق میں کچھ طمع نہ چاہیے۔ جب سے جہاں پیدا ہوا ہے، ابلیس منتظر رہتا ہے کہ اسے طمع کی آواز سنائی دے۔ جب اس کے کان میں طمع کی آواز آتی ہے، تو وہ نہایت خوش ہو کر خوشی کی نوبت بجاتا ہے۔" (عین الفقر۔ صہ ۱۷۲

چونکہ فقراء کی راہ انبیاء و اولیاء کی راہ ہے، اس لئے ان کی تاریخ شاہد ہے کہ دل کا حب دنیا سے خالی ہونا ضروری ہے۔ یہاں بھی یہ نکتہ قابل غور ہے کہ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ ترک دنیا سے ترک حب دنیا مراد لے رہے ہیں ورنہ وہ انبیاء و اولیا کی مثال بلا تخصیص یوں پیش نہ کرتے۔ انبیاء و اولیاء میں بہت سے اہل وقار و تمکنت گذرے ہیں اور ان کی شان وسطوت کے باوصف ان کی درویشی یا ان کے فقر میں فرق نہیں آیا۔ اس لئے ترک دنیا سے یہی مراد ہے کہ طمع کا قلع قمع کیا جائے اور فقر کے جذبہ ہی کو اہمیت دی جائے۔ یہی فقر کا طریق ہے۔

"جان کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر یا کم و زیادہ حضرت آدم علیہ السلام سے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ہوئے ہیں۔ سب نے دنیا ترک فرمائی ہے۔ پس تو ان کے خلاف کیوں کرتا ہے؟" (محک الفقراء ص ۲۷۴)

"عین الفقر" میں انبیاء و اولیاء اور ان کے مخالفین سے مقابلے کا ذکر کرتے ہوئے سلطان العارفین رحمتہ اللہ علیہ نے یہ نتیجہ نکلا ہے کہ یہ مخالفت محض طمع و اقتدار کی بناء پر تھی۔ اگر طمع دنیا نہ ہوتی، تو وہ نیکی کی بات سنتے۔ فرماتے ہیں:

"ابوجہل اور یزید کے پاس زر و سیم، خدم و حشم، اونٹ، گھوڑے سب کچھ موجود تھے۔ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہما کے پاس بجائے دنیوی لوازم کے فقر و فاقہ، صبر و شکر، ذکر و فکر، ذوق و شوق، عشق و محبت، نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ وغیرہ اور دیگر عبادات الٰہی تھیں۔ ابوجہل اور یزید کے پاس نقارہ و نوبت تھے۔ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہما کے پاس نعرۂ ذکر اللہ اور اذان کی نوبت تھی۔ تمام ہفت اقلیم کی نوبت اور سلطنت فانی اور باطل ہے اور دین محمدی ﷺ کی سلطنت اور بادشاہی تاقیامت باقی ہے۔" (عین الفقر۔ ص ۸۳۔۱۸۲)

فقر محمدی ﷺ کی شرط یہی ہے:

www.yabahu.com

"پس انسان کا فرضِ عین اور سُنّتِ عظیم ہے کہ وہ فقرِ محمدی ﷺ کی کوشش کرے جو شخص فقرِ محمدی میں قدم رکھتا ہے' اسے لازم ہے کہ دُنیوی محبّت دِل سے نکال دے۔" (کلید التوحید کلاں ص ۲۹)

ترک دنیا کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ خلقت سے علیحدگی اختیار کرلی جائے۔ مشائخ کبار نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ بلکہ کسی درویش میں اگر اس قسم کا رجحان پایا جائے' تو مشائخ اسے لازمی طور پر تنبیہہ کرتے ہیں۔ مشہور روایت ہے کہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے شیخ حضرت محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ وہ انھیں آبادی سے دور دریا کے کنارے ایک جھونپڑی میں عبادت میں مشغول رہنے کی اجازت مرحمت فرما دیں۔ آپ نے اس کی اجازت نہ دی اور آبادی ہی میں رہ کر ذکر و شغل کے جاری رکھنے کی ہدایت فرمائی۔ اسی طرح آپ نے ایک اور بزرگ مولانا حسام الدین ملتانی رحمتہ اللہ علیہ کو خلافت عطا فرمائی' تو شہادت کی انگلی اٹھا کر دو مرتبہ فرمایا۔ "دنیا کو ترک کر' دنیا کو ترک کر" مولانا نے عرض کیا: اگر حکم ہو' تو شہر میں نہ رہوں۔ فرمایا: نہیں شہر ہی میں رہو۔ اور اسی طرح رہو' جیسے اور لوگ رہتے ہیں۔" (بحوالہ تاریخ مشائخ چشت صہ ۲۷۷)

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ بھی مردِ فقیر کو خلقت کے درمیان رہنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ چونکہ فقیر کا کام علم کی روشنی پھیلانا اور عشق کی حرارت سے دلوں کو سوز عطا کرنا ہے۔ ۳۔ اس لئے وہ یہ کام انسانی معاشرے کے اندر رہ کر ہی انجام دے سکتا ہے۔ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"صد آفرین ہو اس شخص پر کہ دن کو خلق اللہ کے ساتھ عدل و انصاف کرکے ظل اللہ اور شب کو اپنے نفس کا محاسبہ کرکے ولی اللہ بنتا ہے"

(مجالستہ النبی ص ۴)

"صاحب ولایت ایک دم بھی خلق خدا کی محافظت سے غافل نہیں ہوتا' وہ آفتاب کی طرح ہر ایک کو یکساں فیض پہنچاتا ہے اور ہر ایک کی راہنمائی

کرتا ہے۔" (عقل بیدار ص ۲۴)

"..... فقیر خود تو ناسُوت (دُنیا) میں ہو لیکن طالبوں کو لاہُوت (روحانی عالم) کے حضور میں پہنچا دے۔" (اورنگ شاہی ص ۳۱)

دیگر صوفیا کی طرح سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں بھی ترک دنیا کا مفہوم صرف یہ ہے کہ دنیا کی محبت دل میں نہ رہے اور طمع و آز کو کلی طور پر ختم کر دیا جائے ورنہ جمعیت خاطر پیدا نہ ہوگی۔ ان کا فیصلہ کن ارشاد ہے:

"جب تک تو حرص و ہَوا کو نہ چھوڑے گا' خدا رَسیدہ نہیں ہوگا۔"

(اورنگ شاہی ص ۲۸)

ترکِ دنیا سے فقیر کو دو صفات حاصل ہوتی ہیں:

۱۔ اِستغنا ۲۔ توکّل

۱۔ اِستغنا: استغنا سے مراد حرص و ہَوا سے آزادی اور مال و دولت سے بے نیازی ہے۔ ان صفات سے متصف مردِ خُدا سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کے الفاظ میں "غنی بقربِ خُدا" ہوتا ہے۔ اس قسم کا استغنا ظاہری و باطنی تصرف و تسخیر کے لئے حربہ بھی ہے اور خارجی و داخلی حملوں کے خلاف سپر بھی۔ اس کی بدولت وہ جمعیت خاطر حاصل ہوتی ہے' جو فقیروں کا سرمایہ ہے اور منکرین فقر کے لئے سراب' جس کی وہ خواہش کرتے ہیں مگر انھیں نہیں مل سکتی۔ فقیر اسی کو زاد راہ بنا کر ولایت و معرفت کے راستے پر گامزن رہتا ہے۔

"غرض راہِ فقر' راہِ معرفت' راہِ ہدایت اور راہِ ولایت جملہ غنایت کے مرتبے سے حاصل ہوتے ہیں کیونکہ مرتبۂ غنایت کے بغیر طالب فقر و فاقہ میں ہمیشہ رُوسیاہ اہل شکوہ شکایت ہوجاتا ہے اور جو شخص خدا کا گلہ کرتا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے بیزار ہوجاتے ہیں۔ آخر وہ شخص مرتد اور مردود ہوجاتا ہے۔" (نور الہدیٰ ص ۲۳۰)

www.yabahu.com

ب۔ توکّل: حدیث کی رو سے توکّل کا مفہوم یہ ہے کہ ہم اونٹ کا گھٹنا باندھ کر توکّل کیا جائے۔ شیخ اکبر ابن العربی رحمتہ اللہ علیہ کے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ "سبب کو رکھنے والے نے جس مقام پر اسے رکھا ہے اور جس چیز کی پیدائش کا اس کو ذریعہ قرار دیا ہے۔ اسے اسی مقام پر رکھا جائے۔ البتہ بھروسہ خدا پر کیا جائے کیونکہ مشرک و مؤحد میں مابہ الامتیاز یہی ہے۔ (فتوحاتِ مکیہ۔ بحوالہ مقالات احسانی ص ۴۱)

حضرت سُلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"توکّل اس بات کا نام ہے کہ ملک کے تمام خزانے تو اس کے قبضے میں ہوں اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے، لیکن آپ بالکل تارک ہو۔ توکل کی یہ حالت نہیں ہوا کرتی: از دست نارساست کہ مکارہ پارساست۔"

(عقل بیدار۔ ص ۱۴۸)

یہ توکل ایک صاحب عمل انسان کے رویے کا نام ہے جسے وہ زندگی کے معاملات میں اختیار کرتا ہے۔ یعنی نتائج سے بے پروا ہو کر خلق خدا کی فیض رسانی کے لئے جدوجہد۔

۵۔ تسخیر و تصرّف: تصوّف پر ایک الزام اس دور میں اکثر دہرایا جاتا رہا ہے کہ اس میں خانقاہ نشینی، گوشہ گیری، علیحدگی پسندی اور دنیا سے بیزاری کے رجحانات ملتے ہیں جن سے نتیجتاً" بے عملی اور جمود کی فضا پیدا ہوتی ہے اور جن سے قوم پر زوال آجاتا ہے۔ کبھی اس اعتراض کو اس شکل میں بھی پیش کیا جاتا ہے کہ جب قوم زوال پذیر ہو، تو اس میں یہ رجحانات بطور علامات زوال رونما ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ممکن ہے کسی قوم کی داستان زوال کے سیاق و سباق میں یہ الزام کہیں معقول نظر آئے، مگر فی نفسہٖ اس الزام کا کہیں جواز نہیں۔ یہ کتنی ستم ظریفی ہے کہ گوشہ نشینی، تنہائی اور عنایت کو تصوف میں جہاں بے عملی کے رجحانات کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، وہاں کم فہمی یا کم علمی کے باعث تصوف کے شدید عملی رجحانات کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔

مثلاً" انفرادی تزکیۂ نفس، ریاضت، مجاہدہ، تعلیم و تعلّم، ذکر و فکر اور سیر و سیاحت وغیرہ۔ ممکن ہے کہ کسی صوفی نے اپنی افتاد طبع، ماحول، تربیت یا خاندانی اثرات کے تحت عجز و نیاز پر زیادہ زور دیا ہو یا خاکساری کو اپنا طریق بنا لیا ہو، مگر تصوف کے عام اصولوں میں عملی نقطۂ نظر اس حد تک کارفرما نظر آتا ہے کہ صوفیا کے نزدیک اگر ان اصولوں کے مطابق عمل نہ کیا جائے، تو تصوف محض ریاکاری ہے، جسے فقر سے انحراف اور دائرہ سلوک سے اخراج کے مترادف خیال کیا جاتا ہے۔

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے دیگر صوفیاء سے کہیں زیادہ زور عمل و حرکت پر دیا ہے اور اس کی ترجمانی کے لئے انھوں نے تسخیر و تصرف کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ فقیر مالک الملک کی طرح متصرف اور صاحب تسخیر ہوتا ہے۔ اور اگر وہ ان قدروں کا حامل نہیں ہوتا، تو اس کا فقر ابھی غیر مکمل ہے۔ رہا یہ اشکال کہ ایک طرف تو ترک دنیا پر زور دیا گیا ہے اور دوسری طرف تسخیر و تصرف کو فقیر کی لازمی صفات قرار دیا ہے، تو یہ تضاد ظاہر الفاظ میں نظر آتا ہے، حقیقت میں اس کا وجود کہیں نہیں۔ ترک دنیا سے مراد استغنا اور توکل ہے۔ بالفاظ دیگر فقیر مال و دولت کمائے تو سہی مگر اسے اپنا منتہائے مقصود نہ بنائے بلکہ محض اعلیٰ اقدار کی خاطر سرگرم عمل رہے۔ تسخیر و تصرف سے مراد یہ ہے کہ اس کی تمام صلاحیتیں اس حد تک بیدار ہوں کہ کسی مرحلے پر عجز و مسکینی کا خطرہ اس کے دل میں نہ گذرے۔ اس وضاحت کے بعد دونو میں تناقص و تضاد کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔

فقیر میں اِنکسار تو ہے مگر عجز نہیں۔ انکساری انسان کو غرور اور تکبر سے بچاتی ہے۔ اس لئے مفید ہے مگر عجز سے انسان محتاج اور اپاہج ہوجاتا ہے۔ فقیر کامل بقول سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ، "نافع المسلمین" ہوتا ہے۔ اس لئے وہ محتاج نہیں ہوسکتا۔ وہ دینے والا ہے لینے والا نہیں۔ وہ اپنی صلاحیت و اہلیت کے اعتبار سے چاہے تو بادشاہ بن سکتا ہے کیونکہ وہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کی حکمت سے واقف ہے۔ اسی لئے سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ اسے "مالک الملکی" کہتے ہیں:

www.yabahu.com

"پس سن اے درویش روشن ضمیر! کہ درویش وہ ہے کہ مرتبہ ان اللہ علیٰ کُل شیٔ قدیر رکھتا ہو۔" (محک الفقراء ص ۳۳۴)

"فقیر کے قبضہ میں دونو جہاں ہوتے ہیں۔" (فضل اللقاء ص ۵۴)

"اگر فقیر مرتبہ چاہے' تو اسے اس قدر قوت حاصل ہے کہ وہ رُخل اللہ بن سکتا ہے۔" (عقل بیدار ص ۷۱)

تسخیر و تصرف کی یہ طاقت اس کے اپنے وجود کے اندر ہوتی ہے۔ کیونکہ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ انسانی وجود کو اور پھر اس کے وجود میں باطن کو تمام کمالات کو منبع سمجھتے ہیں۔ فقیر مرتبۂ کمال حاصل کرکے صاحبِ تصرّف ہوجاتا ہے۔ گویا اس کی ساری جدوجہد ابتداء میں اس کے وجود کا داخلی معاملہ تھی۔ یہ ساری جدوجہد باطنی مراتب کے لئے ہوتی ہے۔ ظاہر میں جو کچھ نظر آتا ہے' وہ دراصل فقیر کے باطن کا انعکاس ہے۔

"طالبِ راہ خدا! سنو' جو شخص فنائی اللہ اور بقا باللہ ہے' وہ قرار حیرت و تحیّر' رفق اور توفیق وغیرہ ہر ایک کو اپنے ہی وجود میں دیکھتا ہے۔"

(جامع الاسرار ص ۲)

"علماء کو بہشت کے درجوں کی امید ہے۔ لیکن فقراء پر منزل اور مقام حرام ہے کیونکہ ازل سے ابد تک کا احرام باندھا ہے۔" (محبت الاسرار ص ۲۳)

فقیر ہمیشہ باطن سے ظاہر میں تصرف کرتا ہے اور اس کے لئے وہ توجہ' نظر اور تلقین و تبلیغ سے کام لیتا ہے۔ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں حاضرات کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ قدیم دور کے روایتی علم الاسرار میں اس کے معنی خواہ کچھ بھی ہوں' لیکن سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ اسے انسانی جوہر سمجھتے ہیں۔ "تیغ برہنہ" میں انھوں نے انسانی وجود کے اندر اکیالیس جوہروں کا ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً" جوہر علم' جوہر حلم' جوہر حکمت' جوہر تحقیق' جوہر خیال' جوہر توبہ وغیرہ (ص ۱۱) یہ "حاضرات ناظراتُ نگاہ آگاہ" داخلی و خارجی امور میں فقیر کے معاون ہوتے ہیں اور

ان کے ساتھ فقیر ظاہری و باطنی تصرف کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ "نور الہدیٰ" میں انھوں نے بہت سے ایسے طریقے لکھے ہیں' جن کے ذریعے فقیر کو باطنی توفیق میسر آتی ہے اور وہ ظاہر و باطن میں "یک رنگ" ہوجاتا ہے۔ یعنی جس طرح وہ باطن میں سوچتا یا تصور کرتا ہے' بعینہ وہ ظاہر پر بھی متصرف ہے۔ اسی طرح "محک الفقرا" میں فقیر کی تعریف یوں لکھی ہے:

"فقیر دہان بستہ' صاحبِ تصرّف' کامل نظر وہ ہے کہ بے زبان' باظنر ذکر و فکر' مراتب و جلال' مشاہدۂ وصال جمعیت بخشے اور نظر کے ساتھ مراتب قضا اور قدر کے اور مطالعہ لوح محفوظ کا صبر و رضا رازِ الٰہی بخشے اور نظر سے مراتبِ صاحبِ لفظ اور صاحبِ راز اور فقیرِ بے نیاز لایحتاج کرے۔"

(ص ۲۴۹)

اگر کسی فقیر کو یہ طاقت حاصل نہیں' تو وہ ابھی نامکمل ہے۔

"فقیر بادشاہ ہوتا ہے اور سائل گدا' جس شخص کو ظاہری باطنی تصرّف حاصل نہیں' اسے عارف باللہ نہیں کہہ سکتے۔ وہ ابھی محتاج' نفس کا قیدی' لالچ میں پھنسا ہوا اور الٰہی خزائن کے تصرّف سے بے خبر ہے۔"

(توفیق الہدایت ص ۴۴)

لیکن یہ ظاہری و باطنی تصرف دنیوی مال و اسباب کے بل بوتے پر نہیں ہوتا کیونکہ "دنیوی مال و اسباب کی وجہ سے جو عنایت حاصل ہوتی ہے' وہ باطل ہوتی ہے۔" فقیر بنیادی طور پر مربی و معلم ہے۔ اس کی نگاہ میں یہ اثر ہوتا ہے کہ جس پر پڑتی ہے' وہ تائب ہوجاتا ہے اور پھر معصیت کے قریب نہیں جاتا۔

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک فقیر وہ بلند مرتبہ صاحب تصرف' معلم و مربی ہے کہ حکمرانوں کو چاہیے اس سے مدد حاصل کریں۔ کیونکہ فقیر وہ انسان کامل ہے' جس کا وجدان ماضی' حال اور مستقبل پر محیط ہو اور جو "دانائے سبل" کا نائب بن کر خلقت کی راہنمائی کرے۔

www.yabahu.com

فکر دور جدید کی زبان میں اسے یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ فقیر کی روحانی سطح پر تخلیقی صلاحیتیں ہمیشہ بیدار رہتی ہیں اور وہ مذکورہ تخلیقی سطح پر زندہ رہتے ہوئے ہمہ تن تخلیق و تعمیر میں مصروف رہتا ہے۔ اسے اپنی صلاحیتوں پر اس قدر اعتماد ہوتا ہے کہ وہ کسی صورت حال سے بھی عہدہ برا ہوسکتا ہے۔ زندگی اپنی لامحدود وسعتوں اور بے شمار امکانات کے ساتھ اس کے سامنے موجود ہوتی ہے اور وہ جس طرح اور جب چاہے زندگی کی باطنی حرکت و قوت کا رخ موڑ کر اسے اپنے منشا کے مطابق استعمال کرسکتا ہے۔ وہ دنیوی مال و اسباب سے بے نیاز رہتا ہے کیونکہ اس بوجھ کے نیچے دب کر اس کی آزادی اور رفتار عمل میں فرق آجاتا ہے۔ وہ ان سب سے مستغنی رہ کر خلق خدا کے لئے "یافت و دریافت" کے اصولوں کے مطابق کام میں منہمک رہتا ہے اور تاریخ ہمیشہ اس کی تسخیر و تصرف کی منتظر رہتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ مر کر بھی زندوں کی طرح تصرفات کرتا ہے۔

عقیدہ و عمل کی جامعیت کا حامل انسان جب فقر کا انتہائی مقام حاصل کرتا ہے۔ تو سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ اسے فقیر کامل کہتے ہیں۔ "فقیر کامل" کا رتبہ دراصل وہی ہے جسے مفکر صوفیاء اور خاص طور پر عبدالکریم الجیلی رحمتہ اللہ علیہ نے مرتبۂ انسان کامل کا نام دیا ہے۔ خود حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تحریروں میں چند ایک مقامات پر فقیر کامل کی جگہ انسان کامل کا نام لے کر اس مرتبہ کی خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔ انسان جب اپنے عمل سے اپنے وجود کو روشن کرلیتا ہے تو گویا وہ اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے۔

"چونکہ اللہ تعالیٰ کے نور سے جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور مبارک بنا اور جناب کے نور سے ساری خلقت بنی' اسی لئے انسان کی اصل نور ہے اور عمل کے موافق نفس' قلب اور روح تینوں ایک نور بن جاتے ہیں۔ اسی کو انسان کامل کہتے ہیں۔" (عقل بیدار ص ۲۵)

جس انسان کو سب سے بڑھ کر ظاہر و باطن میں کمال حاصل ہوا اور ہر لحاظ سے

ارتقاء کے انتہائی مقام پر جا پہنچا' وہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔ ان کے بعد یہ کمال انبیاء و اولیاء کو درجہ بدرجہ حاصل ہوتا ہے۔

"جناب رسول مقبول علیہ الصلوۃ و السلام انسان کامل ہیں اور باقی لوگ حسب مراتب تقریب رکھتے ہیں۔" (عین الفقر ص ۲۶۷)

"جمعیت جو کہ لطف رحمان ہے۔ انسان کامل کے نصیب ہوتی ہے۔ کامل انسان صرف انبیاء اور اولیاء اللہ ہیں۔ ان کے سوا باقی مردہ دل اور بمنزلہ حیوان ہیں۔" (فضل اللقاء ص ۴۶)

اس کمال کا انسان دراصل سِرّاللہ اور رازِ کائنات ہے' کیونکہ تہذیب و تمدن کی ترقیوں میں قوت و طاقت کا اصل منبع یہی انسان کامل ہے۔

"انسان کامل کا وجود گویا ایک طلسم اور معمہ ہے' جو جملہ گنج مراتب حیات و ممات کو اپنے اندر چھپائے اور دبائے ہوئے ہے۔"

(نور الہدیٰ کلاں ص ۵۴)

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے یوں تو ہر جگہ "فقیر کامل" کا نام لے کر انسان کامل کے مدارج کی تشریح کی ہے۔ لیکن تربیتی مدارج اور انتہائی عروج کے لحاظ سے بعض صفات و کیفیات کے غلبہ کے پیش نظر انھوں نے فقیر کامل کے لئے مختلف نام استعمال کئے ہیں۔ اس موقعہ پر صرف یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جب وہ فقیر مبتدی و منتہی کی تلقین و تربیت اور مراتب کا ذکر کرتے ہیں' تو ان کی حیثیت محض مبصر کی نہیں بلکہ وہ ایک معلم' مرشد اور مربی کی طرح ان سب مراحل و مراتب کے خصائص بیان کرتے ہیں۔ دراصل وہ خود ان سب مدارج سے گذرے' ان کیفیات سے دوچار ہوئے اور مقام ذات تک پہنچے کہ فقیر کامل کا انتہائی مرتبہ یہی ہے۔

"جب فقیر انتہائی مرتبہ میں پہنچتا ہے' تو ذات میں ذات مل جاتی ہے۔"

(قرب دیدار صہ ۲۵)

اس ضمن میں عام مروجہ اصطلاح "ولی اللہ" بھی انھوں نے فقیر کامل کے لئے

www.yabahu.com

استعمال کی ہے۔ ولی اللہ دنیا سے بے نیاز ہوتے ہیں اور کسی کے محتاج نہیں ہوتے۔ "پس ولی اللہ محتاج نہیں ہوتے اور اولیاء اللہ سے مراد فقیر ہے۔ فقیر کسی کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ ہر شے اس کی محتاج ہوتی ہے۔" ولی روشن ضمیر فیض بخش ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد بھی اس کا فیض جاری رہتا ہے۔ "وہ شخص زندہ ولی اللہ ہے۔ گو لوگوں کی نظروں میں وہ مرجاتا ہے لیکن دراصل وہ زندہ ہوتا ہے۔" یہ شخص جہاں ہوتا ہے' رحمت الٰہی کا نمائندہ بن کر رہتا ہے۔ "اولیاء اسے کہتے ہیں کہ سر سے پاؤں تک ایمان' صدق اور تصدیق سے رحمت الٰہی میں لپٹا ہوا ہے۔" (شمس العارفین ص ۲۵)

فقر میں مبتدی کے لئے وہ "طالب" کا لفظ استعمال کرنا پسند کرتے ہیں۔ طالب مولا میں صرف دو شرائط ضروری ہیں۔ ذوق و شوق اور خلوص و اخلاص۔ ایسا طالب چند دنوں میں مراتب روحانی حاصل کرلیتا ہے۔ مریدوں کے ہجوم اور ان کی بے شمار تعداد کی بجائے ایک ذی استعداد طالب کہیں بہتر ہے۔

"ہزارہا ناقص طلباء سے ایک عمدہ طالب مل جائے' تو کافی ہے۔ اللہ بس' باقی ہوس۔" (کلید التوحید ص ۲۸۳)

فقر کے ارتقاء میں انسان کامل کے مراتب کے بیان میں مندرجہ ذیل نام حضرات سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کی تحریروں میں ملتے ہیں:

درویش: ویسے تو سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ فقیر اور درویش کا ایک ساتھ ذکر کرتے ہیں' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کا مرتبہ ایک ہے۔ جیسے "درویش صاحب شعور اور فقیر صاحب حضور کا یہ نشان ہے کہ اپنے دل میں دنیا کی محبت نہ رکھے۔" (عین الفقر ۱۸۱) لیکن بعض جگہ انھوں نے مدراج میں فرق کی تصریح کردی ہے۔ درویش کی توجہ سے ظاہری حالات بدل سکتے ہیں' لیکن فقیر کی نگاہ سے آدمی فنافی اللہ کا رتبہ پالیتا ہے۔ درویش لوح محفوظ پر نظر رکھتا ہے' جس کی وجہ سے فقیر اسے نجومی فقیر یا منجم کہتے ہیں: "لیکن اگر فقیر کسی پر نظر کرے' تو اسے روشن ضمیر بنا کر دونوں جہاں کا بادشاہ بنا دیتا ہے اور مشاہدۂ معرفت الٰہی میں اس طرح غرق کردیتا ہے کہ اگر اسے

سلیمانی بادشاہی اور ملک دے دیں تو بھی قبول نہیں کرتا۔" (کلید التوحید کلاں ۱۸۰)

اہل درجات فقراء یعنی ابدال و اوتاد وغیرہ کو بھی انھوں نے درویشوں کی قسموں میں بیان کیا ہے۔ ان کے متعلق انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ "درویش بھی دو قسم پر ہیں۔ پسند خلق اور ناپسندیدۂ خالق۔ بعضے پسند خالق اور ناپسندیدۂ خلق۔" اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ درویش کے مرتبے میں بھی کچھ لوث باقی رہ جاتا ہے' لیکن اس سے غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے۔ اصل میں یہاں **حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ** کی بات ہورہی ہے۔ صرف فقیر کامل کے مقابلے میں درویش کا مرتبہ کم نظر آتا ہے' ورنہ درویش کی شان بھی بہت بلند ہے۔ سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ خود کہتے ہیں:

بر دَرِ درویش رو ہر صبح و شام
تا ترا حاصل شود مطلب تمام
دادۂ درویش یابی جاوداں
از نظر درویش شُد شاہِ جہاں

(کلید التوحید خورد: صہ ۲۶)

"کامل فقیر اور صاحبِ لفظ درویش کی بات مہد سے لحد تک اور قیام قیامت تک بلکہ قیام قیامت سے بھی آگے دخولِ جنت تک جاری اور رواں رہتی ہے۔" (نور الہدیٰ ص ۱۰۱)

غَوث و قُطب: ابدال و اوتاد اور غوث و قطب اگرچہ فقر کے مراتب ہیں لیکن یہ درجات میں فقیر کامل سے کم ہیں کیونکہ یہ ابھی مقامات و درجات کے طالب ہیں اور فقیر درجہ کی طلب کی بجائے محض طالب مولا رہتا ہے:

"غوث و قطب میں کیا فرق ہے؟ واضح رہے کہ غوث روضہ اور خانقاہ میں ہوتا ہے اور فقیر طلب رضائے الٰہی میں۔" (جامع الاسرار ص ۴۹)

غوث و قطب کی تین قسمیں حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے بیان کی ہیں۔ ایک وہ ہیں جن کا دائرہ اثر محدود ہوتا ہے' دوسرے وہ جو ملکی صفات رکھتے ہیں۔

www.yabahu.com

تیسرے وہ فقیر حقیقی ہیں جو توحید کے دریائے عمیق میں مستغرق ہوتے ہیں۔ انھیں وہ دہقانی، روحانی اور قطب وحدت کہتے ہیں۔

فقیر مالک الملکی: یہ فقیر کامل کا وہ مرتبہ ہے، جسے سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے فقر میں سرفہرست رکھا ہے، ان سب صفات فقر کا جامع انسان کامل ہے کہ جس پر ذکر و فکر سے "فیض، فضل اللہ اور بخش و عطائے الٰہی" کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور جس کے قلب پر کلمہ طیبہ کے چوبیس حروف سے چوبیس ہزار تجلیات نازل ہوتی ہیں۔ اس کا قلب اسرار الٰہی کا امین ہے اور وہ خود وسیع و عریض کائنات میں "قطب وحدت" ہے۔ وہ اپنی روحانی طاقت سے ظاہر و باطن میں برابر تصرف کرتا ہے۔ "جو فقیر عارف باللہ صاحب عیاں ناظر ہے، توفیق اور قدرت رکھتا ہے، اس کے قبضے میں اسم اللہ ذات کی برکت سے مشرق سے لے کر مغرب تک تمام روئے زمین کا ہر ایک ملک اور ہر ایک ولایت ہوتی ہے۔ ایسے فقیر کو مالک الملکی بھی کہتے ہیں۔ پس ایسا شخص اگر چاہے، تو ایک مفلس ٹکر گدا کو ساتوں ولایتوں کا بادشاہ بنادے اور اگر چاہے تو ساتوں ولایتوں کے بادشاہوں کو معزول کرکے گداگر اور مفلس بنا دے۔"

(تیغ برہنہ ص ۱۳)

"کلید جنت" میں اسے "اہلِ تصوّر فقیر" کہا گیا ہے۔ (ص ۳۷)

"نورا لہدیٰ" میں بیان فرماتے ہیں کہ مالک الملکی فقیر اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر کی صفت سے موصوف ہوتا ہے۔ کل وجز مخلوقات اس کے قید تصرف میں قید و اسیر ہوتی ہے۔ وہ تمام علوم، حکمتوں اور قرب و بقا کا عامل، کامل، مکمل، اکمل، جامع فقیر ہوتا ہے۔ "اور ان سب کے جوہر وجود میں جمع کرکے فقیر لایحتاج بن جاتا ہے۔ یہ ہے مالک الملکی فقیر صاحب ذات جامع کل صفات کہ تمام درجات اور کل مقامات اس کے اختیار میں ہوں۔" (صہ ۲۳۰)

حاکم اولی الامر فقیر: استغنا میں جب یہ مقام آجائے کہ اس کی نگاہ میں مٹی اور

سونا برابر ہوں، تو فقیر کو مرتبہ اولی الامر حاصل ہوجاتا ہے۔ (اسرار قادری صہ ۵۵)

قاتل قتال: جو صاحبِ اِلہام فقیر اس قدر قدرت رکھتا ہو، کہ جذب میں آکر اگر بددعا کرے تو تمام بدکار ہلاک ہوجائیں۔

"اس قسم کے عامل کو قاتل قتال۔ صاحبِ قُرب مَست حال، لسان السیف باقرب اللہ وصال، صاحب حکم بست و کشاد اور اہل مشاہدۂ عین جمال کہتے ہیں" (نورا لہدیٰ ص ۸۱)

اس لئے بھی اسے قتال کہتے ہیں کہ وہ "اپنے نفس کو قتل کرتا ہے اور وصال لی مع اللہ میں غرق رہتا ہے اور ہر ایک حال میں طالبوں کے حالات سے خبردار رہتا ہے۔" (محک الفقراء کلاں ص ۱۱۵)

اس مرتبہ کا فقیر اس شان کا مرشد کامل بن جاتا ہے۔ "جس کی مثال آفتاب کی سی ہے کہ اس سے تمام عالم فیض پاتا ہے۔" ایک اور جگہ ایسے فقیر کو انھوں نے "سیف اللہ اولی الامر" بھی کہا ہے۔ (محک الفقرا کلاں ص ۲۲۶)

صاحبِ جمال وصال: یہ وہ مرد حال ہے، جو شریعت کی متابعت میں عمل کرتے ہوئے معرفت کی تجلیات سے بہرہ مند ہوتا ہے۔ اور بعض فقیر صاحب احوال کہ اپنے وجود پر لباس شریعت کا پہن کر سوائے نور اللہ اور تجلیات معرفت کے اور قدم بر قدم محمدی ﷺ کے دوسری راہ نہ دیکھے۔ اس کو صاحب جمال وصال کہتے ہیں۔"

(محک الفقراء کلاں ص ۲۲۳)

اہلِ غنائے اکبر: جب دل کی صفائی فقیر کو الہام وصول کرنے کے قابل بنا دے اور الہام سے اس کے دل میں "محبت مولا" زیادہ ہو، محبت غیر ترک کر دے، تو اس قسم کے صاحب الہام کو حضرت سلطان باھو "اہل غنائے اکبر" کہتے ہیں۔

(محک الفقرا کلاں ص ۲۶۶)

صاحبِ تصرّف کاملِ نظر: یہ اس مرشد کامل کا مقام ہے، جو "ایک نظر میں غرق

www.yabahu.com

توحید مع اللہ کر دے۔" ایسے فقیر "والئ ولایت اور ہادی ہدایت ہیں۔"
"صاحبِ نظر آفتاب کی طرح روشن ہے۔" اورنگ شاہی ص ۲۶

صاحبِ راز: فقیر صاحب راز وہ مردِ کامل ہے' جسے حضوری کا مرتبہ یوں حاصل ہو کہ اس سے اس کے ظاہری اعمال بھی قضا نہ ہوں اور مرشد کامل صاحب راز وہ ہے' جو محض اپنی روحانی توجہ سے طالب مولا کو بلند مرتبہ دلا دے۔

غنی فقیر: جب طالب کا دل وساوس و خطرات سے پاک ہوجائے اور ذکر کی تاثیر فقیر کے وجود پر غالب آجائے' تو پھر اسے "غنی فقیر" کے مراتب میں سے ایک مرتبہ نصیب ہوتا ہے۔ (توفیق الہدیت ص ۴۳)

عارف باللہ: عارف باللہ جس نے ظاہری علم میں کمال حاصل کیا ہو اور اس کے مطابق عمل کرکے اپنی زندگی کو مزین کرنے کی سعی میں مصروف ہو۔ عالم عامل سے فقیر کامل بنتا ہے۔ لیکن ان دونوں مرتبوں کے درمیان جانے کتنے درجات ہیں۔۔۔
"ہزاروں عارفوں میں سے کوئی ایک آدھ ہوتا ہے۔ **فنائی اللہ فقیر بر کونین امیر**"
عارف درس و تدریس اور تلقین و ارشاد میں مشغول رہتا ہے اور ساتھ ہی عبادت اور ورد وظائف سے پہلو تہی نہیں کرتا۔ وہ غضب کا استغنا رکھتا ہے کہ بادشاہی کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔ "محقق عارف باللہ کا ظاہر علم سے آراستہ ہوتا ہے اور باطن یاد الٰہی سے معمور۔ اس کا مقام غوثیت و قطبیت سے بہرحال بلند ہوتا ہے۔ وہ کامل و مکمل مرشد بن کر لوگوں میں ارشاد پر مامور ہوتا ہے اور "عارف و معارف" کے القابات کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ وہ اہل کلید ہے نہ کہ اہل تقلید کیونکہ اس کے پاس علم کی کلید ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے بذریعۂ الہام "اسرارِ ربّانی از نص' حدیث و قرآنی" اس کے دل پر القا ہو کر مشروحاً ظاہر و ہویدا ہوجاتے ہیں۔ وہ صاحبِ تصوّر و تصرّف ہوتا ہے۔ اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور روحانی دنیا کے لشکر اس کی توجہ و تفکر کے ماتحت کام کرتے ہیں۔ "زندہ دل عارف" فضول کلام نہیں کرتا اور "اسرار مع اللہ"

میں مستغرق رہتا ہے۔

گرچہ عارف بستہ لب باشد مدام
باخدا ہم نحن مذکورش تمام

اس کا مرتبہ گو فقیر کامل سے کم ہے مگر "عارف باللہ کا ابتدائی مرتبہ عامل عالم کا انتہائی مرتبہ ہے اور عارف باللہ کی انتہا فقیر کامل کے مراتب ہیں۔" قرب دیدار ص ۱۱
وہ جہان میں متحرک اور متصرف طاقت بن کر زندہ رہتا ہے۔ وہ زمان و مکان سے بلند ہو کر کائنات پر نظر ڈالتا ہے اور جہاں اس کے انفاس کی تاثیر سے مملو رہتا ہے:
"کامل' مکمل اور اکمل عارف باللہ شہسوار ہاتھ میں تیغ برہنہ مثل ذوالفقار لئے ہوئے زندہ قلب ہو کر دونو جہاں کا تماشا دیکھتا ہے۔ اس کی روح بیدار رہتی ہے۔ وہ نور ذات کے مشاہدے اور دیدار پروردگار سے مشرف ہونے کے لائق ہوتا ہے۔

ہر کہ دیوانہ شود با ذکر خدا
زیر پائش عرش و کرسی' ہر طبق

(قرب دیدار صہ ۱۴)

فقیر فیاض الفضل: عارف سے بلند مرتبہ کا فقیر جس کا "ظاہری وجود علم باطنی کے حیطۂ قدرت میں ہے' اسے ظاہری علوم پر بھی دسترس ہوتی ہے"۔ وہ ظاہری عالم سے افضل ہے۔ کیونکہ "ظاہری عالم باادب ہوتا ہے اور باطنی فقیر با امر۔ **وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِہٖ**" (قرب دیدار ص ۱۰)

سُلطان التّارکین اور سُلطان العارفین: جو فقیر دنیا اور دنیاداروں کو اس طرح چھوڑ دیتا ہے کہ "جو کچھ اس کی نذر ہو' یہ سب کچھ خدا کی نذر کر دیتا ہے۔" سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ اسے فقیر سُلطان التارکین کہتے ہیں۔ اس صفت سے موصوف فقیر سُلطان العارفین بھی ہے کہ اسے "ہمیشہ اللہ تعالیٰ مدِنظر رہتا ہے اور اسے دُنیا و مافیہا سے کچھ اچھا نہیں لگتا۔" (عین الفقر ص ۱۶۹)

www.yabahu.com

فیض بخشِ عالم: عارف باللہ کا مقام ہے کہ جب ذکر کے تمام مراحل طے ہوجاتے ہیں، تو وہ "روشن ضمیر ہوجاتا ہے اور ہر قسم کے علوم اس پر منکشف ہوجاتے ہیں اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی۔ ایسے شخص کو علم معرفت کا قاری اور فیض بخش عالم کہتے ہیں۔" (اسرار قادری ص ۶)

ایک اور جگہ اسے "صاحبِ جوہر فقیر" کہا ہے۔ (قرب دیدار ص ۵۲)

آزاد فقیر: آپ نے سجادہ نشینوں کے مقابلہ میں "آزاد فقیر" کو ترجیح دی ہے کہ وہ رو رعایت اور ہوس زر کے بغیر سچ بات کہہ دیتے ہیں۔ (محکم الفقر ص ۳۲)

فقیر صاحبِ قُوّت العلوم یعنی فقیر بے پناہ تصرف کا مالک ہو اور اس قوت کے اعمال کا عامل اور سب اشغال میں کامل ہو، اسے فقیر صاحب قوت العلوم کہتے ہیں۔ (نور الہدیٰ ص ۹۲)

دوسری جگہ اسے "صاحب طے حی و قیوم" بھی کہا ہے۔ (ایضاً ص ۲۴۰)

صاحبِ اِنتہا اہل الوصول: فقیر کامل کا ایک مرتبہ ہے۔ "جو فقیر فنافی اللہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے قرب میں غرق ہوجائے اسے صاحب انتہا اہل الوصول کہتے ہیں۔ اس کی نظر قبول، تصور تصرف قبول، توجہ تفکر قبول، دلیل آگاہ قبول اور وہم و خیال قبول ہے۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کا مقبول ہے۔" (نور الہدیٰ صہ ۱۳۵)

فقیر صاحبِ عیاں: فقیر کامل کا مرتبہ ہے۔ جب وہ "حقیقت احوال کن فیکون" یعنی راز تخلیق کو ابتداء سے انتہاء تک جان لیتا ہے اور دیکھ لیتا ہے تو اسے فقیر صاحب عیاں کہتے ہیں۔ (ایضاً ص ۱۷۷)

کاملِ کُل: فقیر کامل کا انتہائی مرتبہ ہے۔ "وہ فقیر کامل کل اہل توحید ہے۔ جس کی نظر اور توجہ مثل کلید ہے کہ جس قفل مطالب مشکل میں ڈالی جائے، اسے فوراً کھول دے۔" (نور الہدیٰ ص ۱۸۹۰) "قرب دیدار" میں اسے فقیر کلید کل کہا گیا ہے ص

(۳۹)

شہید اکبر کبائر سر:

مرشد کامل کا مرتبہ ہے۔ ایسے فقیر کامل کو جب کوئی طالب مرید با اخلاص یا دوست آشنا حُسنِ اِعتقاد سے یاد کرتا ہے، اسی وقت باطنی قوت سے جُثّہ نفس یا جُثّہ قلب یا جُثّہ روح یا جُثّہ نُورِ توفیقِ الٰہی سے حاضر ہو جاتا ہے اور حاضر ہوتے ہی مختلف طریق سے اعلام فرماتا ہے" (نور الہدیٰ ص ۱۹۰) یہ مرتبہ حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ، کو حاصل ہوا۔

فقیر مَست: یہ بھی فقیر کامل کا مرتبہ ہے۔ "فقیر مست بحقّ پیوست کی آنکھ کو دن رات کسی وقت نیند نہیں آتی، کیونکہ اس کی دونو آنکھیں ہر وقت نُور تجلّی سے چراغ کی طرح شُعلہ زن رہتی ہیں۔ یہ مراتب منتہی فقیر صاحبِ معرفت وصال ولی اللہ عاشق روزالست کے ہیں۔" (نور الہدیٰ ص ۶۶)

فقیر کامل کی قوتیں اور اس کا فیض لامحدود ہے۔ اس کی روحانی توجہ و طاقت کی تاثیر سے انسانوں میں جمعیت پیدا ہوتی ہے اور وہ ہر برائی سے بچے رہتے ہیں۔ فقیر کامل کا اہم کام معلم و مرشد کی حیثیت سے تلقین و ارشاد خلق ہے۔ اور اس کے لئے وہ اپنی ساری علمی و روحانی صلاحیتیں استعمال میں لاتا ہے:

"کامل مرشد میں چار چیزیں کامل ہوتی ہیں۔ اول: بعض کی کامل نظر کیمیا اثر ہوتی ہے۔ دوم بعض کی توجہ کامل ہوتی ہے کہ توجہ ہی سے چھ نسلوں کو طالب کے قبضے میں لاسکتے ہیں۔ سوم: بعض کی زبان کامل ہوتی ہے کہ جس طرح کہتے ہیں، بحکم خدا ویسا ہی ہوجاتا ہے۔ چہارم: بعض کا قدم ہوتا ہے۔ جہاں قدم ڈالتے ہیں، وہ مکان شرف المکان بالمکین کا مصداق ہوجاتا ہے۔ ان کا قدم باتولہ سے تعلق رکھتا ہے۔ جو انکا قدم چوم کر ہاتھ پکڑتا ہے، اسی وقت اس کا دل زندہ ہوجاتا ہے۔ پھر وہ دل دنیا و آخرت میں مرتا نہیں۔"

www.yabahu.com

(کلید التوحید ص ۲۶۸)

عملی سلوک میں مرشد کامل کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا نہایت ضروری ہے۔ جب تک اس کی دستگیری حاصل نہ ہو' روحانی کیفیات بعض اوقات رجعت کی طرف بھی لے جاسکتی ہیں۔ حضرت سُلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے بار بار اپنی تحریروں میں اس امر کا تذکرہ کیا ہے کہ مرشد وہی ہونا چاہیے' جو خود کامل و مکمل ہو۔ اگر کم آدمی کے درجہ کو مرشد جانا' تو دونوں خطرات میں گھرے رہیں گے۔

مزید برآں سلطان صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے یہ بھی اشارہ کردیا ہے کہ سب سے بڑا رہبر تو انسان کا اپنا شوق ہے

ع ۔ طے شود جادۂ صَد سالہ باہے گاہے

"ہاں راز کی راہ صاحب راز ہی اختیار کرتا ہے جس کو راز قبول کرتا ہے' صاحبِ راز ہوجاتا ہے ۔

سیلِ بے رہبر بدریا' می رساند خویش را
شوق درہر دل کہ باشد رہبرے درکار نیست"

(محک الفقرا ص ۲۶۶)

اہل درجات میں سے صرف غوث ہی مکمل پیر ہوسکتا ہے جو طالب اللہ کے وجود کے تانبے کو سونا چاندی بنا دیتا ہے۔ وجود دل کے دروازوں کی کنجی اس کے پاس ہوتی ہے۔ اس کی ایک توجہ سے دل و دماغ کے سارے دروازے کھل جاتے ہیں۔ لہٰذا

"کسی کامل فقیر کی جستجو کر' اگرچہ وہ دور دراز فاصلے پر رہتا ہو' تو بھی اس کی زیارت کرنے سے باز نہ رہ۔" (محکم الفقراء ص ۴۱)

کامل فقیر کو ڈھونڈنا صرف اسی پر فرض نہیں جو روحانی منازل طے کرنا چاہتا ہے' بلکہ اس کی تلاش ہر ایک کے لئے ضروری ہے۔ اس کا وجود جود و کرم کا منبع ہوتا ہے اور بادشاہوں سے لے کر نادار درویشوں تک سب اس کے سامنے ضرورت مند نظر آتے ہیں۔

فقیر کمال کی انتہائی بلندیوں پر پہنچ کر بھی معاشرے کے ایک فرد کی حیثیت سے لوگوں کے درمیان رہتا ہے۔ بعض اوقات وہ دنیوی لحاظ سے کسی ایسے منصب پر بھی فائز ہوسکتا ہے کہ تمام لوگوں کی نظریں اس پر پڑیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ گمنام رہ کر اپنے جذبے اور تفکر کو لوگوں کے قلب میں جاری و ساری کردے۔ البتہ وہ پانچ خصلتوں سے پہچانا جاسکتا ہے۔ (۱) اس کے پاس ہوگا علم کہ وہ اس کی بدولت گردوپیش سے ریا اور جہالت کو دور رکھے گا۔ وہ "بمنزلۂ آفتاب ہے۔ جس قدر زیادہ نکلتا ہے اسی قدر اس کی روشنی اور تجلی تاریکی اور اندھیرے کو ٹکڑے ٹکڑے کرتی ہے۔" (۲) لوگوں کے ساتھ حلم سے پیش آئے گا۔ (۳) وہ فیض بخش خاص و عام بن کر لوگوں کی دستگیری کریگا۔ (۴) اس کے پاس مال ہوگا تو سخاوت اختیار کرے گا اور دوسرے لوگوں پر خرچ کرے گا۔ (۵) اس میں کمال درجہ کا استغنا ہوگا کہ سونا اور مٹی اس کی نظر میں برابر ہوں گے۔ اگر وہ ان پانچ خصلتوں کا حامل نظر آئے' تو فقیر ہے۔ اسے قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے اور اس کا ادب ملحوظ رکھنا چاہیے۔ کیونکہ وہ معاشرے کی قوت کا راز ہے۔ جس معاشرے میں ان خصوصیات کا حامل کوئی آدمی نہیں رہتا وہاں ویرانی گھر بنالیتی ہے اور معاشرے کی جمعیت ریزہ ریزہ ہوکر رہ جاتی ہے۔

فقیر کامل لوگوں کے درمیان رہ کر بھی توحید میں مستغرق رہتا ہے۔ وہ شریعت کا عالم اور طریقت کا شہسوار ہوتا ہے۔ اس کے دل پر ہر آن تجلیات نازل ہوتی ہیں۔ لیکن وہ ہر ایک کے سامنے اپنی زبان نہیں کھولتا۔ فقیر عارف کا دل قدرت الٰہی کا خزانہ ہے۔ اللہ کی رحمت اس کے دل پر یوں چمکتی ہے' جیسے آفتاب کی دھوپ پہاڑ پر اللہ کی نظر ہمیشہ انسان کامل کے دل پر رہتی ہے۔ جس سے اس کا وجود نور ہوجاتا ہے۔

فقیر بادشاہی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ کیونکہ اس کا مقام بادشاہ سے بلند ہے۔ وہ خاموش ہوتا ہے تو روحانی عوالم سے افکار و اسرار اس کے قلب پر نازل ہورہے

www.yabahu.com

ہوتے ہیں۔ وہ بات کرتا ہے تو اس کی زبان پر کلامِ الٰہی جاری ہوجاتا ہے۔ اس کے وجود میں جذبات کی امواج طوفان نوح کی طرح ہیں کہ ان سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ اس کا لطف رحمت خدا اور اس کا عذاب قہر خدا ہوتا ہے۔ اس کی نگاہ اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ وہ ایک نگاہ کرم ہی سے طالب کو اپنے مقام تک لے آتا ہے۔ کامل فقر کی نظر تمام عمر کی عبادت سے بہتر ہے۔ "اس کی ایک نظر سے خاک سونا چاندی ہو جاتی ہے۔ فقیر بمنزلۂ سمندر اور اس کی نظر بمنزلہ موتی ہے۔ اگر وہ دلوں پر ایک نظر ڈالے تو تمام کے دل زندہ ہوجائیں۔ مرشد کامل کی ایک نظر بھی ہزار سال کے سجدوں سے زیادہ فضیلت اور علم رسمی سے زیادہ اثر رکھتی ہے۔"

فقیر کامل اللہ کے فیض و فضل کا خزانچی ہے۔ اس کی توجہ بھی کامل ہوتی ہے۔ جب کسی پر توجہ کرتا ہے تو ایک لحظہ میں اس کے سارے مطالب حل ہو جاتے ہیں۔ اس کی توجہ "کل الکلید" ہوتی ہے حتیٰ کہ اس کی تصنیف کے مطالعہ سے پڑھنے والا روشن ضمیر ہو جاتا ہے۔ فقیر علم و عمل کے فیض کو کسی ایک جگہ کے لئے مخصوص نہیں کرتا۔ بلکہ سیر و سفر میں رہتا ہے اور ہر طالب کا نصیبہ اسے پہنچانے میں مصروف نظر آتا ہے۔

"فقراء کو ابتداء سے ہی دو باتیں حاصل ہوجاتی ہیں۔ ایک تو دنیا کی طرف سے ان کا دل سرد ہوجاتا ہے۔ دوم باطنی جمعیت انھیں پوری طرح حاصل ہوجاتی ہے۔" یہ لوگ طمع نہیں کرتے "کوئی کچھ پیش کرے تو اسے رد بھی نہیں کرتے اور جو کچھ پاتے ہیں، اسے جمع نہیں کرتے۔" "فقیر کیا ہے؟ یوں سمجھو کہ چھنی ہوئی خاک پر پانی چھڑکا ہوا ہے، جس سے پاؤں پر گرد نہ پڑے۔"

فقیر صبر و تحمل کے معاملے میں دریا نوش ہوتا ہے۔ دوسروں کی ہمدردی میں اس کا دل گداز رہتا ہے۔ اس کا دل مکھن کی طرح نرم ہوتا ہے کہ تھوڑی سی آنچ سے گرم ہو جاتا ہے۔ "اسی طرح درویشوں، فقیروں اور مومنوں کے دل دوسرے کی گرمی سے جنبش میں آتے ہیں یا کسی مومن بھائی کی تکلیف کو دیکھ کر ان کے نرم دل کو

ٹھیس لگتی ہے۔" فقیر کے ساتھ دو لشکر ہمیشہ رہتے ہیں۔ خلق اور علم ——— ان کے ذریعہ وہ لوگوں کے دل و دماغ کو مسخر کرتا ہے۔

"فقیر کی زبان اللہ تعالیٰ کی ننگی تلوار ہے۔" جب فقیر آزردہ ہوتا ہے، تو "ماہ سے ماہی تک عرش اکبر ہل جاتا ہے۔" اس وقت اس کے منہ سے جو کچھ نکلتا ہے، وہ ہو کر رہتا ہے۔ "اس کی ہر بات گویا اللہ تعالیٰ کے امر اور قدرت کی آواز ہوتی ہے۔"

فقیر کے پاس بیٹھنا اور اس کی بات سننا باعث سعادت ہے۔ "جس نے فقیر کی طرف نظر کی اور اس کا کلام سنا، اس کا حشر انبیاء و مرسلین کے ساتھ ہوگا"۔ حتیٰ کہ "فقیر کا چہرہ دیکھنا بہت بڑی کرامت ہے۔"

فقیر کامل تخلیق کے راز سے واقف ہوتا ہے اور تقدیر اس کے فکر و عمل کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ اس کی توجہ اللہ کے حکم سے قم باذن اللہ ہے۔" اور وہ "احکم الحاکمین کے حکم سے صاحب حکم ہوتا ہے"۔ ۵۔

فقیر سر الٰہی ہے اور توحید میں ایسا غرق ہوتا ہے کہ اسے احتیاج خدا بھی نہیں رہتی۔ "کیونکہ احتیاج خدا اسے ہوتی ہے، جو خدا تعالیٰ سے جدا ہو۔"

فرد است یارو میل دِلش ہست سوئے فرد
خوش آنکہ خاطر از ہمہ اغیار فرد کرد

(جامی رحمتہ اللہ علیہ)

حوالہ و حواشی

۱۔ جذبات حق میں سے ایک جذبہ دونوں جہان کے عمل کے برابر ہوتا ہے۔

۲۔ تاریخ مشائخ چشت از خلیق نظامی صہ ۲۷۴

۳۔ مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ نے اس مضمون کو کس خوبی سے بیان کیا ہے۔ ع

www.yabahu.com

"کارِ مَرداں روشنی و گرمی است"

۴۔ مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی مثنوی میں اس حدیث شریف کو یوں منظوم کیا ہے ۔

گُفت پیغمبر باآوازِ بلند
بَرتوکّل زانوئے اشتر بہ بند

۵۔ عبدالکریم الجیلی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں :

"..... اور انسان کامل کو قدرت ہے کہ ادنیٰ و اعلیٰ خواطر کو اپنے دل سے ہٹا کر رکھے۔ پھر اشیاء میں اس کا تصرف نہ کسی چیز کے ساتھ موصوف ہونے کی وجہ سے ہے' نہ کسی آلہ سے' نہ اسم سے اور نہ رسم سے بلکہ وہ ایسا تصرف ہوتا ہے جیسے کوئی ہم میں سے اپنے کلام اور خوردنوش میں تصرف کرتا ہے ..... (وہ) تمام پوشیدہ چیزوں کو جان لیتا ہے اور غیبی چیزوں میں سے جس پر چاہتا ہے: اطلاع پاتا ہے۔" (انسان کامل۔ باب ۶۰ عبدالکریم الجیلی رحمتہ اللہ علیہ)

☆☆☆☆☆

www.yabahu.com

باب: ۵

طَریقِ فقر

حضرت سُلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ طریقہ قادریہ سے منسلک تھے۔ شاید ہی ان کی کوئی چھوٹی یا بڑی تصنیف ہو' جس میں انھوں نے اپنے قادری ہونے نیز شیخ الطریقہ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ اور طریقہ قادریہ کی فضیلت کا ذکر نہ کیا ہو۔ اگرچہ انھوں نے ظاہر میں باقاعدہ بالترتیب کسی شجرہ کو کہیں نہیں دہرایا' لیکن حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے فیض روحانی کا ذکر انھوں نے بار بار کیا ہے۔ رسالۂ "روحی" میں باطنی فیض اور مقام سلطان الفقرا کے اوصاف و مراتب کے بیان میں انھوں نے صرف چار بزرگ ہستیوں کا ذکر کیا ہے۔ حضرت فاطمتہ الزہراء رضی اللہ عنہا' حضرت حَسَن بصری رضی اللہ عنہ' حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ' شیخ عبدالرّزاق جیلانی رحمتہ اللہ علیہ ۔ اس سلسلہ میں پانچویں وہ خود ہیں۔ اس مرتبہ کے دو مزید افراد قیامت سے پہلے دنیا میں ظاہر ہوں گے۔ "تا آنکہ آں دو روح از آشیانۂ وَحدت بَر مظاہرِ کثرت نَخواہند پَرید' قیامِ قیامت نَخواہد شُد" (جب تک وہ دو روحیں آشیانۂ وحدت سے نکل کر مظاہرِ کثرت کی جانب پرواز نہ کریں گی۔ قیامت قائم نہ ہوگی)۔ درحقیقت حضرت سُلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کا سلسلۂ طریقت یہی ہے۔ فقیر نُور محمّد کلاچوی کی "مخزن الاسرار" کا بڑا حصّہ تذکرہ کے رنگ میں انہی بزرگوں کے حالات پر مشتمل ہے۔

یوں تو ہر طالب روحانیت کے نزدیک اس کا طریقہ اعلیٰ و اولیٰ ہوتا ہے۔ لیکن طریقۂ قادریہ کے منسلکین نے ہمیشہ قادری طریق کی برتری کا دعویٰ زیادہ شدّومدّ سے

کیا ہے۔ اس کی حقیقت کچھ بھی ہو۔ لیکن دو باتوں سے انکار ممکن نہیں۔ اوّل یہ کہ ہندوستان میں جن چار طریقوں یعنی قادریہ ' چشتیہ' سہروردیہ' نقشبندیہ کو قبولیتِ عامہ نصیب ہوئی ان میں طریقہ قادریہ کو زمانی لحاظ سے اوّلیت حاصل ہے' دوم اس میں بھی شک نہیں کہ جن بزرگوں سے یہ طریقے منسوب ہیں' وہ سب کسی نہ کسی طرح حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی روحانیت سے مستفیض ہوئے۔ خواجہ بزرگ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ اور شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ تو حضرت شیخ کے حینِ حیات ان کی خدمت میں بغداد حاضر ہوئے تھے۔ خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمتہ اللہ علیہ کو ایسا موقعہ نہیں ملا کیونکہ وہ حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ کی وفات کے تقریباً" سوا دو سو سال بعد دنیا میں تشریف لائے۔ حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ کی شان میں ان کی یہ رباعی بہت مشہور ہے۔ شیخ کی ذات گرامی سے اس عقیدت میں دراصل شکر گذاری کے جذبات کا اظہار معلوم ہوتا ہے۔

بادشاہِ ہر دو عالم' شاہ عبدالقادر است
سَرورِ اولادِ آدم' شاہ عبدالقادر است
بَرزمین و آسمان' جن و بَشَر ہم قُدسیاں
ساختہ وِردِ زباں ہم' شاہ عبدالقادر است

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ ۴۷۱ ہجری میں فارس کے ایک قصبہ جیلان یا گیلان کے ایک سادات خاندان میں پیدا ہوئے' جو وسعت علم اور اعمال صالح کے باعث مشہور تھا۔ آپ کے والد کا بچپن ہی میں انتقال ہوگیا۔ چنانچہ آپ کی والدہ نے آپ کی ابتدائی تعلیم کی نگرانی کی۔ اٹھارہ برس کی عمر میں آپ حصول علم کے لئے بغداد وارد ہوئے۔ یہاں جلیل القدر اساتذہ کے درسوں میں حاضر ہو کر مبتدا اول علوم میں کمال حاصل کیا۔ تحصیل علم کے بعد آپ نے سلوک کی منازل طے کیں اور ۲۵ سال کی سخت ریاضتوں اور مجاہدوں سے گذر کر وہ مقام حاصل کیا' جس کا اظہار آپ نے ایک شعر میں یوں کیا ہے۔

اَنَا الْبَازِیُّ اَشْھَبُ کُلِّ ضَیْغَمٍ
وَ مَنْ ذَا فِی الرِّجَالِ اَعْطٰی مِثْلِیْ

(میں باز اشہب کی طرح تمام مشائخ پر غالب ہوں۔ بتاؤ مردان خدا میں سے کون ہے' جسے میرے جیسا مرتبہ عطا کیا گیا ہو۔)

اس کے بعد آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کے مواعظ حسنہ کی اس قدر شہرت ہوئی کہ اطراف و کناف سے لوگ آپ کا وعظ سننے کے لئے کھنچے چلے آتے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ازدہام کی وجہ سے بغداد کے باہر عیدگاہ میں آپ وعظ کہنے لگے۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ حاضر ہوتے تھے اور یہ آپ کی کرامت تھی کہ آپ کی آواز دور دور تک سنائی دیتی تھی۔ وقت کے بڑے بڑے علماء و صوفیا ان مجالس میں حاضر ہوتے تھے اور شیخ رحمتہ اللہ علیہ کی علمی و روحانی فضیلت کا اقرار و اعلان برملا کیا کرتے تھے۔

آپ فقہ' تفسیر اور حدیث کے درس دیتے اور حنبلی و شافعی مذاہب کے مطابق فتویٰ دیتے۔ ایک بزرگ ۵۶۱ ہجری میں بغداد پہنچے۔ ان کا بیان ہے کہ اس زمانے میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے علم و فضل اور درس و افتاء میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا۔ آپ نے کتابیں بھی لکھیں' جن میں سے تین زیادہ مشہور ہیں۔ غُنیۃ الطالبین' فتوح الغیب اور الفتح الربانی۔ اوّل الذکر کے بارے میں بعض اہل نظر کا خیال ہے کہ اس میں بعض مقامات پر ترمیم و تحریف کا اشتباہ ہوتا ہے۔ فتوح الغیب تصوّف و معرفت کے بیان میں ہے۔ فتح ربانی ان کے مواعظ و خطبات کا مجموعہ ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی روحانی فضیلت میں بھی کسی کو شبہ نہیں آپ کی جلالت شان کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے ایک بار وعظ کے دوران جب اپنے اس مرتبہ کا اعلان کیا کہ قَدَمِیْ ھٰذِہٖ عَلٰی رَقَبَۃِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰہِ (میرا یہ قدم تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہے) تو جہاں کسی نے یہ آواز سنی' اس کی تعمیل میں اپنی گردن جھکا دی۔ ولایت مکاشافات و اسرار میں آپ کو یہ کمال حاصل تھا

www.yabahu.com

کہ تواتر کے ساتھ آپ سے خوارق ظہور پذیر ہوتے تھے۔ لوگ جب چاہتے' ان کی مجلس میں پہنچ کر کسی مطالبے یا استفسار کے بغیر کرامات کا مشاہدہ کرتے۔ آپ کے احوال و مناقب کے بیان میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ لیکن نُور الدّین ابوالحسن کی کتاب "بجتہ الاسرار" روایات کی ثقاہت کے اعتبار سے زیادہ قابل اعتماد ہے۔ شیخ عبدالحقّ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ جیسے عالم اور بزرگ صوفی نے اس کی تلخیص لکھی ہے۔

حضرت غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ کا فیضِ رُوحانی لامحدود ہے۔ اس کے بارے میں آپ نے خود فرمایا ہے۔

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَ شَمْسُنَا
اَبَدًا عَلٰی فَلَکِ الْعُلٰی لَاتَغْرُبُ

(پہلوں کے آفتاب ڈوب گئے۔ لیکن ہمارا آفتاب بلندیوں کے آسمان پر کبھی غروب نہ ہوگا)

بعد میں آنے والوں نے آپ کے اس دعویٰ کی تصدیق کی ہے اور وفات کے بعد بھی آپ کی روحانی قوت کے تصرف اور اثر کا اقرار کیا ہے۔ یہاں ہم صرف دو حوالوں پر اکتفا کرتے ہیں جو شہرۂ آفاق محدّث و مفکر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتب سے لئے گئے ہیں: شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے "ہمعات" میں جو ایک لحاظ سے تصوّف کی تاریخ ہے' یوں بیان فرمایا ہے:

"حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد اولیاء کرام اور اصحابِ طرق کا سلسلہ چلتا ہے۔ ان میں سے سب سے زیادہ قوی الاثر بزرگ جنھوں نے راہِ جذب کو باحسن وجوہ طے کرکے نسبت اویسی کی اصل کی طرف رجوع کیا اور اس میں نہایت کامیابی سے قدم رکھا' وہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی ذات گرامی ہے۔ اسی بناء پر آپ کے متعلق کہا گیا ہے کہ موصوف اپنی قبر میں زندوں کی طرح تصرّف کرتے ہیں۔" (ص ۱۲۷)

اسی طرح "تفہیمات" میں حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں اپنا کشف اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

اِنَّ الشَّیْخَ عَبْدَالْقَادِرِ لَہٗ شُعْبَۃٌ مِنْ سَرَیَانٍ فِی الْعَالَمِ وَ ذَالِکَ اِنَّہٗ لَمَّا مَاتَ صَارَ کَھَیْئَۃِ الْمَلَاِ الْاَعْلٰی وَ انْطَبَعَ فِیْہِ الْوُجُوْدُ السَّارِیْ فِی الْعَالَمِ کُلِّہٖ۔

(حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے سپرد جہان کو فیض پہنچانے کا شعبہ ہے۔ اسی لئے جب ان کا انتقال ہوا' تو ان کی رُوح مَلاءِ الاعلیٰ کی صورت اختیار کر گئی اور ان کا وجود تمام جہاں کے لئے فیض رسان بن گیا)

حضرت سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کُتب میں جابجا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی بے حد تعریف کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت شیخ کے مراتب گہرے دریا کی طرح ہیں جس کو اس دریا میں سے ایک قطرہ بھی نصیب ہوجاتا ہے وہ سیراب ہوجاتا ہے۔ آپ کو یہ مرتبہ اس طرح حاصل ہوا کہ آپ ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کی بندگی و اطاعت سے ایک لحظہ بھی فارغ نہ تھے اور شریعت پر قدم بہ قدم چل کر آپ نے یہ مرتبہ پایا۔ حضرت شیخ عبدالقادر رحمتہ اللہ علیہ "شاہسوار معرفت" اور روشن ضمیر ہیں۔ وہ صاحب فیض روحانی ہیں۔ دونوں جہانوں کی کنجی ان کے پاس ہے۔ جو شخص ان کے مراتب کا انکار کرتا ہے' وہ دونوں جہانوں میں پریشان' بے بہرہ' بے نصیب اور معرفت الٰہی سے محروم رہے گا۔ آپ دنیا کے تمام اولیاء اور مشائخ میں سب سے افضل' اعلیٰ' اولیٰ' اور بے مثل فرد فرید ہیں۔ ان کا طریقہ تیغ برہنہ اور ذوالفقار کی طرح ہے۔ جو شخص ان سے دشمنی کرتا ہے' وہ اس کا سر تن سے جدا کر دیتی ہے۔ وہ امر خدا ہیں۔ اس لئے ہر امر پر غالب ہیں۔ جو شخص ان کے کسی مرید کو مغلوب کرنا چاہتا ہے' اس کی ساری نسبتیں سلب ہوجاتی ہیں۔ آپ کی کنجی کبھی گم نہ ہوگی۔

www.yabahu.com

آپ کے مُرید عارف باللہ اور صاحبِ کلید ہیں۔ جس کسی نے غوثیت و قطبیت کے مراتب حاصل کئے اور سعادت و نعمت و ولایت پائی' یہیں سے پائی۔" جو ان سے منکر ہے۔ وہ مردود ہے اور ابلیس ہے۔ ان کا خطاب غوث الثقلین اور غوث الجن والانس والملائکہ ہے۔" ان کی زندگی میں پندرہ ہزار طالب و مرید ان کے حلقۂ ارادت میں آئے۔ جن میں پانچ ہزار کو نظر سے انھوں نے وحدانیت میں مستغرق کیا۔

"نُورا لہُدیٰ" کا ایک اقتباس درج ذیل ہے۔ وہ اگرچہ طویل ہے' لیکن ضرورتاً" یہاں نقل کیا جاتا ہے :۔

"اے طالب غافل! اے عاقل! اے عامل! اور اے کامل! ہماری اس بات کو دل کے کانوں سے سن لے اور یقین کرلے۔ اس بیان اور حکایت کو یاد کرکے ہمیشہ سو دفعہ یا ہزار دفعہ پڑھا کر۔

واضح ہو' کہ طریقہ قادری حضرت شاہ محی الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجائے ریاضت' راز بخشنے والا اور بجائے رنج' گنج عطا کرنے والا ہے۔ طریقہ قادری جلالیت میں تیز کاٹنے والی تلوار کی طرح ہے۔ جو شخص حضرت پیر دستگیر رحمتہ اللہ علیہ کے طالب مرید سے دشمنی رکھتا ہے' اس کا سر جلالی تلوار سے کٹ جاتا ہے۔ اگر حضرت پیر دستگیر رحمتہ اللہ علیہ کا طالب مرید فرزند صالح ہے' تو حضرت پیر دستگیر رحمتہ اللہ علیہ کی آستین میں رہتا ہے اور اگر طالح ہے' تو حضرت پیر دستگیر رحمتہ اللہ علیہ جلالیت سے اپنی آستین جھاڑتے ہیں اور آزار پہنچانے والے کو ہفت پشت تک خراب اور ہلاک کر ڈالتے ہیں۔ یاد رہے کہ حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ معراج کی رات براق پر سوار ہو کر حضرت جبریل علیہ السلام کے ہمراہ حق تعالیٰ کی جانب روانہ ہوئے اور جس وقت سدرۃ المنتہیٰ سے آگے جبریل علیہ السلام اور براق ورفرف چلنے سے رک گئے اور آنحضرت ﷺ اکیلے رہ گئے' تو

حضرت پیر دستگیر کی رُوح مبارک نے طرفۃ العین میں حاضر ہو کر اپنی گردن حضرت نبی کریم ﷺ کے قدم مبارک کے نیچے رکھ دی اور آپ کو مکان اعلیٰ لامکان میں لے جاکر مقامِ خاص قُربِ قَاب قوسین تک پہنچا دیا۔ اس وقت حضرت پیر دستگیر (رحمتہ اللہ علیہ) کی رُوح مبارک سلطان الفقراء اور نُورا لہُدیٰ کی معشوقی صورت میں آنحضرت ﷺ کے سامنے نمودار ہوئی اور ادب و تعظیم سے دست بستہ کھڑے ہو کر سر جھکا دیا۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اس مقام نُورِ حضور میں جنابِ کبریا سے عرض کی کہ یہ نُورِ ہی' زیبا اور خوش نُما صُورت کس کی ہے' جس سے میری آنکھیں ٹھنڈی ہو رہی ہیں۔ حکم ہوا کہ اے حبیب! تجھے مبارک ہو۔ یہ صورت سُلطان الفقراء حضرت سیّد محیّ الدّین شیخ عبدالقادر کی ہے' جو آپ کی آل اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حسنی و حسینی اولاد میں سے ہے۔ وہ آپ کے حسَبی' نسَبی اور نُوری فرزند ہوں گے۔ آپ کی اُمّت میں سے آپ کے خاص فقر کے وارث اور آپ کے لئے باعثِ فخر ہوں گے .....

اس وقت حضرت محبوب کردگار احمد مختار ﷺ جوش مسرت و جذبۂ افتخار میں زبانِ حق ترجمان سے یُوں گوہر افشاں ہوئے کہ اے فرزند ارجمند محی الدّین! میرا قدم تیری گردن پر آگیا ہے اور تیرا قدم میری اُمّت کے تمام اولیاء کی گردن پر ہوگا اور وہ وقت آئے گا کہ تو اللہ تعالیٰ کے امر سے کہے گا: قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰهِ (ص ۱۷۹۔ ۱۸۲)

مذکورہ بالا روایت کی تشریح "فصُوص الحِکم" میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ کے ایک بیان کردہ نکتہ کی روشنی میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ "فص حِکمتِ نفثیہ" کے باب میں شیخ اکبر رحمتہ اللہ علیہ یوں رقم طراز ہیں :۔

"آدم علیہ السلام سے لے کر آخری نبی ﷺ تک جملہ انبیاء نے فیضان نبوت' خاتم الانبیاء کی مشکوٰۃ سے اخذ کیا ہے۔ اگرچہ آپ کے وجود

www.yabahu.com

عنصری کا ظہور بعد میں ہوا' لیکن آپ اپنی روحانیت کے ساتھ موجود تھے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا: "کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ۔ (مَیں اُس وقت نبی تھا' جب حضرت آدم مٹی اور پانی کے درمیان تھے) اور آپ کے سوا انبیاء میں سے کوئی نبی نہ ہوتا تھا' جب تک کہ مبعوث نہ ہوتا تھا۔ اس طرح خاتم الاولیاء اس وقت ولی تھے' جب آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے اور آپ کے سوا اولیاء میں سے کوئی ولی نہیں ہوتا' جب تک کہ ولایت کی شرائط نہ حاصل کرے۔ ولایت کی شرائط سے مراد صفات کاملہ الٰہیہ سے متصف ہونا ہے جیسا کہ اللہ کا اسم "وَلِیٌّ حَمِیْدٌ" ہے۔ خاتم الرسل باعتبار اپنی ولایت کے خاتم الاولیاء کے ساتھ وہی نسبت رکھتے ہیں' جو انبیاء و رسل کو خاتم الرسل کے ساتھ ہے۔ خاتم الرسل ولی ہے' رسول ہے اور نبی ہے۔ خاتم الاولیاء ولی اور وارث ہے وہ فیوضات اصل معدن سے اخذ کرنے والا اور مراتب کا تقسیم کرنے والا ہے۔" اور اگلے جملہ میں جاکر بات واضح کردی کہ :۔

وَ هُوَ حَسَنَةٌ مِّنْ حَسَنَاتِ خَاتِمِ الرُّسُلِ (ﷺ) مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُقَدِّمِ الْجَمَاعَةِ (خاتم الاولیاء مقدّمِ جماعت' خاتم الرّسل کے حسنات میں سے ایک حسنہ ہے)۔

اس تشریح کی روشنی میں سطحی نظر سے دیکھنے والے قاری کا یہ اشکال بھی رفع ہو جاتا ہے کہ مروی حکایت کی رو سے نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں فرق آتا ہے۔ یعنی اگر خارج سے یہ مدد آپ کو پہنچی' تو اس طرح آپ کی فضیلت معراج میں کوئی دوسرا شریک تھا۔ اصل میں بات یہ ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ بعض کلمات الٰہی اور فیوض رسالت کے مظاہر میں سے ایک مظہر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہنشاہ تھے اور آپ (رحمتہ اللہ علیہ) کی حیثیت وزیر کی تھی۔ وزیر بادشاہ کی جب اور جہاں مدد کرے' تو وہ وزیر ہی رہتا' ہے بادشاہ نہیں بن جاتا۔ شیخ

عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ سید الاولیاء تھے اور اگر ان کی روحانیت رسول اللہ ﷺ کے معراج میں معاون ہوئی' تو یہ درحقیقت رسول اللہ ﷺ کی اپنی ہی روحانیت و معرفت تھی۔ وَهُوَ حَسَنَةٌ مِّنْ حَسَنَاتِ خَاتِمِ الرُّسُلِ سے یہی مراد ہے۔

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے طریقہ کے بارے میں یقین کامل رکھتے ہیں کہ یہ طریقہ ہر طریقہ سے افضل ہے کیونکہ ان کے نزدیک "طریق قادری میں وہ برکت ہے کہ جو شخص ایک بار یقین خاص اور صدق دل و اخلاص سے بزبان پاک کہہ دے یَا شَیْخُ سَیِّدْ عَبْدَالْقَادِرِ جِیْلَانِیْ شَیْئًا لِلّٰهِ اس پر ابتداء سے انتہاء تک معرفت" نقش اور ولایت کے تمام مقامات واضح اور روشن ہوجاتے ہیں۔ حضرت شاہ محی الدین کے اسم مکرم و معظم میں تاثیر مشاہدہ و معراج ہے۔"..... (نُور الہُدیٰ کلاں ص ۱۸۴۔)

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ طریقہ قادری کی دو قسمیں بیان کرتے ہیں۔ ایک سروری قادری اور دوسرا زاہدی قادری۔ انھوں نے اپنی نسبت اول الذکر سے ظاہر کی ہے۔ قادری زاہدی طریقے میں' ان کے خیال کے مطابق ریاضت اور مجاہدے کے بعد فیض پہنچتا ہے۔ لیکن سروری قادری طریقہ براہ راست طالب کو روحانیت سے سرفراز کرتا ہے۔ چنانچہ جہاں بھی انھوں نے قادری طریق کی تعریف کی ہے' اس سے مراد طریقہ سروریہ قادریہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ زاہدی قادری طریقہ ظاہری تعلیم اور ذکر و شغل کے ذریعہ طالب کو آہستہ آہستہ روحانیت میں لانے سے عبارت ہے جیسا کہ عام طور پر مروج ہے' مگر سروری قادری طریق میں سالک کا جذبہ اور جوش اسے براہ راست اہل روحانیت کی مجلس میں لے جاتا ہے اور وہ اپنی صلاحیت کے مطابق کسب فیض کرتا ہے۔

عام طور پر اسے طریقہ اُویسیہ کہا جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی تفصیل یوں بیان کی ہے کہ جب کوئی شخص اپنے احوال درست کرلیتا ہے۔ تو اپنی ذاتی استعداد کی بناء پر مختلف کیفیات سے بہرہ مند ہوتا ہے جو دراصل انبیاء و

www.yabahu.com

اولیاء یا ملائک کے رُوحانی فیضان کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ انھوں نے اس سلسلے میں جو ذاتی کشف بیان کیا ہے' اس سے یہ بات مزید واضح ہوجاتی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"یہ فقیر جب مشائخ صوفیاء کی ارواح کی طرف متوجہ ہوا' تو اس نے ان کی توجہ اور اس کے اثرات کو مختلف صورتوں میں اپنے اندر منعکس پایا اس توجہ کے اثرات میں سے ایک اثر یہ تھا کہ اس سے طبیعت کی بھی قوتیں یکسر ملکی رنگ میں اس طرح رنگی گئیں گویا کہ بہیمیت ملکیت میں بالکل فنا ہوگئی۔" (صفات ص ۱۲۸)

شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ "حضرت غوث الاعظم نسبت اویسی رکھتے ہیں اور ان کی نسبت کے ساتھ سکینہ کی برکات بھی ملی ہوئی ہیں" طریقہ قادریہ کو ایک ندی سے تشبیہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں "اس فقیر کو بتایا گیا ہے کہ حضرت غوث الاعظم کے طریقے کی مثال ایک ایسے ندی کی ہے کہ کچھ دور تک تو وہ زمین کی سطح کے اوپر اوپر بہتی رہی۔ پھر وہ زمین کے اندر غائب ہوگئی اور اندر ہی اندر دور تک بہا کی اور اس نے زمین کے اندرونی مسامات کو نمناک کر دیا۔ اس کے بعد وہ دوبارہ چشمہ کی شکل میں پھوٹ نکلی اور پھر دور تک زمین کی سطح کے اوپر اوپر بہتی چلی گئی۔ الغرض اس کا زمین کی سطح پر ظاہر ہونے اور پھر زیر سطح غائب ہونے کا سلسلہ اسی طرح برابر جاری رہا۔ بعینہ یہی حال طریقہ جیلانیہ کا ہے۔ گو اس طریقہ کا سلسلہ خرقہ تو مسلسل چلا آرہا ہے' لیکن اخذ نسبت کا سلسلہ اس طریقے میں متصل نہیں رہا۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوا کہ ایک بار یہ طریقہ رونما ہوا اور اس کے بعد مفقود ہوگیا اور پھر دوبارہ بہ طریق اویسی بغیر کسی مرشد کے توسط سے اس طریق کا کسی بزرگ کے باطن سے ظہور ہوا اور سچ پوچھئے تو یہ طریقہ جیلانیہ تمامتر اُویسیہ ہی ہے اور اس طریقے سے انتساب رکھنے والے بزرگ بڑی رفعت اور سطوت کے مالک ہوتے ہیں۔" (صفات ص ۱۷۸)

اس مثال کی روشنی میں حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کی طریقہ قادریہ کی دو

قسموں کی تفصیل واضح ہوجاتی ہے۔ وہ جو شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ "اس طریقہ کا سلسلہ خرقہ تو مسلسل چلا آرہا ہے۔" اس سے مراد زاہدی قادری ہے اور وہ جو "بطریق اویسی بغیر کسی مرشد کے توسط سے اس طریق کا کسی بزرگ کے باطن سے ظہور" ہوتا ہے' اسے سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ سروری قادری کہتے ہیں۔ بلاشبہ سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ اپنے دور میں وہ بزرگ ہستی تھے کہ جن کا باطن قادری طریق کے فیوض و برکات کا معدن و مخزن تھا اور وہ واقعی ایسی ہی "رفعت و سطوت" کے مالک تھے' جن کا شاہ صاحب نے ذکر کیا ہے۔ سلطان باھو خود فرماتے ہیں:۔

جائیکہ مَنْ رَسیدَم اِمکان نہ ہیچ کَس را
شہبازِ لَا مَکانم' آنْ جا کُجا مگَس را

اس تفصیل کے بعد اب کسی حیرت یا اشتباہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی' جس سے ایک عام قاری سلسلۂ قادریہ اور اس کے منسلکین کے بارے میں حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کی مدح و ستائش پڑھتے ہوئے دوچار ہوتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی کتاب کا مذکورہ بالا حوالہ حضرت سلطان العارفین رحمتہ اللہ علیہ کے مشائخ سلسلہ عالیہ قادریہ سروریہ کے بارے میں ان کے نظریات کا موید ہے۔

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک طریقہ قادری تمام طریقوں پر قادر اور غالب ہے ان کے نزدیک کسی طریقہ کی انتہا قادری طریقہ کی ابتدا کا بھی مقابلہ نہیں کرسکتی۔ قادری طریق میں معرفت الٰہی کے خزانے ہیں اور اس کا سالک ریاضت و مشقت سے کبھی کبیدہ خاطر نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر حال میں خوش رہتا ہے۔ (اسی کو شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے "سکینہ کی برکات" کہا ہے)۔ سروری قادری طریق پر چلنے والا طالب لاحتاج اور بے نیاز ہو کر حق پر نظر رکھتا ہے۔ اس کی نگاہ میں سونا اور خاک برابر ہوتے ہیں۔ کم تر استعداد و صلاحیت رکھنے والے بھی اس طریق میں آکر زیادہ فائدہ حاصل کرلیتے ہیں کیونکہ قادری طریقہ معرفت کا بحرِ بیکراں ہے۔ جو شخص اس طریقہ میں داخل ہوتا ہے اور اس کے دریائے معرفت میں غوطہ زن ہوتا ہے' وہ

www.yabahu.com

عارف باللہ ہوجاتا ہے۔

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ بار بار فرماتے ہیں کہ قادری طریقہ آفتاب کی طرح ہے اور دوسرے طریقے چراغ کی مانند۔ پس "چراغ کی کیا مجال کہ آفتاب کے سامنے روشن ہو۔"

اسی طرح انھوں نے قادری مرید اور قادری مرشد کی مدح میں بہت کچھ لکھا ہے۔ ان کے نزدیک قادری طالب و مرید رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا اور سلطان بایزید رحمتہ اللہ علیہ سے بہتر ہے۔ "کہ بغیر ریاضت' دائمی نماز میں غرق رہتا ہے۔"

قَادری را قُربِ حقّ باشد عطا
شُد مُشرّف رُوح بَاشرفِ لِقا'

قادری مرشد اور قادری فقیر ان کی نظر میں وہ فقیر کامل ہے' جس کے نزدیک حیات و ممات یکساں ہے' جو ہمیشہ مقام لاہوت کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ وہ انوارِ الٰہیہ میں سے ایک خاص الخاص نور ہے۔

تارِک و فارغ ز دُنیا قادری
ہَمدم و ہم نفس صُحبت با نبی
ہرکرا باور نَباشد رُو سِیاہ
قادری را قُرب دائم با اِلٰہ

قادری مرشد کی قوت تغیر و تصرف کے بارے میں وہ کہتے ہیں۔

"قادری مرشد کے ہردو جہاں جِن و اِنس تابع و غلام ہیں۔"

(نُورا لہُدیٰ ۱۷۸)

قادری مرشد کے جس قدر اوصاف حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے بیان کئے ہیں' وہ خود ان سب سے متصف تھے اور جس قدر "رفعت و سطوت" انھوں نے قادری فقراء کی بیان کی ہے' وہ خود ان کی ذات میں پائی جاتی تھی۔ وہ قادری طریقے کے لامحدود فیض کا بار بار ذکر کرتے ہیں۔ یہ وہ فیض ہے جو خود ان کی ذات سے امت

مسلمہ کو پہنچا اور اس کا ظاہری و باطنی سلسلہ آج تک جاری ہے۔

00000

www.yabahu.com

باب: ٦

سلوک

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ عارف ذات اور مرشد کامل تھے۔ انھوں نے تصوف پر جو کتب لکھیں ان میں وہ ایک عام مبصر یا محقق کا پیرایہ اظہار اختیار نہیں کرتے بلکہ یہ کتابیں آپ نے ایک باعمل مبلغ یا مرشد کی حیثیت سے ان لوگوں کے لئے تحریر کیں، جو تصوف کو محض علمی سطح پر سمجھنے سے زیادہ عملی سطح پر اپنانا چاہتے تھے۔ یہ کتب ان لوگوں کے لئے منبع ہدایت ہیں، جو فقر کے جذبہ سے سرشار ہو کر روحانیت اور معرفت میں ترقی کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے عملی سلوک میں کوئی مشکل راہ اختیار نہیں کی اور وہ قادری طریق، جس کا ان کے باطن سے ظہور ہوا، مرد راہ کے لئے سادہ اور آسان ہے۔ لیکن یہ صرف اس صورت میں ہی سادہ و آسان ہے کہ ذوق و شوق نے طبیعت کو راہ عشق پر گامزن ہونے کے لئے بے قرار کر رکھا ہو۔

سلوک کی ابتداء کے بارے میں لکھتے ہیں: "ابتدائی طریقہ قادری کو پانچ علم نصیب ہوئے ہیں۔ وہ گویا پانچ خزانے ہیں۔ اول ان میں قرآن و تفسیر و احادیث۔ دوم علم دعوت، کہ ہر دم اس کے دم سے تکبیر نکلتی ہے۔ سوم نظر کیمیا، کہ مردہ دل کو ایک نظر میں زندہ کرتا ہے اور عارف باللہ بناتا ہے اور اس کا وجود اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ چہارم علم تاثیرات تصور۔ تصور برزخ سے اسے روشن ضمیری حاصل ہوتی ہے۔ پنجم علم فنافی اللہ سے وہ اپنے نفس پر حاکم ہو کر اسے شریعت کا تابعدار بناتا ہے"

(گنج الاسرار ص ۱۱)۔

گویا اول علم دین، دوم علم دعوت، سوم جذب یا توجہ، چہارم تصور اسم ذات اور پنجم ضبط نفس اور شریعت کی پاسداری۔ یوں سلوک کی ابتدا ہوتی ہے۔ ان میں علم دین کی تحصیل، ضبط نفس اور شریعت کی پاسداری کی خصوصیات تو فقیر اور ایک عام مسلمان میں بھی مشترک ملیں گی۔ جذب یا توجہ مرشد کی محبت اور سلوک میں انہماک کے ثمرہ کے طور پر فقیر کو حاصل ہوتی ہے، جس سے اس کے ذوق و شوق میں اضافہ ہوجاتا ہے اور دوسرے لوگ بھی اس کی گرم جوشی سے متاثر ہونے لگتے ہیں۔ اب صرف دو علم باقی رہ جاتے ہیں، جن سے حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے عملی سلوک کی ابتدا کی ہے اور انتہا تک ان پر عمل پیرا ہونا لازمی ہے۔ وہ یہ ہیں:۔

۱۔ تصوّر اسم ذات جسے وہ علم اکسیر بھی کہتے ہیں۔

۲۔ علمِ دعوت القبور جسے وہ علم تکسیر کا نام دیتے ہیں۔

تصوّرِ اسمِ ذات: سب سے پہلے تصور اسم ذات کو لیجئے۔ اس کی بنیاد ذکر ہے، جسے تمام صوفیاء نے فرض دائمی قرار دیا ہے۔ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ اپنا کشف بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:۔

"طریقہ قادری دو طرح ہے۔ ایک قادری زاہدی، دوم قادری سروری۔ قادری سروری یہ ہے جو اس فقیر کو حاصل ہے کہ یہ فقیر مجلس محمدی سے مشرف ہوا اور جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی۔ آپ نے بیعت لی اور خندہ رو ہو کر فرمایا:۔ جو کچھ ہے، وہ ذکر اللہ ہے اور اسی سے سب کچھ حاصل ہوتا ہے"۔

(عین الفقر، ص ۱۲۰)

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ ذکرالٰہی کے مختلف مروجہ طریقوں کو بیان ضرور کرتے ہیں مثلاً" ذکر جہر، ذکر خفی وغیرہ۔ لیکن ان تمام اقسام ذکر میں انھوں نے تصور اسم ذات کو زیادہ مؤثر قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"ذکر کی چابی اسم اللہ ذات کا تصور ہے۔" (کلید جنت، ص ۱۴)

www.yabahu.com

اللہ تعالیٰ کی کوئی شکل مقرر نہیں کی جاسکتی کہ وہ ذات بے مثال' بے نظیر اور لامحدود ہے۔ بقول سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ' اللہ تعالیٰ کی کوئی صورت مقرر کرنا "کفر' شرک اور زندقہ" ہے۔ چنانچہ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کی تلقین یہی ہے کہ اس کے اسم کا تصور کیا جائے اور لکھے ہوئے حروف کی شکل میں اس کا تصور ہر وقت سامنے رہے۔ اس کی بدولت حجابات ہٹنے شروع ہوجاتے ہیں۔ اب اس صورت میں یہ کرنا چاہئے کہ اسم اللہ ذات خوب صورت انداز میں لکھ کر اس کا تصور حافظے میں محفوظ کرلیا جائے۔ پھر طالب جس حال میں بھی ہو' اسے خیال ہی خیال میں اپنے دل' پیشانی اور جسم کے تمام اعضاء پر لکھے اور اپنے جسم کو اس کی شعاعوں سے منور سمجھے۔ یہی نہیں بلکہ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتب میں اسماء و کلمات مثلاً" ھُو' مُحمّد' فقر' سُلطان الفقر وغیرہ کے کئی دائرے اور نقوش لکھے ہیں اور ان کے تصور کی مشق کرنے کی بھی ہدایت کی ہے۔ یہ سب مراتب ان کے نزدیک تصور ہی کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں۔

"تصوّر ہی توفیق ہے اور تصوّر ہی تحقیق ہے۔ صاحب تصوّر حق کا رفیق ہے اور تصوّر ہی قربُ الٰہی کا طریق ہے..... تصور دراصل مجاہدے کے بغیر مشاہدہ ہے۔" (قربُ دیدار' ص ۱۹)

"اول تصور اسم اللہ ذات سے طالب کے دل پر ہر قسم کی واردات غیبی اور فتوحات لاریبی دن رات نازل ہوتے ہیں۔ بعدہ اللہ تعالیٰ طالب کو اپنی قدرت سے جذب کرکے لاھوت لامکان میں ڈال دیتا ہے۔ اس وقت طالب اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ اور اس کے انوار میں غرق ہو کر اس سے یکتا ہوجاتا ہے۔" (نورالہدیٰ ص ۱۵۸) رویت الٰہی کا ذریعہ بھی یہی ہے:

"اسم اللہ ذات کے تصور والے کو خواب یا مراقبہ میں عین بعین دیدار ہوتا ہے اور اسے معرفت' قرب اور مشاہدۂ حضور الٰہی لازوال طور پر حاصل ہوجاتا ہے۔" (فضل اللقاء ص ۴۳)

اس مشق تصور کے پیچھے وہ روحانی شخصیت بہت مؤثر فریضہ سرانجام دیتی ہے' جسے مرشد کہتے ہیں۔ اہل عرفاں نے کسی ایسے آدمی کی تلاش اور اہمیت پر بار بار زور دیا ہے' جو طالب کو نہ صرف راستے پر ڈال دے۔ بلکہ قدم بہ قدم چل کر منزل تک رسائی کی ذمہ داری بھی قبول کرے۔ اس طرح طالب خطرات سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کی نظر میں بھی مرشد کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ لیکن ان کے نزدیک مادرزاد اولیاء اللہ کو مرشد کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح جو آدمی شوق کی آگ میں جل رہا ہے' وہ بھی اپنا راستہ خود بنالیتا ہے۔ بقول شخصے ع

سیلِ بے رَہبر بَدَریامی رَساند خویش را

اسی طرح اگر کسی کو مرشد کامل تلاش کے باوجود نہ مل سکے' تو ناقص مرشد کے سامنے سرتسلیم خم کرنے سے بہتر ہے کہ کسی کامل کی کتب کو اپنا رہبر بنالے اور اس کے مطابق عمل کرتا چلا جائے۔ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتب کے بارے میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ طالب کو ظاہری مرشد سے بے نیاز کرکے وسیلۂ ہدایت ثابت ہوں گی۔

عام اصول یہی ہے کہ افادے کو یقینی صورت میں تبدیل کرنے کے لئے تصور اور مرشد کی رہبری دونوں ضروری ہیں جیسا کہ سلطان صاحب نے خود لکھا ہے:۔

"ولایت دل میں داخل ہونے کی کونسی راہ ہے؟ اور اس کا رہنما کون ہے؟ سنو! اول اسم اللہ کا تصور' دوسرے عارف باللہ مرشد کی نظر۔"

(نورالہدیٰ خورد ص ۱۵)

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے طالب و مرشد سب کے لئے تصور اسم ذات کی ابتداء و انتہاء کے بارے میں بڑی واضح ہدایات رقم کی ہیں:۔

"مرشد کامل خوشخط اسم اللہ ذات لکھ کر طالب کے ہاتھ میں دے دیتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ اے طالب! اسم اللہ ذات دل پر لکھ اور اس کا نقش جما' جب طالب' اسم اللہ ذات دل پر تصور سے لکھ لیتا ہے اور اس کا نقش

www.yabahu.com

قائم ہوجاتا ہے' تو مرشد طالب کو توجہ دے کر کہتا ہے کہ اے طالب! اسم اللہ کو اب دیکھ۔ چنانچہ اسی وقت اسم اللہ ذات آفتاب کی طرح تجلیٔ انوار سے روشن اور تاباں ہوجاتا ہے۔" (نُورالہُدیٰ ص ۲۳)

"واضح رہے کہ جب دل جنبش میں آتا ہے اور اسے بغور دیکھتا ہے' تو اسم اللہ کے ہر حرف سے دل کے گرداگرد ایسا نور ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے آفتاب چمکتا ہے اور دل تمام کا تمام نور ذات کی تجلیات و فیض میں گھر جاتا ہے۔" (کلید التوحید کلاں' ص ۲۳۵)

تقریباً" اپنی تمام کتب میں اور خصوصاً" عقل بیدار میں انھوں نے ایسے کئی نقش نقل کئے ہیں' جو تصور کی مشق کے لئے مؤثر ہیں۔ ان کے تصور سے فقیر پر تصرف کی قوتوں اور صلاحیتوں کا راز منکشف ہوتا ہے اور "معرفت الٰہی کی بے حجاب روشنی" دل کو منور کر دیتی ہے۔ اس مقام پر غیب الغیب' عین العیان ہوجاتا ہے اور اس کے قلب پر تجلیات الٰہی نازل ہوتی ہیں' جس سے نور حق اس پر ظاہر ہوتا ہے اور اس کا سینہ فقیر کامل کے فیوض کا وارث بن جاتا ہے۔

یہ سب باتیں جدید دور کی تجربی نفسیات کے دائرے سے باہر ہیں ۳۔ بعض لوگوں نے یہ طریقہ بھی الہام و تفہیم کے لئے استعمال کیا ہے کہ اذکار کی مشقوں' ان کے طریقوں اور ان کے ثمرات کے جواز کے لئے جہاں کہیں تھیوسوفیکل یا نیم نفسیاتی اداروں کے تجربات میں کوئی اکا دکا مثال انھیں حسب دلخواہ نظر آتی ہے' اسے وہ اپنے مقصد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس طرح غیر متعلق شعبوں سے بظاہر چمکتے ہوئے ٹکڑے اور کرچیاں چن کر اگر کوئی آئینہ بنانے کی کوشش کرے' تو یہ اس کی سعی لا حاصل ہوگی۔ فقیر نور محمد کلاچوی علیہ الرحمہ اللہ نے "عرفان" میں اپنے دور کی تھیوسوفی اور مغرب کے نام نہاد عاملین روحانیات کے حوالوں کو سائنسی تجربے سمجھ کر پیش کیا ہے۔ اس دور میں بھی اہل علم کی نظر میں یہ

سلسلہ معرفت ان کی کوئی خاص قدر و قیمت نہ تھی اور آج تو وہ باتیں شعبدہ بازی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔ اگر انھیں فقر کے عملی سلوک کے ذکر میں بطور مثال پیش کیا جائے' تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک عام پڑھے لکھے آدمی کی رائے تصوف کے بارے میں خراب ہوجائے گی۔ تصوف کے اذکار اور مذہبی عبادات کے ثمرات کو نفسیات کے سائنسی و نیم سائنسی تجربات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرنا بڑی خطرناک بات ہے۔ ہر عمل کو اس کے اپنے شعبے اور موقع و محل کے مطابق دیکھنا ہی مناسب ہے۔ اس لئے ذکر و تصور کے بارے میں بھی انہی باتوں سے آگاہی حاصل کرنی چاہیے' جو صوفیاء خود پیش کرتے ہیں۔ کیونکہ مشرق کے صوفیاء ہوں یا مغرب کے ماہرین روحانیات' وہ بقول روڈ ولف آٹو نفسیات کے تجربوں کے حوالوں سے نہیں' بلکہ مذہب کے حوالے سے بات کرتے ہیں۔ ۲۔

اسی طرح ٹائٹس برکہارٹ نے صوفیاء کے علائم مثلاً "نفس' قلب اور روح کی تشریح کرتے ہوئے اشارۃً" لکھا ہے کہ صوفیاء کی کتب میں روحانی مقامات شعور کے لئے استعمال ہونے والے علائم نفسیاتی تجزیے کے دائرے سے باہر ہیں۔ ۳۔ لہٰذا ضروری ہے کہ تصور کے بارے میں جو کچھ سلطان صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے' اسے ہی کافی سمجھا جائے۔ رہی عمل کی بات' تو وہ اپنے ذوق و شوق اور توفیق خداوندی پر منحصر ہے۔

۲۔ دعوت: حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کے عملی سلوک کے دوسرے اہم رکن "دعوت" کا تعلق دراصل استمداد عن القبور یا سماع موتیٰ کے مسئلہ سے ہے' جو علماء میں اکثر وجہ اختلاف و نزاع رہا ہے۔ چنانچہ علماء دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ نے انکار کا راستہ اختیار کیا اور دوسرا گروہ استمداد عن القبور کے اقرار و جواز کا فتویٰ دیتا رہا۔ لیکن صوفیاء خواہ ان میں کوئی صحوی تصوف کا عامل تھا یا سکری تصوف کی طرف مائل' علماء کے دوسرے گروہ کے مؤید رہے۔ چونکہ معاملہ کشف و اشراق سے تعلق رکھتا ہے' لہٰذا صوفیاء اپنے مشاہدات و تجربات کی رو سے ہمیشہ اولیاء اللہ کی

www.yabahu.com

موت کے بعد ان کے فیوض و برکات اور دینی و دنیوی امور میں امدد و تصرف کے قائل رہے ہیں۔

قدماء میں امام ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ وہ بزرگ تھے، جنھوں نے استمداد عن القبور کے سلسلے میں انکار کی راہ اختیار کی۔ پھر جب صوفیاء کے کشف و اشراق کی طرف ان کی توجہ دلائی گئی تو انھوں نے ہر ایسے معاملے میں جنات کی تسخیر کا حوالہ دے کر اس قسم کی باتوں کو مسترد کر دیا۔ کسی درویش کو کوئی زندہ ولی روحانی طور پر نظر آیا ہو یا کوئی برزخی کیفیت میں، وہ اسے جنوں اور جنّیوں کا بہروپ سمجھتے تھے ۴۔ علماء کے ایک گروہ نے اس مسئلہ میں شیخ الاسلام رحمتہ اللہ علیہ کا مسلک اختیار کیا۔ دوسرے گروہ میں علماء بھی ہیں اور صوفیاء بھی۔ علمی سطح پر علامہ ابنِ قیّم رحمتہ اللہ علیہ کی تصنیف "کتاب الرّوح" میں اس مسئلے کے تمام پہلوؤں کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ مردے سنتے ہیں اور کاملین سے عالم بیداری میں اور عوام سے عالم خواب میں ملاقی ہو کر مکالمہ و مخاطبہ کا رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ بے شمار کتب برائے مناظرہ و مباحثہ اس مسئلے پر لکھی جا چکی ہیں۔ یہاں صرف شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب "ھمعات" سے ایک اقتباس نقل کیا جا رہا ہے، جس میں شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ذاتی اور وجدانی تجربہ کے حوالہ سے اس مسئلہ کی تائید کی ہے:

"اس سلسلہ میں فقیر کو بتایا گیا ہے کہ جب مشائخ صوفیاء کو انتقال فرمائے چار سو سال یا پانچ سو سال یا اس کے قریب گذر جاتے ہیں، تو ان کے نفوس کی طبعی قوتیں جو زندگی میں ان کی ارواح کو خالص مجرد صورت میں ظاہر ہونے نہیں دیتی تھیں، اتنا عرصہ گذرنے کے بعد یہ طبعی قوتیں بے اثر ہو جاتی ہیں اور اس دوران میں ان نفوس کے ضمہ یعنی روح ہوائی کے اجزاء منتشر ہو جاتے ہیں۔ اس حالت میں جب ان مشائخ کی قبور کی طرف توجہ کی جاتی ہے، تو ان مشائخ کی ارواح سے اس توجہ کرنے والے

کی رُوح پر ایک رنگ کا فیضان ہوتا ہے ..... ان امور کے ضمن میں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ توجہ ارواح کا اثر دو طرح ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ توجہ کرنے والا اپنی روح کی اس حالت کا تصور کرے، جو حالت کہ مرنے کے بعد قبر میں اس کی ہوگی۔ اس کے بعد وہ روح کی اس حالت کو اپنے اوپر طاری کرے۔ اس سے اُس شخص پر ایک رنگ کا فیضان ہوگا..... توجہ ارواح کی اثر آفرینی کی دوسری قسم یہ ہے کہ مثلاً" سالک نے ایک بزرگ کی قبر پر توجہ کی۔ چنانچہ صاحب قبر کی روح اس پر منکشف ہوگئی اور سالک نے اس بزرگ کی روحانی کیفیات کا واضح طور پر مشاہدہ کرلیا۔ اسی طرح جیسے کوئی شخص آنکھ کھولے اور اس کے سامنے جو چیز پڑی ہو، اسے وہ اچھی طرح سے دیکھ لے، لیکن یاد رہے کہ سالک کا یہ دیکھنا چشم ظاہر سے نہیں بلکہ چشم باطن سے ہوتا ہے" ۵۔ (ص ۱۲۹)

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ قبور سے فیض یابی کے شدت سے قائل ہیں اور سلوک میں انتہائی مد خیال کرتے ہیں۔ ان کی بعض تحریروں سے یہ تاثر ملتا ہے کہ وہ قبر کی ہم نشینی کو زندہ اولیاء کی صحبت و ہم نشینی کے برابر خیال کرتے ہیں، جب انھوں نے یہ لکھا:۔

"چالیس بار ریاضت اور چلوں سے کسی ولی اللہ کی قبر پر کسی صاحب اجازت کے حکم سے دعوت پڑھنا بہتر ہے۔"

تو مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کا یہ مشہور شعر یقیناً" ان کے ذہن میں ہوگا۔

یک زمانہ صحبتے با اولیا
بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا

وفات کے بعد اولیاء اللہ کی روحانیت کے تصرف کے بارے میں اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کی طرح حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ دعوت کا پڑھنا اس لئے ضروری بتاتے ہیں: "..... کیونکہ ولی اللہ کی قبر شمشیر برہنہ

www.yabahu.com

ہوتی ہے۔ جس طرح زندگی میں تلوار نیام میں ہوتی ہے' وہ بھی نفسانی جسم میں ہوتے ہیں۔ حالت ممات میں وہ تلوار بالکل ننگی ہوجاتی ہے اور پہلے کی نسبت زیادہ کام کرتی ہے۔" مفتاح العارفین ۶۔ ایک اور جگہ فرمایا ہے :۔

اولیاء را قبر جنت خانۂ
ہر کہ محرم نیست زاں بیگانۂ
از قبر بیروں برآید اولیاء
ہم نشین با تو شود بہر از خدا

(عقل بیدار ص ۱۱)

ان سے پہلے کسی نے اپنی روحانی طاقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پراعتماد لہجے میں کہا تھا۔

بر سرِ خاک ما بیا' نغمہ زعشق برسرا
کز جذباتِ شوقِ تو نعرہ زخاک برزنم
بعدِ ہزار سال اگر برلحدم گزر کنی
مُشک شود غبارِ من' رُوح شود ہمہ تنم

"ان اشعار کے حوالہ سے ایک تو یہ ظاہر ہے کہ شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ ہوں یا حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ ان سے پہلے بھی اہل کشف و اشراق میں یہ خیال مقبول رہا ہے کہ اولیاء اللہ کی وفات کے بعد ان کی روحانی طاقت زیادہ متجلی ہو کر اور زیادہ شدت کے ساتھ مردان راہ کی روحانی کیفیات پر اثر انداز ہوتی ہے۔ لیکن یہاں ان اشعار کے حوالہ سے بالخصوص مقصود یہ ہے کہ اس میں اصحاب قبور کے فیض کو جذب کرنے کے لئے چند آداب بیان کئے گئے ہیں' جو حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کے موضوع دعوت کی تشریح کرتے ہیں۔ مثلاً" طالب فیض کی شخصیت میں عشق ایک فعال قوت کی شکل میں موجود ہو' جب وہ کسی ولی اللہ کی قبر پر حاضر ہو' تو اس کے دل میں جذبات شوق کی شدت ضروری ہے ورنہ وہ روحانیوں کے ساتھ رابطہ قائم

نہیں کرسکے گا۔ جب کوئی متلاشی حق اس طرح تیار ہو کر قبر پر جاکر نغمۂ عشق چھیڑے گا تو مردِ خدا کی قبر پر زندہ ہو جائے گی اور زندہ ولی کی طرح زائر عاشق کے روح و قلب کو نور و حضور سے معمور کر دے گی۔ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے "دعوت" کے یہی آداب متعدد کتب و رسائل میں بعینہ بیان کئے ہیں۔ شاید ہی کوئی ایسی چھوٹی یا بڑی کتاب ہو جس میں دعوت کا ذکر نہ ہو۔ "نور الہدیٰ" میں سلوک روحانی میں دعوت کی اہمیت کے بارے میں کہتے ہیں : "دعوت ایک نہایت ہی اعلیٰ باطنی منصب ہے' جو محض اللہ تعالیٰ کے قرب اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رخصت سے حاصل ہوتا ہے۔ دعوت ولایت کا ایک خاص ممتاز مرتبہ ہے۔ احمق نفسانی لوگ دعوت کی خاصیت کیا جانیں۔" (ص ۸۲)

دعوت کے لئے دو چیزیں لازمی ہیں' قبر اور قرآن یعنی کسی ولی کی قبر ہو اور اس پر قرآن پڑھا جائے۔ اس کے جو آداب حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے بیان کئے ہیں' وہ یہ ہیں :۔

ا۔ انہ پڑھنے والا ولی اللہ ہو۔ اسم اللہ ذات کے تصور کا عامل ہو یا صاحب توجہ خاص ہو۔ اگر اور کچھ نہیں تو طالب صادق ہو۔ جس قدر بلند مرتبہ ہوگا' اسی قدر اس کی دعوت کا اثر زیادہ اور اس کا دائرہ تسخیر وسیع ہوگا۔

ب :۔ ناقص کو یا طالب خام کو دعوت پڑھنے کی جرأت نہیں کرنا چاہیے۔" اگر طالب قبر پر آنے سے خوف کرے' تو جاننا چاہیے کہ وہ طالب صادق نہیں ہے۔ اسے ابھی اپنی جان سے محبت ہے" یا " جو شخص دنیا یا کسی دنیا دار کے لئے دعوت پڑھتا ہے' ناقص ہے۔" اگر ناقص دعوت پڑھے گا' تو رجعت میں پڑ کر دیوانہ و مجنون ہو کر خراب و خستہ حال ہوگا۔

۲۔ دعوت پڑھنے کے لئے مرشد کی اجازت بہتر ہے کہ اس کی توجہ شامل حال رہے گی' ورنہ عین ممکن ہے کہ اجازت کے بغیر "دعوت" پڑھنے والا محروم رہے۔

۳۔ رات کے وقت کسی غالب الاولیاء بزرگ کی قبر پر حاضر ہو کر اس کی پائنتی یا اس

www.yabahu.com

کے سرہانے بیٹھ کر یا گھوڑے کی طرح قبر پر سوار ہو کر جس قدر ہوسکے قرآن مجید تلاوت کرے۔ (دعوت پڑھتے ہوئے قبر پر سوار ہونے کو سلطان صاحب رحمتہ اللہ علیہ بُرا نہیں سمجھتے' البتہ ناقص یا خام کو اس کے نتائج سے ضرور خبردار کردیتے ہیں)

۴۔ اپنی نوری یا باطنی قوت یعنی توجّہ' تصرّف' تفکّر وغیرہ کے ساتھ حاضرالوقت ہو کر قرآن مجید پڑھے۔

۵۔ اگر عامل کامل ہے' تو "منہٗ کی زبان سے دعوت نہ پڑھے کیونکہ زبان نیک و بد گفتگو سے عموماً" آلودہ رہتی ہے۔ اس لئے قرآن پڑھنے کے لائق نہیں' بلکہ دل کی زبان سے پڑھے اور صاحب دل سنے یا سرّ کی زبان سے پڑھے اور صاحبِ سرّ' قلب اُسے سُنے۔"

۶۔ عامل کامل کو صرف ان امور کے لئے دعوت پڑھنی چاہیے:

ا۔ بادشاہ اسلام کے لئے جو کافروں سے جنگ کررہا ہو۔

ب۔ رافضیوں اور خارجیوں کے لئے کہ اللہ انھیں ہدایت دے۔

ج۔ علماء منافق کے لئے جو امر معروف کو قبول نہیں کرتے۔

د۔ آبادی و جمعیت خلق اور یاران کے لئے۔

ر۔ اس شخص کی مدد کے لئے جو دعوت پڑھتے وقت رجعت میں آکر دیوانہ ہوگیا ہو۔

س۔ کسی عالم باعمل کی مدد کے لئے۔ جسے کوئی مہم پیش آئی ہو۔

مذکورہ تفصیل سے ظاہر ہے کہ دعوت' توجہ' تصرف اور تصور کا عمل ہے۔ اسے پڑھتے وقت صرف کسی اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے دعوت کے بے شمار فوائد بیان کئے ہیں۔ تمام ظاہری و باطنی قوتیں اس سے مسخر ہوتی ہیں۔ بڑے بڑے اسرار ظاہر ہوتے ہیں۔ دنیا کی ہر شے اپنے حقائق صاحب دعوت پر منکشف کر دیتی ہے۔ ماضی و حال و مستقبل کے حالات معلوم ہوجاتے ہیں اور ہر قسم کی مطلب برآری ممکن ہے۔

اگر یہ دعوت قبولیت کا درجہ پائے' تو صاحب دعوت کو غیب سے آواز آتی ہے یا

کوئی بزرگ خواب یا مراقبے میں آکر کامیابی کی بشارت دیتا ہے۔ بعض اوقات اسماء کے ذکر کی ہدایت کی جاتی ہے' جن کے ورد سے مقصد کا حصول آسان ہوجاتا ہے یا براہ راست رسول اللہ ﷺ تعلیم و تلقین فرماتے ہیں۔ یہ قبولیت کب نصیب ہوتی ہے؟ اس کے بارے میں سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "بعض دعوت سے بارہ سال پڑھنے کے بعد عمل جاری ہوتا ہے اور مطلب برآری ہوتی ہے۔ بعض سے ایک سال' بعض ایک ماہ' بعض سے ایک ہفتہ' بعض سے ایک پہر اور بعض سے ایک ساعت ہی میں عمل جاری ہوجاتا ہے۔ دعوت پڑھنے سے سنگین آہنی قلعہ موم کی طرح نرم ہوکر فوراً" فتح ہوجاتا ہے۔ دعوت کے اثر سے قلعہ کے بہادروں کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں" (نُورالہُدیٰ' ص ۸۶)

دعوت ہو یا تصوّر اسمِ ذات دونوں کے لئے جذب و شوق ضروری ہے۔ اصل میں حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کا سارا سلوک وجود کی ساری قوتوں اور صلاحیتوں کے ارتکاز کا متقاضی ہے۔ اس کے لئے قلب و روح کے سارے امکانات کام میں لانے چاہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ایک جگہ انھوں نے اپنے سلوک کو "وجودیہ سلک سلوک" کہا ہے۔ اگر کوئی اس طریقہ پر چل کر معرفت حاصل کرنا چاہے' تو سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کی کتب جس قدر بھی موجود ہیں' رہبری کے لئے کافی ہیں۔

حوالہ و حواشی

ا۔ ذکر و تصور کا یہ طریقہ اکثر صوفیاء کا معمول رہا ہے۔ اس لئے کہ یہ باقی طریقوں کی نسبت سہل ہے اور اس سے بقدر ظرف ہر ایک فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ مارٹن لنگز نے المغرب کے شاذلی بزرگ شیخ احمد العلوی رحمتہ اللہ علیہ کے مرشد کے طریقہ تلقین و ارشاد کے بارے میں خود شیخ العلوی کا یہ بیان نقل کیا ہے:۔

"..... لیکن ایک طریقہ' جو اکثر و بیشتر اختیار کرتے تھے اور بعد میں جس کی میں نے

www.yabahu.com

بھی پیروی کی، تمام حروف پر واضح طور پر نظر رکھتے ہوئے طالب کو اسم کے ذکر کی تاکید و ہدایت کا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے حروف تصور میں مرقوم ہوجائیں۔ پھر وہ اسے کہتے تھے کہ اب ان کو پھیلاؤ اور اتنی وسعت دو کہ اکناف آفاق ان سے بھرجائیں۔ ذکر اس شکل میں جاری رہتا تھا۔ یہاں تک کہ حروف نور کی مانند ہوجاتے۔"

2. A Sufi Saint of the twentieth Century by Martin Lings

3. Mysticism, East and West, by Rudolph Otto

4. An Introduction to Sufi Doctrine by Titus Burckhardt

۵۔ تفصیلی مطالعہ کے لئے دیکھئے "مقامات احسانی" میں شیخ الاسلام کے "نظریہ خصوصیت" پر مولانا مناظر احسن گیلانی کی تنقید۔

۶۔ "القول الجمیل" میں بھی شاہ صاحب نے ارواح سے رابطہ قائم کرنے کا طریقہ لکھا ہے۔ نیز "انفاس العارفین" میں شاہ صاحب نے اپنے والد اور چچا کا ایک تجربہ نقل کیا ہے۔ وہ ایک قبرستان میں تھے کہ ان کا رابطہ ایک صاحب قبر سے قائم ہوگیا اور انھوں نے اس کی درخواست پر قرآن مجید کی تلاوت کی۔ (صفحہ ۱۱۱ اردو ترجمہ۔)

00000

باب نمبر ۷

عقائد و افکار

جذبۂ فقر حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کے رگ و پے میں سمایا ہوا تھا، گو کہ فرزانگی کی صفت بھی ہمیشہ ان کے ساتھ رہی۔ ان کی کتب کے مطالعہ سے یہ بات پوشیدہ نہیں رہتی کہ ان پر جذب کا غلبہ رہتا تھا۔ اس لحاظ سے اشراقیین کے ممتاز بزرگ شیخ شہاب الدین مقتول رحمتہ اللہ علیہ کے بیان کردہ مراتب حکمت کے مطابق وہ حکماء کے اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے، جو حکمت الٰہی میں غلو رکھتے ہیں اور حکمت بحثی میں متوسط رہتے ہیں۔ انھوں نے حکمت الٰہی میں غلو رکھنے والوں کی یوں تعریف کی ہے:

حکمت الٰہی میں غلو رکھنے والے سے کبھی زمین خالی نہیں ہوتی اور یہی وہ شخص ہے جس کی ذات کے ساتھ عالم کا انتظام وابستہ ہوتا ہے اور اسی کو عام لوگ قطب العالم کہتے ہیں۔ کبھی یہ شخص سلطنت ظاہری کے ساتھ بھی آراستہ ہوتا ہے، جس طرح بعض انبیاء صحابہ کرام اور اولیاء اللہ گذرے ہیں۔ کبھی یہ شخص نہایت پوشیدہ اور خلوت نشین ہوتا ہے کہ کوئی اسے نہیں جانتا۔ دنیا میں اس شخص کا وجود عالم کو نورانی رکھتا ہے اور جب یہ شخص نہیں ہوتا، تمام دنیا ظلمانی ہوجاتی ہے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کی فترت کے زمانے گذرے ہیں۔ (شرح حکمتہ الاشراق)

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ اسی مرتبے کے انسان تھے۔

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ خود صاحبِ کشف و اشراق تھے۔ جو بھی ان کے مشاہدے میں آیا، انھوں نے اسے اپنے کتب و رسائل میں قلمبند کردیا۔ ان سے

www.yabahu.com

پیشتر مفکر صوفیا ان عقائد و افکار پر بہت کچھ لکھ چکے تھے اور تصوف کے اعتقادات سے شغف رکھنے والوں کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ اپنے اپنے ذوق کے مطابق کسی ایک مسلک سے وابستہ ہو کر اس کے خیالات کو اپنا لیتے ہیں۔ اس طرح گروہ بندی کی صورتیں بھی پیدا ہوئیں۔ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کو کسی ایک گروہ سے وابستہ کر کے ان کے عقائد و افکار کا جائزہ سطحی مطالعہ کا غماز ہوگا۔ اپنے متعلق انھوں نے اشارۃً نہیں بلکہ علی الاعلان جس روحانی مقام کی نشاندہی کی ہے' وہ اس امت میں چند ہستیوں کو ہی نصیب ہوسکا ہے۔ اپنی کتب کے بارے میں یہ دعویٰ کہ "بعض بزرگان دین اور مصنفین کی تصانیف الہامی ہیں' لیکن اس فقیر کو مقام الہام سے بالا محض اللہ تعالیٰ کے قرب اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے نور سے القائے کلام حاصل ہوا ہے۔" کم از کم کسی مقلد کا دعویٰ نہیں ہوسکتا۔

وہ اپنے مقام میں منفرد تھے اور انھوں نے جو کچھ کہا' وہ ان کے اپنے ذاتی کشف و وجدان پر مبنی تجربات کی ترجمانی ہے۔ اس لئے خواہ شیخ اکبر رحمتہ اللہ علیہ ہوں یا شیخ الشیوخ رحمتہ اللہ علیہ وہ کسی ایک کے طائفہ مقلدین سے وابستہ نہیں ہوسکے اور قیاس غالب یہ ہے کہ انھوں نے ان میں سے کسی کی کتب کا مکمل مطالعہ نہیں کیا اور اگر کہیں سے ان کے نظریات کے بارے میں کچھ سنا ہوگا تو بھی ان محتاط مشائخ کی زبان سے جو ان حضرات کی کتب کے موضوعات پر برسر عام بحث کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ (مشائخ چشت حجروں کے دروازے بند کرکے فصوص الحکم کا درس دیا کرتے تھے) اس لئے حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ اپنے عقائد و افکار میں اپنی ایک الگ حیثیت رکھتے ہیں اور انکے افکار ان کے اپنے نام کے حوالے سے پیش کرنا ہی زیادہ مناسب ہے' البتہ تفہیم کی خاطر بعض اوقات شیخ اکبر رحمتہ اللہ علیہ اور شیخ الشیوخ رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ ان کے نظریات کا تقابل ناگزیر ہوجاتا ہے۔ اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ سلطان صاحب رحمتہ اللہ علیہ ان میں سے کسی ایک بزرگ سے یا دونوں کے مقلد تھے۔ گو اس میں کوئی قباحت تو نہیں' لیکن سلطان صاحب

رحمتہ اللہ علیہ کے احوال و مقامات اور ان کی حکمت و معرفت کے مطالعہ کے پیش نظر یہ بات خلاف واقعہ نظر آتی ہے۔ البتہ تقابلی مطالعہ راقم کی شرح رسالہ روحی (اردو انگریزی) میں ملے گا۔

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کے افکار و نظریات کی تشریح و توضیح میں یہی نکتہ میرے پیش نظر رہا ہے:۔

توحید

توحید اسلام کا بنیادی رکن ہے اور عامتہ المسلمین کے لئے نہایت سادہ و آسان' مگر جب حکماء و صوفیا نے اس کی تشریح کی کوشش کی تو اس میں بے پناہ گہرائی اور وسعت دکھائی دی۔

عوام کے لئے کلمہ طیبہ جو توحید کا اعلان ہے' نہایت صاف اور سیدھا مسئلہ ہے ان کے لئے توحید یہی ہے کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہ وحدہ لاشریک ہے' ہر حمد و ثنا اسی کو زیبا ہے کہ وہ خالق و مالک ہے وغیرہ' لیکن جب حکماء و صوفیاء اس کی تشریح کے درپے ہوتے ہیں' تو اس میں اس قدر باریکیاں اور پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں کہ علماء کہیں تو عش عش کر اٹھتے ہیں اور کہیں کفر کے فتووں کا سہارا ڈھونڈتے ہیں۔

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ ایک ہے' درست ہے۔ لیکن جب وہ ایک ہے تو کسی دوسرے کی نفی کا کیا سوال ہے؟ ایک کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ پھر جب اس کا کوئی ثانی ہے نہ شریک کہ وہ بے نظیر و بے مثال ہے تو کسی اور معبود کا تصور ہی بے معنی ہے۔ لہٰذا اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں۔ جب وہی موجود ہے تو پھر یہ سب کچھ جو ہم دیکھتے ہیں۔ کیا ہے؟

جب کہ تُجھ بِن نہیں کوئی موجود

www.yabahu.com

پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟

جہاں "وہ" ہے کوئی دوسرا تو ہو نہیں سکتا۔ لہٰذا یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ سارے جہاں میں ہے اور سارا جہاں اس میں ہے۔ کوئی چیز اس سے باہر نہیں۔

ان تصورات میں فکر و تخیل دونوں کے لئے کافی گنجائش موجود تھی۔ حکماء صوفیا نے ان افکار کو کھنگالا تو شعراء نے انہیں ہوا دی۔ بات سے بات نکلتی چلی گئی۔ مسئلہ کبھی صاف بھی ہوا تو دوسرے لمحہ زیادہ الجھ گیا کیونکہ سلجھانے والے ہی اسے الجھانے والے تھے۔

اس سلسلے میں اسلامی فکر پر مبنی دو نظریے بہت مقبول ہوئے۔ یہ دو نظریے دو مفکر صوفیاء نے پیش کئے۔ ایک محی الدین ابن عربی اندلسی رحمتہ اللہ علیہ، جنہیں صوفیاء نے شیخ اکبر کہا اور دوسرے شہاب الدین سہروردی مقتول رحمتہ اللہ علیہ، جو "شیخ الشیوخ" کے لقب سے ملقب ہیں۔ شیخ اکبر رحمتہ اللہ علیہ نے فصوص الحکم، فتوحات مکیہ اور دیگر رسائل میں وحدت الوجود کے نکتہ نظر سے توحید کی شرح بیان کی اور شیخ الشیوخ نے حکمتہ الاشراق میں اشراقی نکتہ نظر سے توحید کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی۔

شیخ اکبر رحمتہ اللہ علیہ کے نظریہ وحدت الوجود کو "ہمہ اوست" بھی کہتے ہیں (اللہ تعالیٰ ہی موجود ہے اور ہر شے میں اس کا ظہور ہے۔) "کوئی اس کا ادراک نہیں کرسکتا مگر وہ خود کوئی اسے نہیں جانتا مگر وہ خود۔ وہ خود اپنے ذریعہ اپنے تئیں جانتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور اس کا ادراک نہیں کرسکتا۔ اس کا حجاب اس کی اپنی وحدت ہے، اس کا حجاب اس کا یہی وجود ہے۔ اس کی وحدت نے اسے اس طرح محجوب کر رکھا ہے کہ اس کی تشریح نہیں کی جاسکتی۔ اس کے علاوہ اسے اور کوئی نہیں دیکھتا۔ خواہ کوئی نبی یا رسول کوئی کامل و اکمل ولی ہو یا مقرب فرشتہ۔ اس کا نبی وہ خود ہے۔ اس کا رسول "وہ" ہے۔ اس کا پیغام "وہ" ہے۔ اس کا کلام "وہ" ہے۔ اس نے اپنا کلام خود اپنی طرف سے، اپنے علاوہ بغیر کسی واسطے یا سبب کے اپنے ہی ذریعہ

سے اپنی طرف بھیجا ہے اس کے علاوہ کسی دیگر کا کوئی وجود نہیں۔ اس لئے اپنے تئیں فنا کی طرف نہیں لے جاسکتا۔ ا۔

ذات باری نے ظہور کیا تو صوفیاء نے اپنے کشف کے مطابق مراتب بیان کئے۔ شیخ اکبر رحمتہ اللہ علیہ کے "تنزلات ستہ" مشہور ہیں۔ یعنی احدیت، وحدت اور واحدیت، عالم ارواح، عالم مثال اور عالم اجسام۔ پہلے تین کو مراتب علمی یا مراتب الہیہ کہتے ہیں۔ اور آخری تین کو مراتب کونیہ کا نام دیا جاتا ہے۔ بعض صوفیا نے اپنی کتب میں کہیں کسی ایک کی تعریف کر دی ہے اور کہیں کسی مرتبے کو بغیر تشریح کے چھوڑ دیا ہے۔ ان کی بالترتیب اور باقاعدہ تشریح کے لئے ڈاکٹر میر ولی الدین کی کتاب The Quranic Sufisim سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

شیخ الشیوخ نے ذات باری کو نور الانوار کہا اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور بیان کیا کہ نور ہی "ظہور اور کمال ظہور ہے اس سے اوپر کوئی نور عالی نہیں ہے۔" لہٰذا یہ " صرف اپنی ذات ہی سے عشق و محبت رکھتا ہے اور اس کی ذات پر ہی اس کا کمال ظاہر ہے اور تمام اشیاء سے اکمل و اجمل ہے۔"

ان کے نزدیک ظہور کی ترتیب یہ ہے کہ نور الانوار سے نور مجرد صادر ہوا، جسے نور اقرب اور نور عظیم بھی کہا گیا ہے۔ نور مجرد نور الانوار کی شعاع ہے اور بس۔ نور مجرد سے فلک الافلاک کا ظہور ہوا، جو اس کا ظل ہے۔ پھر عالم عناصر اور اجسام عنصری وجود میں آئے۔ ۲۔

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کی کتب میں جب ہم عقیدۂ توحید اور اس کی شرح کو دیکھتے ہیں تو ان کا کشف ووجدان ان میں سے کسی کی تردید کرتا ہے اور نہ ہی کسی ایک کے عقائد کے احاطے تک محدود رہتا ہے۔ یوں لگتا ہے، جیسے انھوں نے خدا کی وحدت و واحدنیت کو بھی عیاں دیکھا اور ظہور میں اس کے نور قاہر کی شعاع، نور مدبر کو بدن اور اس کی تمام قوتوں پر محیط بھی دیکھا۔

یوں کبھی توحید کے بارے میں ان کے تشریحی اشارات دیکھ کر شیخ اکبر رحمتہ اللہ

www.yabahu.com

علیہ کے نظریہ وحدت الوجود اور تنزلات کا خیال آتا ہے اور کبھی شیخ رحمتہ اللہ علیہ الشیوخ کے نورالانوار اور اس کے ظہور کی ترتیب ذہن میں آتی ہے' لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ وہ ان دونوں سے کسی ایک کے مقلد نہیں ہیں اور یہ بات مطالعۂ حکمت میں ان کے عدم استقلال کی علامت نہیں' جیسا کہ بعض نے خیال ظاہر کیا ہے' بلکہ اس کا سبب صرف یہ ہے کہ ان کی یافت و شناخت کا ذریعہ و منبع ان کا اپنا کشف ہے۔

احدیت کو انھوں نے توحید منفرد اور توحید مطلق کہا ہے' کیونکہ یہ مقام منفرد وہ ہے' جہاں سے نُور خُدا تعالیٰ سے جدا ہو۔ یہ نُورِ محمدی ہے۔ نُورِ محمدی سے روح اور روح سے "نُور' اِسم' جِسم' قلب' نفس' قالب اربعہ عناصر پیدا ہوئے۔"

"جب اللہ تعالیٰ نے اسم اللہ کو ذات سے جدا کیا تو نُورِ محمدی کا اس سے ظہور ہوا اور اپنی قدرت توحید کے آئینے میں اس کو دیکھا اس کو دیکھنے سے نُورِ محمدی کا مشتاق اور اس پر عاشق و شیدا ہوا اور خود ناظر و منظور ہو کر ربّ الارباب اور حبیب اللہ کا خطاب پایا اور نُورِ محمدی سے کُل مخلوقات ہژدہ ہزار عالم کو پیدا کیا۔" (عین الفقر' ص ۲۸)

صفت تنزیہ کے بارے میں انھوں نے واضح طور پر لکھا ہے کہ "خدا تعالیٰ مکان و زمان سے منزہ ہے۔ نہ وہ مشرق و مغرب میں ہے' نہ جنوب و شمال میں' نہ تحت و فوق نہ چاند اور سورج میں' نہ آب و گِل میں' نہ خاک و آتش میں' نہ وہ کسی قیل و قال میں ہے اور نہ انسان کے خط و خال میں' نہ صورت جمال میں ..... وہ ان سب سے پاک و منزہ ہے" تشبیہ کے متعلق ان کے ہاں اشارات تو مل سکتے ہیں' مگر اس طرح واضح الفاظ میں انھوں نے کہیں بیان نہیں کیا' البتہ ان کی مختلف عبارات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ ہستی مطلق میں وہ دونوں صفات تنزیہ و تشبیہ کو تسلیم کرتے ہیں' کیونکہ مراتب ظہور کے عقیدے میں یہ دونو شامل ہیں اور مراتب ظہور اور تنزلات وصعود کے بارے میں جابجا سلطان صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اشارہ کیا ہے۔

"جب رُوحِ اعظم وجود میں آئی تو اس نے اسم اللہ کہنا شروع کیا۔"
(محکم الفقرا' صہ ۴)

سلوک میں مردِ راہ کے صعود کے بارے میں لکھتے ہیں:

"..... لیکن جب تک عبودیت سے نہ گذر جاؤ گے' واحدانیت تک نہیں پہنچو گے اور جب تک واحدنیت سے نہیں گذر جاؤ گے' احدیت تک پہنچ سکتے' کیونکہ احدیت ذات ہے اور واحدانیت صفات ہے" (محکم الفقراء ص۵)

توحید نور ہے اور فقیر کو ہر قسم کی وابستگی سے تجرید اختیار کرکے نور تک پہنچنا پڑتا ہے۔

آدمی از نُور' نُور از نُور بین
نُور با نُورش رَسد صِدق و یقین"

(محکم الفقراء کلاں صہ ۲۸۸)

جو فقیر اربعہ عناصر سے گذر جاتا ہے' وہ نور کے مرتبے کو پہنچتا ہے۔

چار بُودم سہ شُدم اکنوں دوام
وز دُوئی بگذشتم و یکتا شُدم

جب فقر مکمل ہوجاتا ہے تو وجود دریا کی طرح ہوجاتا ہے۔" (عقل بیدار صہ ۱۴)

کمال تعلق باللہ کے لئے ان کی مثالیں وہی ہیں جو وحدت الوجود کے متعلق پیش کی جاتی ہیں۔ جیسے قطرہ و دریا اور آگ' چنگاری وغیرہ ع

چُوں عین دَریا یا قتم' خودگُم بدَریا ساختم

خدا تک پہنچنے کے لئے "عقل بیدار" یا وجدان ہے۔ اس قرب یا وصل کو بھی وہ انہی کے رنگ میں بیان کرتے ہیں۔ یعنی جو خدا سے یکتا ہے' وہ خدا تو نہیں لیکن خدا سے جدا بھی نہیں وغیرہ۔

سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ صاحب خواب اور مراقبے میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت

www.yabahu.com

جائز اور روا سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق "بعض ظاہری آنکھوں سے دنیا میں دیکھ لیتے ہیں، لیکن نہ اس کی تمثیل دے سکتے ہیں اور نہ یہ بتا سکتے ہیں کہ کس مکان میں ایسا ظہور میں آیا۔" اور روشن ضمیر "چشم معرفت سے عین العین دیدار حق کرتے ہیں"

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے اور اس کی معرفت حاصل کرنے کا راستہ وہی ہے جو انبیاء و اولیاء نے اختیار کیا اور اس کی تبلیغ کی۔

شیخ اکبر رحمتہ اللہ علیہ ہوں یا شیخ الشیوخ رحمتہ اللہ علیہ، سلطان العارفین باھو رحمتہ اللہ علیہ ہوں یا کوئی اور عارف باللہ ہستی مطلق کے بارے میں ہر ایک کے نظریات اور توحید کے بارے میں ہر ایک کی رائے یا شرح کا اختیار اختیامیہ حکیم سنائی کا یہ شعر ہے۔

نتواں وصفِ تو گفتن کہ تو در وصف نگنجی
نتواں شرح تو دادن کہ تو در شرح نیائی

البتہ یہ ضرور تسلیم کرنا چاہیے کہ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کی تصنیفات کے مطالعہ سے اسلامی نظریہ توحید کی معرفت کے بارے میں بے شمار اہم نکات کا سراغ مل سکتا ہے۔

رسالت

سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیمات کی رو سے انبیاء و اولیاء میں فقر کا جذبہ قدر مشترک ہے۔ فقر میں کمال کی وجہ سے انبیاء و اولیاء ہی انسان کامل کے مرتبے پر پہنچتے ہیں۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر مرتبہ انتہا تک پہنچ کر ختم ہوگیا۔ کوئی اس کمال تک پہنچا اور نہ ہی کوئی پہنچ سکے گا۔

سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ بھی دوسرے مفکر صوفیاء کی طرح رسول اللہ ﷺ

کے مرتبے پر حکیمانہ و عارفانہ نظر ڈالتے ہیں۔ مراتبِ ظہور میں احدیت سے وحدت کے مرتبے کی طرف تنزل کو حقیقتِ محمدیہ بھی کہتے ہیں، کیونکہ اس جہان میں جمیع مراتب و کمالات کی جامع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی۔ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ سب سے پہلے رُوحِ محمدی کا ظہور ہُوا پھر اللہ تعالیٰ "خود ہی اس نور پاک کا والہ و شیفتہ ہوا اور اسے حبیب اللہ کا خطاب دیا۔ اسی نور سراپا ظہور کو مخاطب فرما کر لفظ "کُنْ" فرمایا پھر اس ہژدہ ہزار عالم کو عرصہ ظہور میں لایا اور تمام جن و اِنس اور ارواح و ملائک کو پیدا کرکے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ فرمایا، جس کے جواب میں سب نے "بَلٰی" کہا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر کے متعلق ان کا عقیدہ یہ ہے کہ صرف آپ ہی فقر کی انتہاء تک پہنچے۔ فقر آپ کا فخر تھا اس لئے فقر میراثِ محمدی ہے۔ ماضی میں کوئی اس سے سرفراز ہوا، یا مستقبل میں کسی کو شرف نصیب ہوگا۔ تو یہ آپ ہی کے طفیل متصور ہوگا۔

فقیر کے لئے ضروری ہے کہ وہ آپ ﷺ کی شریعت کی پاسداری کرے۔ فقیر کامل باوجود استغراق کے شریعت کے کسی فرض یا سنت کو قضا نہیں کرتا، کیونکہ "راز نماز میں ہے اور نماز راز میں ہے۔" اگر کوئی فقیر خلافِ شرع طرزِ عمل اختیار کرتا ہے تو حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ اس کے باطن کو بھی باطل قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک وہ مردود اور ملعون ہے۔

اخلاق کا معیار بھی رسول اللہ کی ذات گرامی ہے۔ سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ سلوک کے سب وظائف کو آسان، مگر خُلقِ محمدی ﷺ کو اپنانا مشکل بتاتے ہیں۔ وہ اس کے اپنانے کی پرزور تلقین کرتے ہیں۔ اگر کوئی فقیر ہے تو محمدی اخلاق کا حامل ہوگا۔ یہ بات جناب رسالت مآب ﷺ کی صحبت کی بدولت ہی نصیب ہوسکتی ہے۔

اصل سلوک اور حقیقی فقر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ روحانی

www.yabahu.com

تعلق قائم کرنے میں ہے۔ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ مردِ راہ کو مجلسِ محمدی ﷺ میں حضوری ضروری حاصل کرنا چاہیے' یعنی وہ خواب یا مکاشفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ہدایت حاصل کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حلیہ کے مطابق دیکھے' جو سیرت کی کتب میں مرقوم ہے۔ وہ یہاں تک مانتے ہیں کہ بعض لوگ ظاہری وجود کے ساتھ مجلس محمدی میں حاضر ہونے کی سعادت بھی رکھتے ہیں۔ "بعض اس بات کو جانتے ہیں اور بعض اس بات کو نہیں جانتے۔" سلطان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو خود یہ مرتبہ نصیب تھا۔

وہ شُدّومُد کے ساتھ حیات النبی کے قائل ہیں اور جو اس کا منکر ہو' اسے مردود اور منافق بتائے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندوں کی طرح اس جہاں میں متصرف ہیں۔ ان کا ایمان ہے کہ "جو شخص اخلاص اور یقین سے جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ عرض کرے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری فریاد سنتا' تو آنحضرت مع لشکر صحابہ امام حَسَن و حُسین رضی اللہ عنہم اسی وقت تشریف لاکر ظاہری نظروں سے زیارت کراتے ہیں اور فریادی آنجناب کی خاک پاکو سرمہ بناتا ہے' لیکن بے اخلاص و بے یقین اگر دن رات بھی دوگانہ ادا کرتا رہے' تو بھی خودبخود حجاب میں رہے گا۔" (عقل بیدار صہ ۱۴۳)

طالب حق مخلص ہو تو رسول اللہ کا لشکر اس کے ہمراہ رہتا ہے۔ "آپ کے ساتھ تین قسم کا لشکر تھا۔ آپ کے صحابہ' ملائکہ و ارواح اور آپ کو اپنی قوت باطنی" یہ لشکر ہروقت اور ہمیشہ فقراء کی پشت پناہی کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی حضوری و مصاحبت کا سب سے بڑا ذریعہ و وسیلہ یہی ہے کہ ان کی سنت کو اپنے عمل سے زندہ رکھنا چاہیے اور ان کے اخلاق کو اپنانا چاہیے "خواہ ظاہر میں لوگوں سے بات چیت کریں' لیکن باطن میں جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم صحبت رہیں۔"

ولایت

سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ کے نظامِ فقر میں ولایت و نبوّت کے فرق یا ولی اور نبی کی ولایت کا کوئی ذکر نہیں۔ پھر جس طرح انھوں نے فقر کے اصول و ضوابط اور مراتب بیان کئے ہیں۔ اس میں اس کی گنجائش بھی نہ تھی۔ ولایت ان کے نزدیک فقر کا ایک مرتبہ ہے۔ چنانچہ ولی فقیر اور فقیر ولی ہے۔

وہ مرتبہ ولایت سے زیادہ ولی اور فقیر کی شخصیت سے سروکار رکھتے ہیں۔ ان کے نزدک خاتم الولایت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔

ولی وہ مردِ راہ ہے' جس کی باطنی آنکھ کھل جاتی ہے' جسے توحید میں استغراق حاصل ہوتا ہے اور جو مقام فنافی اللہ پر فائز ہوتا ہے۔ لوگ اس کی موت کے بعد اس کی قبر سے بھی فیض یاب ہوتے رہتے ہیں۔

فَنافِی اللہ' بَقابِاللہ

اس دور میں تصوف کی جس اصطلاح کو بہت غلط سمجھ گیا' یا جسے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی گئی' وہ فنافی اللہ ہے۔ کچھ اس قسم کا اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ فنافی اللہ ہونے سے انسان کی انفرادیت ختم ہوجاتی ہے' اس کی فعال صلاحیتیں ختم ہوجاتی ہیں' اور قوت کار ضعیف ہوجاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ صوفیاء کے نزدیک فنافی اللہ وہ مقام ہے' جہاں پہنچ کر انسان کی روحانی شخصیت منفرد ہوجاتی ہے۔ اس وقت اصطلاح تصوف میں طالب حق "فرد" ہوجاتا ہے۔ تجرید و تفرید اختیار کرنے سے بھی یہی مراد ہے کہ اس مقام پر سالک کی عبادات محض تقلیدی نہیں رہتیں' بلکہ وہ تخلیقی سطح پر معروف عمل رہتا ہے۔ اس

www.yabahu.com

کے اعمال و افعال اور خیالات و افکار "کُن" کی کنہ سے تحریک پاتے ہیں اس کی صلاحیتوں کا یہ عالم ہوتا ہے کہ الہیاتی قوتیں اس کی ممدومعاون ہوجاتی ہیں۔ اس کی سمع و بصر، گفتار و کردار اور حرکات و سکنات سب ذات باری تعالیٰ کے ساتھ ہوتی ہیں:۔

"ایسے فقیر کا وجود قدرت الٰہی کا نمونہ بن جاتا ہے۔ ایسی حالت میں جو کچھ فقیر کہتا ہے، گویا وہ خدا اپنی قدرت سے کہتا ہے اور جو کچھ فقیر سنتا ہے، گویا کہ خدا اپنی قدرت سے سنتا ہے اور جو کچھ فقیر دیکھتا ہے۔ اسم اللہ دیکھتا ہے۔ گویا کہ خدا اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ قولہ تعالیٰ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ" (محبت الاسرار صہ ۲۰)

اب وہ اکیلا کام نہیں کرتا۔ اللہ کے وہ لشکر اس کے ساتھ ہوتے ہیں جنھیں ظاہری آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ اس کی ظاہری و باطنی قوتیں جلا پاکر زیادہ تیز ہوجاتی ہیں۔ اب وہ معاشرے میں ایک تار (Charged Wire) ہے، جس کے اندر سے برقی رو گذر رہی ہے اور وہ برق کی سی تیزی اور شدت سے کام کررہا ہے۔

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ فنافی اللہ کو قدما کی طرح روحانی ارتقاء کا تیسرا اور آخری درجہ سمجھتے ہیں۔ جب مرد راہ اپنے آپ کو تربیت کے لئے کسی بزرگ کے حوالے کردیتا ہے اور اس کی ہدایت کے مطابق سفلی خواہشات سے منہ موڑ لیتا ہے تو اسے فنافی الشیخ کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ جب وہ شریعت محمدیہ پر عمل پیرا ہو کر قلب کو زندہ کرلیتا ہے تو فنافی الرسول کا مرتبہ پاتا ہے۔ پھر جب وہ اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت کا ادراک کرلیتا ہے اور اسے علم الیقین، عین الیقین سے آگے حق الیقین کی صفت حاصل ہوجاتی ہے تو وہ فنافی اللہ کے مرتبے پر پہنچ جاتا ہے۔ اور "فنا فی اللہ وہ ہے، جسے بقاباللہ کا درجہ حاصل ہو" یہ "غرق فی التوحید" کا مقام ہے۔ اللہ اور اس کے بندے کے درمیان سے حجاب اٹھ جاتے ہیں اور اللہ اس کو دوست رکھتا ہے۔ سلطان صاحب رحمتہ اللہ علیہ روایت معراج کا ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے فرماتے

ہیں کہ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی کے مقام پر ارشاد ہوا: "اے محمد ﷺ میری محبت کسی چیز میں ہے اور کس چیز کو میں چاہتا اور دوست رکھتا ہوں اور میرے اور اس کے درمیان کوئی حجاب نہیں" آپ نے فرمایا "خداوند! وہ چیز فنافی اللہ بقا باللہ ہے۔"

(عین الفقر صہ ۲۴)

"فنافی اللہ غریق" وہ ہے، جو خود تو حق الیقین کا درجہ حاصل کرچکا ہے، لیکن وہ صرف خود ہی نہیں دیکھتا، بلکہ دوسروں کو بھی دکھا سکتا ہے۔ اس کا وجود "معرفت کا دریائے عمیق ہے" جس کی لہریں عام انسانیت میں جہاں جہاں پہنچتی ہیں، روح کی بنجر زمینوں کو سیراب کرتی اور زرخیز بناتی چلی جاتی ہیں:۔

دیدہ اَم دُریا تم بینم دوام
معرفت توحید فقرم شُد تمام
(عقل بیدار)

فنافی اللہ عشق کا آخری مقام ہے، جب "رُوح بحق رفیق" ہوجاتی ہے۔ اب مرد راہ کی نگاہ حق پر مرکوز رہتی ہے۔ وہ حق سے طاقت حاصل کرتا ہے اور حق کی تعمیل کرتا ہے۔ پھر زبان سے انا الحق، نہیں کہتا، بلکہ دل سے "انا الحق" کہتا ہے "انا الحق دل سے کہنا اسرار ہے اور زبان سے کہنا سربردار ہے" انا الحق دل سے کہنا روشن ضمیر کا کام ہے اور "یہ مقام فنافی اللہ بقا باللہ کا ہے۔"

اگر کسی کو فنا کے لفظ سے کد ہے، تو فضول ہے۔ ورنہ صوفیاء نے اپنے قلبی واردات کی ترجمانی کے لئے جس لفظ کو بہتر سمجھا، استعمال کیا۔ جیسے فقیر وہ ہے، جو اللہ کے سامنے نادار و مسکین ہو۔ اشراقیس کے نزدیک فقیر وہ ہے "جس کی ذات یا اس کا کمال غیر پر موقوف ہو۔" اسی طرح فنا کا لفظ ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ اللہ کے سامنے انسان نیست ہے، لیکن اس کا نیست ہونا ہی اصل ہست ہے۔ اسی کو فنافی اللہ کہا جاتا ہے اور فنافی اللہ دراصل بقا باللہ ہے۔

www.yabahu.com

تخلیقِ کائنات و خیر و شر

تخلیق کائنات اور خیر و شر کے بارے میں حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتب میں کوئی باب مخصوص کیا ہے' نہ کسی فصل میں کسی قدر تفصیل سے کام لیا ہے۔ وہ اس قسم کے مسائل سے صرف اسی قدر سروکار رکھتے ہیں' جس قدر ان کا علم فقیر کامل کو اخلاقی و روحانی ارتقاء کے لئے ضروری ہے۔

دیگر صوفیاء کی طرح انھوں نے اس حدیث قدسی کا کئی جگہ ذکر کیا ہے' جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "میں ایک چُھپا ہوا خزانہ تھا' میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں۔ پس میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔" اور پھر یہ بھی واضح کیا ہے کہ تمام مخلوقات نور محمدی ﷺ سے پیدا ہوئی ہیں اور نور محمدی ﷺ نورالٰہی سے پیدا ہوا۔

پیدائش ارواح کے بارے میں کلید التوحید (خورد) میں انھوں نے لکھا ہے:

"جب خدا تعالیٰ نے چاہا کہ کُن فَیَکُوْنُ کو بیان کروں تو اس نے بائیں جانب قہر و جلال کی نظر کی' جس سے نارِ شیطانی پیدا ہوئی اور دوسری طرف لطف و کرم و رحمت و شفقت کی نظر سے دیکھا' جس سے نورِ محمدی ﷺ ظاہر ہوا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کُن فرمایا تو کُل مخلوقات و موجودات کی ارواح مراتب بہ مراتب' جماعت بجماعت صَف بصف پیدا ہوئیں' اور رب العزت کی طرف متوجہ ہو کر کھڑی ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کہا' بالاتفاق کُل ارواح نے جواب دیا۔ "بَلٰی"۔ اس کے بعد بعض ارواح اپنے جواب سے ناخوش اور پشیمان ہو کر منکر ہوئیں۔ یہ منافقوں' مشرکوں اور نافرمانوں کی روحیں تھیں اور بعض اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کی آواز پر اپنے جواب پر بہت خوش اور مسرور ہوئیں۔ اس کے بعد پروردگار نے روحوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمھیں جو کچھ مانگنا ہو' مانگو میں تمہیں عطا کروں گا۔ تمام ارواح نے بائیں جانب کی ارواح کے سامنے دنیا کی زینت اور آرائش کی تصویر کھینچی۔" ص

اس طویل تمثیلی بیان کو نقل کرنے سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک خیر و شر کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے اور حقیقتِ انسانی اگرچہ حق تعالیٰ کے مطالبے یا سوال پر "بَلٰی" ہی کہتی ہے مگر افراد انسانی اپنے طبقاتی رجحانات و میلانات کی بناء پر زمین کی زیب و زینت کی طرف جھک جاتے ہیں۔

خیر و شر کے معاملے میں وہ کسی گہرے فلسفہ میں نہیں پڑتے اور زیادہ تر واعظانہ رنگ ہی میں خیر کی تبلیغ کرتے اور شر سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔ خیر و شر کے متعلق انکا رویہ خالصتاً مذہبی ہے۔ شریعت محمدیہ ﷺ خیر کا راستہ ہے۔ کفر' شیطان اور نفس امارہ شر کی قوتیں' جو اس راستہ سے گمراہ کرتی ہیں۔ فقیر کے لئے اس قدر علم فرض ہے کہ جس سے حق و باطل میں امتیاز کر سکے۔

اکثر وہ نفس' دنیا اور شیطان کا ذکر کرتے ہوئے انھیں تمام گمراہی کا سبب بتاتے ہیں۔ نفس سفلی خواہشات کی تسکین کی ترغیب دیتا ہے اور دنیا وہ ہے' جو "یاد مولا کو دل سے بھلائے اور خدا تعالیٰ سے باز رکھے" چنانچہ دنیا اس کی تسکین کا سامان پیش کرتی ہے۔ شیطان کے بارے میں حکیمانہ انداز میں وہ کوئی تمثیلی انداز اختیار نہیں کرتے' بلکہ صرف یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ شیطان داخل و خارج دونوں طرف سے بدی کی طرف مائل کرتا ہے۔ مرد فقیر ان تینوں کے محاصرہ سے نکل کر شریعت میں پناہ ڈھونڈتا ہے۔ کہ "ذکر و فکر اور معرفت فقر اور فیض رحمت" پیروی اسلام میں ہے۔

اخلاقی و دینی اعتبار سے خیر و شر ہر ایک پر واضح ہے۔ اس کا ذکر کرنے کے بعد وہ سیدھا سادا سوال کرتے ہیں:

"پس اے طالب! اب تو خیر کو چاہتا ہے یا شر کو؟"

www.yabahu.com

مقامات شعور

(نفس، قلب، رُوح، سِرّ)

انسان اپنے روحانی و اخلاقی ارتقاء میں مختلف مقامات شعور سے گزرتا ہے۔ صوفیاء ان کی نشاندہی کے لئے نفس، قلب، رُوح اور سِرّ کی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں۔

نفس وہ مقام شعور ہے، جہاں انسان کو نہ صرف نیکی اور بدی دونوں کا شعور ہوتا ہے۔ بلکہ اس کا طبعی میلان بدی کی طرف کسی قدر زیادہ ہوتا ہے۔ اگر انسان خود اپنی اصلاح کی طرف مائل ہو، یا تربیت و تہذیب کے لئے اپنے آپ کو کسی مرشد کے سپرد کر دے تو نفس کی تاریکی روشنی سے بدل جاتی ہے۔ نار نور بن جاتی ہے۔ "کلید التوحید" میں سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے تین اشعار سے اس کی وضاحت کی ہے۔

نفس را تحقیق کردم از خُدا ہر حقیقت یافتم از مُصطفٰے
نفس ناری عاقبت چُوں نُور شُد قلب قالب ہر اعضا مغفور شُد
انبیاء را نفس صورت انبیاء اولیاء را نفس صورت اولیاء

نفس کی ابتدائی اخلاقی کیفیت سے جب انسان ترقی کرکے نفس مطمئنہ کے درجے تک پہنچتا ہے تو نفس کے بعد دوسرا مقام شعور قلب ہے۔

قلب گویا انسان کی روحانی شخصیت کا مرکز ہے۔ اگر یہ درست ہے تو کردار اور رویہ سب درست ہوں گے۔ اگر یہ مرکز اپنی جگہ سے ہل گیا تو اخلاقی و روحانی شخصیت کا تار و پود بکھر جائے گا۔ قلب انسان کا وہ مقام شعور ہے جہاں انسان زمان و مکان سے بے نیاز ہو کر عمل کرتا ہے۔ اس کی ضمیر کی روشنی لوح محفوظ پر پڑتی ہے تو علم کا دائرہ وسیع ہوجاتا ہے۔ " قلب ایک سمندر ہے بشرطیکہ صاحبِ قلب، صاحبِ توحید ہو۔ جب اس سمندر میں غوطہ لگائے تو ازمنہ ثلاثہ یعنی ماضی، حال اور مستقبل

کے حقائق اور علوم اس پر منکشف ہوں اور وہ روشن ضمیر ہوجائے اس پر لوح محفوظ کے علوم منکشف ہوں اور دل کی آنکھوں سے لوح محفوظ کی تحریر کو پڑھ لے بلکہ سمندر میں غوطہ لگانے سے قلب اور لوح ضمیر واضح اور کشادہ ہوجاتی ہے۔"

(توفیق الہدایت صہ ۲۵)

"صاحبِ قلب پر تمام الہام، واردات غیبی اور فتوحات وارد ہوتی ہیں"

(ایضاً صہ ۶۸)

قلب ایک "نہایت وسیع ولایت اور ملک عظیم" ہے۔ جس پر ہروقت اللہ کی نظر رہتی ہے۔ یہ توحید الٰہی کا سمندر ہے" کہ اللہ تعالیٰ کا عرش اس پر اتر آتا ہے۔

قرآن مجید کی آیات کے حوالے دے کر حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے زندہ قلب کی تین قسمیں بیان کی ہیں: قلب منیب، قلب شہید، قلب سلیم، ساتھ ہی ان کی تشریح کے لئے ایک روایت بھی نقل کی ہے، جس میں کہا گیا: "دل تین قسم کا ہوتا ہے۔ قلب منیب، قلب شہید، اور قلب سلیم، منیب، جو ہمیشہ اطاعت اور فرمانبرداری میں رہے۔ شہید اسرار العلمین کی معرفت میں ہے اور قلب سلیم وہ ہے، جس میں اللہ کے سوا کچھ نہ ہو۔" گویا قلب سلیم، نفس مطمئنہ کا ارتقائی مرتبہ ہے اور اس کے بعد جب انسان کی روحانی حالت مزید تجرید کی طرف مائل ہوتی ہے تو روح کا مقام آتا ہے۔

"روح نُور ہے" اور "رُوح امرِ ربّی ہے۔" لہٰذا یہ وہ مقام شعور ہے، جہاں انسان کی بصیرت براہ راست اللہ تعالیٰ کے نور سے اکتساب فیض کرتی ہے۔

سِرّ، توحید مطلق یا فنافی اللہ کا مقام ہے۔ "اس وقت بندے اور خدا میں فرق نہیں ہوتا، لیکن اس سے جدا بھی نہیں ہوتا۔"

روحانی شخصیت عام دنیوی شخصیت کی نسبت کہیں زیادہ ضبط و نظم اور توازن کی متقاضی ہے۔ جب تک "تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب اور تجلیۂ روح و سِرّ" نہ ہوجائے اور یہ چاروں متفق نہ ہوجائیں، مرد راہ کی روحانیت میں استقلال کا اعتبار نہیں ہوسکتا۔

www.yabahu.com

"..... عمل کے موافق نفس، قلب اور روح تینوں ایک نور بن جاتے ہیں۔ اسی کو انسان کامل کہتے ہیں" (عقل بیدار ۲۵)

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیمات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ نفس رسید ہے، قلب دید ہے، روح یافت ہے اور سر شناخت ہے۔ اصلاحی سلسلہ میں اس کو اس ترتیب سے بیان کرسکتے ہیں کہ نفس شریعت کے احکام کی متابعت سے پاک ہوجاتا ہے۔ قلب طریقت کی دنیا میں روشنی حاصل کرتا ہے۔ روح معرفت کے ادارک سے جلا پاتی ہے اور سر وہ مقام ہے، جہاں بندہ حقیقت سے واصل ہونے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔

صوفیائے نقشبند رحمتہ اللہ علیہما کی اصطلاح میں خفی اور اخفیٰ کے اضافہ کے ساتھ انھیں لطائف کہا جاتا ہے۔ ان کی تعلیمات کی رو سے انسانی وجود میں کچھ ایسے لطیف مراکز ہیں، جن کا اپنا اپنا رنگ اور اپنی اپنی تاثیر ہے۔ ان کے تجلیہ کے لئے مختلف ریاضتیں اور مشقیں بھی تجویز کی گئی ہیں، لیکن حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے جسم کے بعض مقامات میں لطائف کی نشاندہی کے لئے اس قدر تفصیل سے کہیں کام نہیں لیا۔ انکے نزدیک تجلیہ لطائف کے لئے ان کا عملی سلوک ہی کافی ہے۔ اس سلسلے میں ان کا انداز فکر و تحقیق المغرب کے صوفیا جیسا ہے۔ ٹائیٹس برکہارٹ نے مغربی صوفیا سے جو کچھ اس بارے میں سیکھا، اس کا ماحصل انہوں نے یوں بیان کیا ہے:

"نفس اور روح اپنے مشترکہ بیٹے قلب پر قبضہ کرنے کے لئے جنگ آزما ہوتے ہیں۔ الروح سے یہاں وہ اصول ادراک مراد ہے، جو انفرادی فطرت سے آگے نکل جاتا ہے اور النفس سے مراد سائیکی ہے۔ یعنی وہ مرکز گریز رجحانات جو میں، کی غیر مستقل اور پراگندہ ولایت کو متعین کرتے ہیں۔ جہاں تک قلب کا تعلق ہے، یہ نفس کا مرکزی رکن ہے، جو جسمانی ہیئت اجتماعی کے حیاتی مرکز سے مشابہت رکھتا ہے۔" اور "دل کا سب سے زیادہ

اصلی یا ذاتی مرکز "سر" کہلاتا ہے۔ یہ وہ ناقابل فہم مقام ہے، جہاں بندہ خالق سے ملاقی ہوتا ہے" ۳۰۔

صاحب "عوارف المعارف" نے ان مقامات پر اس طرح اظہار خیال کیا ہے:

"ہمارے خیال میں جسے سر باطن کہا جاتا ہے، وہ ایسی شے نہیں جس کا روح اور نفس کی طرح مستقل وجود ہو، بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ اگر نفس صاف اور پاکیزہ ہوجائے تو روح نفس کی تاریکی کی قید سے آزاد ہو کر مقامات قرب کی بلندیوں پر چڑھنے لگتی ہے۔ اس موقعہ پر قلب بھی اپنے مرکز سے ہٹ کر روح کی طرف جھانکنے لگتا ہے اور اس میں ایک صفت بھی پیدا ہوجاتی ہے۔ جن لوگوں کو اس کا علم ہوتا ہے، وہ اس زائد صفت کو قلب سے زیادہ پاکیزہ پاتے ہیں۔ اس لئے وہ اس کا نام سر باطن رکھتے ہیں۔" (صہ ۵۱۸)

المغرب کے شاذلی صوفیا اور عارف سہروردی کی طرح حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے بھی صوفیائے نقشبند کے برعکس ان مقامات شعور کے بیان میں عام طور پر تجریدی انداز اختیار کیا ہے۔

شرحِ معارف و مصطلحاتِ فقر

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتب میں احوال و مقامات اور معارف و مصطلحات فقر کی تشریح اپنے روحانی تجربات کی رو سے مخصوص انداز میں لکھی ہے۔ سلطان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی کتب کو سمجھنے کے لئے یہ تشریحات ذہن میں موجود رہنی چاہیں، ان میں سے چند ایک کا تذکرہ درج ذیل ہے:

عقل بیدار: یہاں تک تو صوفیاء متفق ہیں کہ عام دنیوی امور میں ہم جو سوچ سمجھ کی قوت یا صلاحیت استعمال کرتے ہیں، وہ معارف حکمتِ الٰہیہ کے سمجھنے میں ایک حد

www.yabahu.com

تک مدد دے سکتی ہے۔ آگے اختلاف محض طرزِ فکر میں ہے۔ صوفیاء نے اپنے علمی مباحث میں کہیں یہ کہا ہے کہ عقل ایک الگ ملکہ ہے اور وجدان الگ۔ وجدان کے ذریعہ ہم روحانی علوم و اسرار تک رسائی حاصل کرپاتے ہیں۔ کبھی کبھی وجدان کو عشق بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ یہ مجاز مرسل کی ایک صورت ہے' کیونکہ عشق میں وجدان پوری طرح جاگ اٹھتا ہے اور چشم زدن میں مقصود اصلی تک پہنچا دیتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ عقل تحلیلی یا تجزیاتی انداز میں نتیجہ تک پہنچتی ہے' لیکن وجدان ایک جست میں نتیجہ تک پہنچا دیتا ہے۔ زمانہ حال کے کچھ ماہرین نفسیات کی رائے میں وجدان اس جبلت کی ترقی یافتہ شکل ہے' جو حیوانوں میں پائی جاتی ہے۔

بعض صوفیاء نے عقل کو ایک محیط' جامع اور مکمل ملکہ قرار دیا ہے۔ وہ دنیوی معاملات میں سوجھ بوجھ رکھنے والی عقل کو "عقل جزئی" کہتے ہیں اور مذہبی و روحانی امور کو سمجھنے والی عقل کو "عقل کلی" کا نام دیتے ہیں۔ سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ مؤخرالذکر گروہ کی رائے سے اتفاق رکھتے ہیں۔

اسرار تصوف و حکمت الہیہ مادی عقل کے بس کی بات نہیں "اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہونے کا کونسا علم اور طریقہ ہے۔ وہ محض مشاہدۂ ذات کا نوری حضوری علم ہے' جو اس مادی عقل اور ہوش سے بالاتر ہے۔" (نورالہدیٰ صہ ۳۸)

یہ کام عقل کلی کا ہے: سنو! بعض کو عقل ایک دوسرے سے بطور بھیک مانگنے کے حاصل ہوتی ہے' لیکن اولیاء اللہ کو علم باعقل اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہوتی ہے۔ اسی کو عقل کلی کہتے ہیں۔ چنانچہ اس عقل کی وجہ سے وہ تمام کل وجز کا حاکم اور عالم خبرگیر ہوتا ہے۔

عقل کلی' گنج نورش باحضور بے حضوری' بے عقل و از حق بدور
عقل بیدار است خوابش را گیر عاقلاں غالب بوند روشن ضمیر
(عقل بیدار' صہ ۲۲)

عام طور پر وہ اس عقل کو "عقل بیدار" کا نام دیتے ہیں۔

توجہ: توجہ کی صلاحیت انبیاء و اولیاء کو حاصل رہی ہے اور اس سے بڑے بڑے کام لئے جاسکتے ہیں۔ مرشد میں چند ایک منفرد صلاحیتیں سلطان صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے بیان کی ہیں' اس میں سے ایک توجہ دینے کی صلاحیت بھی ہے۔ اس سے مرید کی اصلاح کا کام لیا جاتا ہے۔ توجہ دراصل اپنی فکر و تصوری طاقتوں کو ایک نقطے پر مرکوز و مجتمع کرنے کا نام ہے۔

ابتداء تصورِ اسمِ ذات سے ہوتی ہے اور بعد میں مسلسل تصور و تفکر کے ذریعہ یہ اہلیت پیدا ہوجاتی ہے کہ اس قسم کا ذاکر جب چاہے' اپنے تئیں توحید میں مستغرق کرسکتا ہے۔ چنانچہ توجہ سے خود کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔ جب مرشد کسی طالب حق کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اپنی ساری قوتوں کو مجتمع کرکے اسے راہ حق پر لانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی لئے حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے اسے بہت اہمیت دی ہے۔

"..... غرض چلوں میں ریاضتیں کرنے اور ہزاروں دعوتیں پڑھنے اور حد سے زیادہ بے شمار ذکر و فکر کرنے اور لنگر پر خزانہ بے شمار خرچ کرنے سے بدرجہا بہتر اور مفید تر ہے کہ تصور و توجہ فقیر کامل و تصرف و فقیر کامل و فقیر اکمل اور جذب فقیر جامع ایک بار ہوجائے۔ جو فقیر اللہ تعالیٰ کے قرب سے توجہ کرنا جانے' اس کی توجہ روز بروز قیامت تک بڑھتی رہتی ہے۔ کبھی بند نہیں ہوتی۔" مرشد کامل کی توجہ کو انھوں نے "کل الکلید" کہا ہے۔

توجہ کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ کچھ ظاہری اور کچھ باطنی "ظاہری تو تلاوت قرآن سے رواں ہوتی ہیں اور باطنی ذکر' فکر' مراقبہ' مکاشفہ' معرفت اور توحید سے" توجہ ایک بڑی لطیف اور زود اثر قوت ہے اور یہ جبھی طالب پر اثر انداز ہوسکتی ہے کہ مرید اپنے آپ کو مرشد کے سپرد کر دے۔ لطیف کے لئے مقام بھی لطیف چاہیے ورنہ کثافت لطافت کا راستہ روک دے گی۔

مراقبہ و مشاہدہ: حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ مراقبہ کو ایمان کا وہ جوہر بتاتے

www.yabahu.com

ہیں جس سے قرب رحمان حاصل ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک "مراقبہ اللہ تعالیٰ تک پہنچانے کا وسیلہ ہے اور مراقبہ ایک آگ ہے وہ شیطانی وسوسوں اور خطرات کو اس طرح جلا کر خاکستر کر دیتا ہے۔ جس طرح آگ خشک لکڑی کو"

مراقبہ دل کی نگہبانی کو کہتے ہیں تاکہ خطرات نفسانی و شیطانی سے دل کی حفاظت کی جاسکے اور غیر اللہ کا خیال دل میں نہ آئے۔

مراقبہ میں آنکھیں بند کرلیتے ہیں اور ذکر و فکر میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ یہ ذکر جو دل ہی دل میں جاری رہتا ہے' اسماء حسنیٰ کا بھی ہوسکتا ہے اور کسی آیت کا بھی۔ محض اسم ذات کا تصور بھی ہوسکتا ہے اور کسی صفت الٰہی یا صفات الٰہی پر مشتمل کسی آیت میں تفکر بھی۔ یہ ذکر و فکر جاری رہنا چاہیے حتیٰ کہ استغراق کی کیفیت طاری ہوجائے۔

استغراق یا غیبت کی یہ کیفیت بظاہر خواب سے ملتی جلتی ہے اور عام طور پر احوال بھی یکساں ہوتے ہیں' البتہ خواب میں دل کی نگہبانی و حفاظت میں اس قدر احتیاط نہیں ہوتی۔ اس لئے "مراقبہ خواب سے زیادہ قوی اور کہیں زیادہ غالب ہوتا ہے۔"

مراقبہ میں انسان پر روحانی اسرار منکشف ہوتے ہیں اور وہ اللہ کے نور کا مشاہدہ کرتا ہے۔ "جسے یہ دیدار نصیب ہوتا ہے' پھر وہ ایک لحظہ بھی تجلیات ذات کے مشاہدہ اور دیدار سے نہیں رکتا۔ خواہ ظاہر میں لوگوں سے بات چیت ہی کیوں نہ کرتا ہو۔ اسے باطن میں ہمیشہ دائمی حضوری حاصل ہوتی ہے۔"

مراقب کے لئے اس کا یہ عمل تعلیم کا ذریعہ بھی بن جاتا ہے۔ مراقبہ میں ذکر کے دوران "طالب کو نور ذات کی تجلیات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ الہام و پیغام یہ ہے کہ توجہ و وہم' خیال اور دلیل کے ذریعہ رب جلیل سے جواب باصواب حاصل کرے"۔

مختلف مقامات پر سلطان صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے مراقبہ کی مختلف قسمیں بیان کی ہیں۔ محک الفقراء میں تین قسمیں مندرج ہیں۔ مراقبۂ مبتدی جس میں استغراق

حاصل ہوتا ہے اور انسان روشن ضمیر ہوجاتا ہے۔ مراقبۂ متوسط جس میں استغراق یہاں تک پہنچتا ہے کہ خارج اور اس کے عوامل سے بالکل بے خبر ہوجاتا ہے۔ مراقبۂ منتہی کہ طالب "مقام استغراق وحدت" تک جا پہنچتا ہے۔

"نُورا لہُدیٰ کلاں" میں لکھتے ہیں: "مراقبہ کا تین قسم کا ہے اول مراقبۂ توفیق مثل معراج' دوم مراقبۂ درجات و سیر طبقات' سوم مراقبۂ الہام از قران" ان قسموں کو بھی مذکورہ بالا اقسام کے ساتھ تطبیق دے کر سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

"عین الفقر" میں انھوں نے مراقبہ کی سات قسمیں بیان کی ہیں۔ "اول مراقبۂ عام' دوم مراقبۂ خاص' سوم مراقبۂ خاص الخاص' چہارم مراقبۂ اخص' پنجم مراقبۂ عشق' ششم مراقبۂ محبت' ہفتم مراقبۂ فنافی الفنا' فنافی اللہ بقا باللہ کہ صاحبِ مراقبہ توحید میں غرق ہوجاتا ہے..... اور مراقبہ ایسا ہوتا ہے' جس طرح آفتاب کہ جب طلوع ہوتا ہے تو اس سرے سے اس سرے تک زمین اور آسمان کو روشن کر دیتا ہے اور ماہتاب کہ اس کی روشنی سے تمام عالم جگمگاتا ہے اور دوسرے تاروں کی روشنی اس کے سامنے ماند ہوجاتی ہے۔ صاحب مراقبہ کا بھی یہی حال ہے کہ جب وہ آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھتا ہے تو تمام چیزیں سوختہ ہوجاتی ہیں اور درمیان میں کوئی حجاب باقی نہیں رہتا۔" (صہ ۱۰۴)

مراقبہ میں مختلف مناظر بار بار بکثرت نظر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے ان کی تعبیر لکھی ہے۔ صوفیاء عموماً" ان کی تعبیر انفرادی طور پر پیر طریقت پر چھوڑ دیتے ہیں' لیکن سلطان صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے مبتدیوں کی تعلیم اور رہبری کے لئے اسے شرح و بسط سے بیان فرمایا ہے۔

سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ ندی کا پانی' باغ' حور و قصور دیکھتے ہیں یا خواب میں نماز پڑھتے ہیں' کعبہ کی زیارت کرتے ہیں' مدینہ منورہ کے حرم کی زیارت کرتے ہیں۔ یہ اہل تقویٰ' اہل جنت اور علمائے باعمل کا مرتبہ ہے۔ یا خواب اور مراقبہ میں دریا کے پانی میں کھیلتے ہیں اور پھر یہ چھوڑ کر سیر و طیر کرتے ہیں

www.yabahu.com

..... یہ مراتب فقیر کامل اور عارف باللہ کے ہوتے ہیں " ..... "جو شخص مراقبہ میں گاؤ' خر' جاہ ومال' زر و سیم دیکھے تو جاننا چاہیے کہ مراقبہ حیوانی مقام ناسوت سے ہے اور وہ ابھی محبت دنیا میں پھنسا ہوا ہے اور ہنوز اسی کے بیان میں پھنسا ہوا ہے۔ ہنوز اسی کے بیان میں پڑا ہوا ہے اور ذکر اللہ کا اس پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ اس کا علاج یہ ہے کہ طالب لذت دنیا اپنے دل سے دور کرے اور اس کے خیال کو دل سے نکال دے۔"

اسی طرح "جو شخص مراقبہ میں اذان دے یا امامت کرے یا قرآن مجید تلاوت کرے یا ذکر و اذکار پڑھے یا مجلس سرور کائنات صلی اللہ علیہ الصلوۃ والسلام میں داخل ہووئے' جان لے کہ ہدایت الٰہی کی وجہ سے اس کا نفس اور قلب اور روح ایک ہوگیا ہے۔

صاحب مراقبہ کو چاہیے کہ وساوس سے بچے اور کشف و کرامات کے خیال میں بھی نہ پڑے۔

مراقبہ کے فوائد بہت ہیں۔ اسرار و انوار الٰہی کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ ذکر جاری ہو جاتا ہے۔ غیبت کی کیفیت میں انبیاء و اولیاء کی ارواح سے ملاقات ہوتی ہے اور بالآخر مجلسِ محمدی ﷺ کی حاضری بھی نصیب ہوتی ہے۔ اسی طرح صاحب مراقبہ ارض و سماء میں عرش و کرسی و لوح و قلم کی سیروزیارت کرتا ہے اور اسے حق الیقین کا درجہ حاصل ہوجاتا ہے "مراقبہ والے کی نظر وسیع ہوجاتی ہے اور درودیوار شہر و بازار تمام چیزیں اس کے پیش نظر ہوتی ہیں' بلکہ تماشائے شش جہات اس کے روبرو ہوتا ہے۔"

سلطان صاحب تنبیہہ بھی کرتے ہیں "اہل دیدار سنو! جب مراقبہ کرنے والا ذکر میں مشغول ہوتا ہے تو اس کے ذکر اور فکر سے ایک ہیولیٰ آدمی کی طرح پیدا ہوتا ہے۔ جہاں خاص مراقبہ ہو۔ انبیاء و اولیاء اور اصفیاء کی مجلسوں اور توحید ذات تک کو دکھلا کر پھر مقام اصلی پر لے آتا ہے۔ اگر مراقبہ میں مشاہدہ نہیں تو وہ مراقبہ نہیں' بلکہ شیطانی کھیل ہے..... اہل حجاب کا ذکر اور مراقبہ بے فائدہ ہوتا ہے' کیونکہ ان کا

دل غلیظ ہوتا ہے۔" (جامع الاسرار' ص ۳۳)

معلوم ہوا کہ مراقبہ انہی کو فائدہ دیتا ہے جو تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کے درپے ہوں۔

کشف و الہام: حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے ایک حدیث کی رو سے علم کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک علم معاملہ' جو کاروبار دنیا سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا علم مکاشفہ' جسے کشف القلوب اور کشف القبور بھی کہا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے گویا علم مکاشفہ ان اسرار کا علم ہے' جو دلوں کے بھید پانے اور قبروالوں کے حالات معلوم کرنے سے متعلق ہے۔ الہام بھی اسی قبیل سے ہے' غیب سے کوئی بات دل میں ڈال دی جاتی ہے' کشف اور الہام میں ظن کا عنصر' بہرصورت باقی رہتا ہے یعنی کشف والہام نفسانی و شیطانی بھی ہوسکتے ہیں۔

اپنی کتب میں اپنے اپنے محل پر سلطان صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے کشف و الہام کی کئی قسمیں بیان کی ہیں "محک الفقراء کلاں" میں دس قسم کے کشف بیان کئے ہیں۔ "توفیق ہدایت" میں ان کو چار قسموں میں محدود کرکے بیان کیا ہے۔ کشف القلوب' کشف نفسانی' کشف شیطانی اور دنیوی مراتب کے لئے کشف۔ پھر "اسرارِ قادری" میں سات قسمیں بیان کرکے فیصلہ دیا ہے کہ حقیقی کشف قربِ الٰہی اور حضوریٔ جناب سرورِ کائنات ﷺ ہے۔ "اس کشف سے حیرت و عبرت اور دن رات کی سوزشِ عشق پیدا ہوتی ہے۔"

الہام کے بارے میں لکھا ہے کہ الہام بلاسبب خیر کی بات دل میں ڈالنے کا نام ہے۔ اسی طرح الہام کی تعریف میں ایک حدیث بھی نقل کی ہے کہ الہام دوسرے کے دل میں خبرڈالنا ہے۔ پھر الہام کی کئی قسمیں بیان کرنے کے بعد لکھا ہے: "الہام وحدت الٰہی کا نشان یہ ہے کہ اول الہام سے روزبروز اس کا دل محبت مولا کی زیادہ کرتا ہے اور دین میں قوی ہوتا ہے' خلق سے انس نہیں پکڑتا اور محبت غیرترک کرتا ہے۔"

www.yabahu.com

اعلیٰ درجہ کے الہام کے بارہ میں "نُور الہُدیٰ" میں شرح الہام کے عنوان کے تحت لکھا ہے: "الہام ایک خاص قسم کا پیغام ہے' جو اللہ تعالیٰ کے قرب اور حضور سے پہنچتا ہے اور خاص الہام جو تصور اسم اللہ ذات سے اللہ تعالیٰ کے حضور سے وارد ہوتا ہے' وہ الہام غیر مخلوق ہوتا ہے۔ اس الہام میں آواز نہیں ہوتی' بلکہ الہام کا ایک غیر مخلوق نور دل کے اندر داخل ہوتا ہے اور صاحب الہام کے دل سے عبارت اور الفاظ کی صورت میں زبان پر جاری ہوجاتا ہے اس قسم کا پیغام اور الہام محض عارف باللہ کو مقام لِی مَع اللّٰہ میں ایک قسم کا خاص اعلام العلوم ہوتا ہے۔ یہ محض فقراء ذاتی کے لئے ایک خاص خلوت کا مقام ہوتا ہے۔"

الہام کی تعبیرو تاویل کے بارے میں انھوں نے وہ باتیں بھی لکھی ہیں' جو صوفیا کی کتب میں سے شاید بہت تفحص کے بعد ہی مل سکیں' محک الفقراء کلاں میں لکھا ہے: "اولیاء اللہ کا الہام چھ قسم کا ہے' یعنی آگے' پیچھے' سیدھے' الٹے' اوپر اور نیچے۔ پس جو الہام پس پشت ہوتا ہے' نفس کی بد خصلتی سے ہے کہ جاتی چور ہے اور جو الٹی طرف سے آواز آتی ہے' وہ عالم غیب جنونیت سے ہے یعنی جن' دیو اور پری' اور جو سیدھے ہاتھ سے آوے اور نیچے سے پیدا ہو' یہ مؤکل فرشتہ ہے یا اولیاء اللہ کی ارواح' اور جو روبرو سے ہو' یہ انبیاء اور اصفیاء اور اصحاب نبی اللہ ﷺ سے ہے اور جو دونو کتف سے آوے' دل سے ہے مثل وہم یا خیال کے یا دلیل بے آواز اور بے صورت دل سے چپکتی ہے اور صورت کی صورت بستہ نہیں ہوتی ....." ساتھ ہی تنبیہہ بھی کر دی ہے کہ "یہ مرتبہ مقام فقیری کا ہے اس پر مغرور مت ہو کہ مقام اللہ کے قرب وصال کا آگے ہے ..... درمیان کشف اور کرامات اور مقام فنافی اللہ کے ایک لاکھ ستر ہزار مراتب ہیں۔"

تجلّی: صاحب کشف المحجوب تحریر فرماتے ہیں کہ تجلّی "انوارِ حق کی تاثیر ہے' جو مقبولان بارگاہ کے قلوب پر ہوتی ہے' جس سے وہ اس درجہ پر پہنچتے ہیں کہ حق کو دیکھتے ہیں۔" صاحبِ عوارف اسے "ناصیۂ توحید کا نُور" کہتے ہیں۔ وہ تجلی صفات کو

وصول کا دوسرا اور تجلی ذات کو تیسرا درجہ قرار دیکھتے ہیں۔ نیز تجلی ذات کے بارے میں بیان کیا ہے کہ "کچھ لوگ مقام فنا کی طرف ترقی کرتے ہیں اور ان کے باطن پر یقین ومشاہدہ کے انوار و تجلیات نازل ہوتے ہیں۔ وہ اس کے مشاہدہ میں محوّ ہو کر اپنی ہستی سے غائب ہوجاتے ہیں۔

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کی کتب سے تجلی کے بارے میں ان کے مختلف معارف اگر یکجا جمع کئے جائیں تو زیادہ تفصیل ملتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: تجلی کا مفہوم روشنی ہے اور "اسم ذات کے دائمی تصور سے دل پر ہزارہا تجلیات وارد ہوتی ہیں' جن سے دل اور بھی روشن اور چمک دار بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ بے حجاب نظر آنے لگتا ہے۔ معرفت الٰہی کی بے حجاب روشنی آفتاب کی روشنی سے بھی بڑھ کر ہوتی ہے۔ اس مقام پر سب کچھ عین بعین دکھائی دیتا ہے اور غیب الغیب منکشف ہوجاتا ہے۔"

یہ سب روشنی قلب کی دنیا میں نظر آتی ہے۔ نور ذات کی تجلیات قلب میں سے آفتاب کی طرح چمکتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی تجلی نازل ہوئی تھی' لیکن وہ اسے برداشت نہ کرسکے حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ اُمّتِ محمّدیہ ﷺ کے درویشوں پر فخر کرتے ہیں کہ جن کے "دلوں پر دن میں ہزار ہزار بار" تجلیات کا ظہور ہوتا ہے' لیکن ان کے حوصلہ میں فرق نہیں آتا۔

"اور جو لوگ اہل اللہ ہیں' وہ ہر وقت تجلیات الٰہیہ میں رہتے ہیں۔ اور برابر انوار پروردگار کو عالم خواب و مراقبہ میں مشاہدہ کرتے ہیں۔"

(محک الفقراء کلاں ص ۲۸)

وہ تجلّی کی قسمیں بیان کرتے ہوئے مختلف مقامات پر مختلف تعداد بیان کرتے ہیں۔ ایک دو جگہ چودہ قسمیں تحریر فرمائی ہیں اور کہا ہے کہ تجلی کے یہ سب مقامات آزمائش سمجھنے چاہیں۔ "کتنے ہی لوگ تھے' جو ان مقامات پر گمراہ ہوگئے یا رجعت کھا کر مرتد ہوگئے" (جامع الاسرار ص ۳۹) دوسرے مقام پر صرف چار قسمیں لکھی ہیں۔ پھر ایک

www.yabahu.com

جگہ ان کو محدود کرکے صرف دو پر اکتفا کیا ہے۔ یعنی تجلی نوری اور تجلی ناری۔

"اول تجلّی نوری جو کہ نُورِالٰہی سے یا نُورِ محمّدی سے یا نُورِ قلب یا نُورِ رُوح یا نُورِ ملائکہ یا نُورِ خاکی اہلِ اسلام سے ظاہر ہوتی ہے۔ جب طالب اللہ کے وجود میں یہ کل تجلیات ظاہر و باطن مجتمع ہوتی ہیں تو اب اسے وجمعی' ترک دنیا' توکل' صبر و شکر' ذوق و شوق' قناعت' توفیق الٰہی طاعت و عبادت' ذکر و فکر' عشق و محبت' فنا و بقا' غرق و استغراق' معرفت الٰہی و علم شریعت ظاہری و باطنی وغیرہ حاصل ہوتے ہیں۔

"دوم' تجلّیٔ ناری کہ اس سے نار نفس' یعنی غصہ و غضب و عداوت و کینہ و نار شیطانی حرص و طمع و طلب دنیا و معصیت (گناہ و نار جنونیت جس سے طلب جوعات خلق و حرص' ترقی' درجات دنیا و پیروی اہل دنیا و اہل مشرب پیدا ہوتی ہے۔" (مجالستہ النبی ص ۱۹)

تجلی سے فقر کی اقدار فقیر کے قلب و روح میں تقویت حاصل کریں تو اسے تجلی نوری و رحمانی سمجھنا چاہیے اور اگر اس سے بھوک کی آگ بھڑکے اور اس کے ساتھ خلقت کی طرف رجوع بڑھے تو اسے تجلّیٔ ناری و شیطانی خیال کرنا چاہیے۔

صاحب عوارف المعارف کی طرح حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ بھی تجلی کو فقیر کی مرضی کے تابع سمجھتے ہیں:

"اور جب چاہے' تجلی اس پر نازل ہوتی ہے اور مشاہدات کے ساتھ دل میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس کو (ایسے فقیر کو) ابوالوقت کہتے ہیں۔"

(محک الفقراء ص ۲۰۱)

تجلی کے انوار دراصل حکمت الٰہیہ کے فیض کے انوار ہیں اور یہ بے شمار ہیں انتہائی مقام پر ان کو محدود الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اسی لئے حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

گر کُنم شرح تجلّی را تمام

دفترش گردد رقم از خاص و عام

نُور: "نُور کیا چیز ہے؟ نور ایک غیر مخلوق باطنی برقی قوت ہے' جو حروف اسم اللہ ذات سے نمودار ہوتی ہے۔ یہی انوار وسیلہ و دیدار ہیں اور نصیب اولیاء اللہ زندہ دل و عقل بیدار ہیں۔" (نورالہدیٰ کلاں ص ۱۸۶)

یہ قوت انسانی وجود میں ذکر و فکر سے پیدا ہوتی اور اسی سے بڑھتی ہے۔ اسم اللہ ذات کے تصور و ذکر سے جو انوار پیدا ہوتے ہیں' ان سے "ساتوں اعضاء نور مطلق ہو جاتے ہیں اور ہر عضو سے نور ٹپکتا ہے اور اسی نور سے ذات حق کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔" اور "اسم ذاتی کے تصور کے نور سے معرفت الٰہی کے نور کا مشاہدہ ہونے لگتا ہے۔"

مشقِ مرقومِ وجودیہ: حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کے سلوک فقر کا سب سے بڑا رکن "تصوّرِ اِسم ذات" ہے۔ اس کی مختلف مشقیں انھوں نے اپنی کتابوں میں تجویز کی ہیں۔ "عقل بیدار" اور دیگر رسائل میں بہت سے نقش اور دائرے بنائے ہیں جن کے تصور و تفکر سے اسم ذات کی تجلیات ظاہر ہوتی ہیں۔

مشق مرقوم وجودیہ وہ نقش ہے' جس کے کلمات کو پورے وجود کے مختلف اعضاء پر انگشت تفکر سے لکھا جاتا ہے۔ اس کی مشق بار بار کرنے سے قلب پر انوار نازل ہونے لگتے ہیں اور سارا وجود روشن ہوجاتا ہے۔ مشق مرقوم وجودیہ ابتداء و انتہاء سلوک میں برابر اہمیت رکھتی ہے۔

"اگر کسی کے وجود میں اسم اللہ ذات قرار نہ پکڑے تو اس کا علاج یہ ہے کہ دن رات تفکر سے دل یا سینے میں یا سر میں یا دماغ میں یا آنکھ پر مشق مرقوم وجودیہ لکھیں تو چند روز بعد اسم اللہ ذات سارے وجود کو اپنے قبضہ میں لا کر سر سے پاؤں تک نور ذات کی تجلیات میں غرق کر دے گا اور انسان اللہ تعالیٰ کا منظور نظر ہوجائے گا۔" (توفیق الہدایت' ص ۴۳)

www.yabahu.com

"صاحبِ مشق وجودیہ' معشوق بے مشقت ہوتا ہے کہ اسے احتیاج خواب نہ حاجتِ مراقبہ' بلکہ جس امر کے لئے اللہ تعالیٰ کے قرب و حضور اور مجلسِ محمدیؐ پُرنُور کی طرف متوجہ ہوتا ہے' اسے جواب باصواب سے آگاہی ہوجاتی ہے اور اس کا ظاہر و باطن ایک ہوجاتا ہے۔" (نور الہدیٰ ص ۴۳)

مشق وجودیہ کرنے والے شخص کی توجہ سے تمام مقامات اس پر منکشف ہوجاتے ہیں اور اس کا قلب تجلیات کا مرکز بن جاتا ہے۔

اسمِ اعظم: اسم اعظم کے بارے میں عوام کا یہ عقیدہ ہے کہ اس کے محض پڑھ لینے سے تسخیر و تصرف کی بے پناہ طاقت حاصل ہو جاتی ہے' حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں میں سے کوئی بھی اسم اعظم ہوسکتا ہے۔ مثلاً" ایک جگہ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے اسم ذات "اللہ" کو اسمِ اعظم لکھا ہے۔ دوسری جگہ لکھا ہے: اسمِ اعظم "حَیّ و قیُوم" ہے۔ ایک شعر میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے

اِسم اعظم باھُو از ھُو بجو
ھُو حقیقت سِرّ او باکس مگو (۴۔)

معلوم ہوتا ہے ذکر کی کثرت سے اسماء حسنیٰ میں سے کسی اسم کی تاثیر جب ذاکر کے دل میں ظاہر ہوتی ہے اور اس سے اس کی روحانی قوت بڑھتی ہے' تو وہ اس کے حق میں اسم اعظم کا حکم رکھتا ہے۔ "جس کے نصیب اچھے ہیں' اس کی خواہش ہے تو وہ قرآن شریف اور ننانوے ناموں میں سے اسم اعظم حاصل کرسکتا ہے ..... اہل قبور کی خدمت کے بغیر اسم اعظم ظاہر نہیں ہوتا۔ اہل قبر کی ہم نشینی میں اسم اعظم پڑھنے سے صاحب قوت ہوجاتا ہے۔" (جامع الاسرار' صہ ۶۴)

جب تک تزکیۂ نفس' تصفیۂ قلب اور تجلیۂ روح کے بارے میں مراحل طے نہ کرے' اسم اعظم حاصل ہوتا ہے نہ اس کی تاثیر ظاہر ہوتی ہے۔ اسم اعظم صرف "وجود اعظم" میں قرار پکڑتا ہے یہ وجود فقرائے کامل کا ہوتا ہے یا علمائے عامل کا کہ

"علمائے عامل وہی فقرائے کامل ہیں'۔"

اسم اعظم کی تاثیر کے بارے میں "جامع الاسرار" میں فرماتے ہیں:

"جس شخص کے دل میں اسم اعظم قرار پاتا ہے' پہلے اس پر علم لدنی واضح اور روشن ہوجاتا ہے۔ دوسرے علوی اور سفلی تمام مقامات اس سے پوشیدہ نہیں رہتے' تیسرے رسمی اور کسبی علم کی اسے ضرورت نہیں رہتی' چوتھے ہروقت اسے فیض و عطا اور ہی اور نصیب ہوتے ہیں۔"

"واضح رہے کہ اسم اعظم آدمی کے وجود کو معظم بنا دیتا ہے' دونوں جہان میں کوئی پردہ نہیں رہتا۔ اسم اعظم کے پڑھنے سے چھ باتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اول دل سلیم ہوجاتا ہے۔ دوسرے دل بحق تسلیم ہوجاتا ہے۔ تیسرے دل پر سیدھی راہ کشادہ ہوجاتی ہے۔ چوتھے اس میں کریمی کی صفت آجاتی ہے اور اس پر شیطان رجیم قادر نہیں ہوسکتا۔ پانچویں خلقت کی نگاہ میں عزیز صاحب تعظیم ہوجاتا ہے۔ چھٹے دل منعم نعیم ہوجاتا ہے۔" (صہ ۳۳)

مجلسِ محمدیؐ: حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کی شاید ہی کوئی کتاب ایسی ہو' جس میں مجلسِ محمدیؐ کا ذکر نہ کیا گیا ہو۔ یہ ایک روحانی مقام ہے' جس میں آدمی زماں و مکاں سے بلند ہو کر کشف میں جناب رسالت مآب ﷺ سے نہ صرف متعارف ہوتا ہے' بلکہ مزید قرب حاصل ہونے پر جب چاہے ملاقی ہوسکتا ہے۔ یہ درجہ اولیائے کبیر کو حاصل ہوتا ہے۔ ابتدا اس کی مراقبے سے ہوتی ہے۔

مختلف درجے کے اولیاء کو مختلف مقامات پر یہ شرف حاصل ہوتا ہے۔ حضرت سُلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے "کلید التوحید" میں ایسے نومقامات بیان کئے ہیں۔ (صہ ۳۳)

مجلسِ محمدیؐ کا کشف ایک ذریعہ علم بن جاتا ہے کہ جب بھی کسی بات میں کوئی شک گذرے یا ولی اللہ کوئی ہدایت حاصل کرنا چاہے تو وہ براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رابطہ قائم کرسکتا ہے۔

www.yabahu.com

جُستہ ایں جاہست' جانم دَرحضُور
اِیں مراتب عارفاں از خاص نُور

تجرید و تفرید: "تجرید یہ ہے کہ سالک ہر ایک مقام سے نکل کر تنہا ہوگیا۔ نفس و شیطان سے اس نے خلاصی پائی۔ مقامِ حضور ہمیشہ اس کے مدنظر رہتا ہے۔ منظور ہو کر اس نے نفس مطمئنہ حاصل کرلیا ہے۔ اب اس مقام پر شیطان نہیں پہنچ سکتا اور تفرید اسے کہتے ہیں کہ سالک فرد ہو۔ بظاہر شب و روز عام لوگوں کی طرح رہتا بستا اور ان سے تعلقات رکھتا ہو' لیکن درحقیقت وہ فردیت و مقام ربوبیت میں غرق ہوتا ہے۔" (کلید التوحید' صہ ۱۸۹)

صاحبِ عوارف المعارف نے خلاصتہ" یوں بیان کیا ہے "تجرید میں اغیار کی نفی اور تفرید میں اپنے نفس کی نفی ہوتی ہے۔"

جلال وجمال: جلال و جمال جذب کی دو حالتیں ہیں' جن سے فقیر کی طبیعت مختلف اثرات قبول کرتی ہے "جذب جمالی جمعیت بخشتا ہے اور جذب جلالی استقراری عطا کرتا ہے۔"

فقیر کو جلال و جمال دونو سے گذرنا پڑتا ہے۔ "پس فقیر کو چاہیے کہ ان دونو مقامات (جلالیت و جمالیت) سے گذر جائے اور ان مقامات کو طے کرکے آگے بڑھے اور اطمینان و دلجمعی حاصل کرے' جو دانائی و ہوشیاری سے حاصل ہوتی ہے۔"
(گنج الاسرار' ص ۱۹)

جمعیت: "جمعیت ایک عجیب نور ہے' جس کے سبب صاحب جمعیت قادر ہو جاتا ہے۔" جمعیت یہ ہے کہ آدمی حرص و ہوا سے گذر کر اللہ کا منظور نظر بن جائے کہ "جمعیت قدرت الٰہی سے اللہ تعالیٰ کی توحید و معرفت کا نہایت لطیف و شریف جامہ ہے۔"

جمعیت عطا ہوتی ہے تو بظاہر شریعت کی پابندی لازم ہوجاتی ہے اور بباطن درویش

"مراقبہ میں مستغرق اور تجلی انوار کے مشاہدہ میں مستغرق" ہوجاتا ہے۔

توجہ کے لئے جمعیت کا ہونا ضروری ہے "..... اور جمعیت کے بہت راستے ہیں۔ اصل جمعیت وہ ہے کہ عارف صاحب وصال کو مشاہدہ جمال لازوال میں حاصل ہو' لیکن اس مرتبے کو پہنچنا نہایت مشکل ہے۔ دوسری قسم کی جمعیت یہ ہے کہ عارف کامل کا وجود تمام جہان والوں کے لئے بمنزلۂ جان عزیز بن جائے اور دونو جہان کے دفاتر نیک و بد اس کے اختیار میں ہوجائیں اور وہ خود اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہو۔ تیسری قسم جمعیت کی یہ ہے' کہ عارف ہر ایک کام اجازت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی نظر کیمیا سے کرے اور نظر کیمیا اثر خیرالبشر ﷺ سے اللہ تعالیٰ کی معرفت کے خزائن لا یفنی اور مرتبہ مشاہدۂ دیدار حاصل کرے۔"
(نورالہدیٰ' صہ ۱۳۴)

حاضرات: ٹائٹس برکہارٹ نے اپنے مطالعہ تصوف کی روشنی میں یہ نتیجہ نکالا کہ روحانی عوالم ناسُوت' ملکُوت' جبرُوت' لاھُوت اور ہاھُوت وغیرہ ہی کو حاضرات کہا جاتا ہے' لیکن ساتھ ہی یہ اشارہ بھی کر دیا ہے کہ اور بھی کئی طریقے ہیں' جن سے حاضرات کو پہچانا جاتا ہے ۵۔

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے وجود میں اکتالیس جوہر شمار کئے ہیں' جیسے جوہر علم' جوہر حلم' جوہر حکمت اور جوہر جمعیت وغیرہ اور ان سب کو حاضرات ناظرات آگاہ بتایا ہے۔ یہ حاضرات "یکبارگی قرب اللہ کی معرفت کو پہنچا دیتے ہیں۔"

عقل بیدار میں انھوں نے وضاحت کی ہے کہ "حاضرات کئی طرح کے ہیں۔ چنانچہ حاضرات ذات بھی ہوتے ہیں اور حاضرات صفات بھی ۔ حاضرات حیات بھی ہوتے ہیں اور حاضرات ممات بھی۔ حاضرات نفسانی بھی ہوتے ہیں اور حاضرات جنونیت یا مؤکل بھی ....." وغیرہ وغیرہ

چنانچہ حروف تہجی کے تصور سے بھی جو روحانی قوتیں حاصل ہوتی ہیں' انھیں بھی حاضرات کہا جاتا ہے۔ اس کے لئے سلطان صاحب نے ایک نقش بھی تجویز کیا

www.yabahu.com

ہے جس کے تصور کی مشق سے حاضرات کو تسخیر کیا جا سکتا ہے۔

حروف تہجی کے علاوہ اسماءِ حسنیٰ' آیات قرآن و احادیث رسول اور کلمات طیبات سے بھی حاضرات عمل میں آتے ہیں۔ "جو شخص مذکورہ بالا حاضرات کا عمل جانے وہ کل مخلوقات اور تمام کائنات کی ارواح اور تمام موکلات ملائکہ اور کُل جنات کو جس جگہ جس وقت چاہے حاضر کر سکتا ہے اور جس مقام نادیدہ و دیدہ کو فوراً پہنچنا چاہے' پہنچ جاتا ہے"۔ (نور الہدیٰ صہ ۱۴۶)

تفسیر قرآن و نقل حدیث

قرآن کی تفسیر میں صوفیا کا طریق عموماً یہ رہا ہے کہ وہ آیات قرآنی کی تفسیر و تشریح میں معارف باطن کا زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ ان کے اس طریق کو تفسیر بالرائے تو نہیں کہا جا سکتا' پھر بھی یہ انداز تمام طرز تفسیر سے ہٹا ہوا ضرور ہے۔ قرآنی آیات کے مفہوم پر غور کرتے ہوئے وہ معانی کی اس تہہ پر نظر رکھتے ہیں' جہاں باطنی' روحانی مسائل کی گرہیں کھلتی ہیں۔

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے نصاب فقر میں طالب حق کے لئے تفسیر قرآن و شرح حدیث کا علم لازمی قرار دیا ہے' کیونکہ ان کے بغیر ہر آن گمراہی کا خطرہ درپے رہتا ہے۔

خود ان کا اپنا انداز یہ ہے کہ وہ اپنی تصنیفات میں ہر مسئلہ کے بیان میں اکثر و بیشتر قرآنی آیات کا حوالہ دیتے ہیں اور بہت کم ایسا ہوا ہے کہ انھوں نے باطنی معانی کی طرف توجہ دی ہو' لیکن پھر بھی کہیں کہیں اپنے متصوفانہ انداز میں قرآنی آیات کی تفسیر بیان کی ہے' مثلاً قرآن مجید میں جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چار پرندوں کے ذبح کرنے کا حکم ہوا' وہ اس سے طالب حق کے لئے تزکیۂ نفس کے سلسلے میں یہ استدلال کرتے ہیں کہ طالب حق اپنے وجود کے چار پرندوں کو ذبح کرے۔ یعنی

"شہوت کا مُرغ' زینت کا مور' حرص کا کوّا' اور خواہش کا کبوتر" پھر اس سے چار صفتیں زندہ ہو کر اس کی طرف لوٹ آئیں گی' نفس' قلب' روح اور سر زندہ ہو جائیں گے۔

احادیث کے معاملہ میں ان کا نظریہ خالصتہً واعظانہ یا خطیبانہ ہے (اور عام طور پر صوفیاء کا طریق بھی یہی رہا ہے) وہ اپنے بیان کے استدلال میں جو اقوال احادیث کے عنوان سے نقل کرتے ہیں' اس میں اکثر یہ خیال نہیں کرتے کہ اس حدیث کے بارے میں محدثین کی رائے کیا ہے۔ حدیث خواہ ضعیف ہو یا غیر متواتر' وہ اسے اپنے بیان کے جواز میں نقل کر دیتے ہیں۔

کچھ فقہاء نے اس بات کو اس لئے جائز قرار دیا ہے کہ اس سے قاری یا سامع کے دل پر جو اثرات مترتب ہوتے ہیں' وہ تزکیۂ نفس کے معاون بنتے ہیں۔ لہٰذا واعظین کے لئے اس قسم کی احادیث کی نقل جائز ہے۔

(المعارف' لاہور' اگست ۱۹۷۳ء)

سماع

سماع کا مسئلہ صوفیاء میں متنازعہ فیہ ہے۔ اس مسئلہ پر اتفاق رائے نہیں ہو سکا۔ سماع جس طرح کہ مروج ہے یعنی آلات موسیقی اور آہنگ کے ساتھ قوالی یا شاعرانہ کلام۔ بعض نے اسے بالکل حرام قرار دیا ہے اور بعض کے نزدیک ایک طبقہ کے لوگوں کے لئے حلال ہے اور دوسرے کے لئے حرام۔

حضرت شیخ علی بن عثمان ہجویری معروف بہ حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ دوسرے گروہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے۔ "اچھی طرح سمجھ لو کہ سماع کے اختلاف طبائع کے ساتھ علیحدہ علیحدہ حکم ہیں' جیسے ارادت کے دلوں پر مختلف حکم ہیں اور ظلم ہے کہ کوئی شخص اسے یکساں سمجھے....."

www.yabahu.com

ان کے نزدیک سماع میں نقصان وہ احتمالات بہت ہیں۔ وہ مبتدیوں کو اس سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔" اور میں علی بن عثمان جلابی کہتا ہوں کہ مجھے یہ پسند ہے کہ مبتدیوں کو سماع میں نہ چھوڑیں تاکہ ان کی طبع پریشان نہ ہو' کیونکہ اس میں بڑے خطرات ہیں اور آفت ہے۔ جاہل صوفیوں نے اس کو مذہب بنا رکھا ہے۔"

(کشف المحجوب)

اکثر صوفیوں نے سرود کا جو طریق اپنایا ہے' حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ اسے اچھا نہیں سمجھتے' عام طور پر وہ آلات موسیقی کی آوازوں کے خلاف نظر آتے ہیں۔ البتہ وہ پاک لطیف آہنگ جس سے روح وجد میں آجائے' اس کی تعریف کرتے ہیں۔

"..... چنانچہ جو نیک سرود ہے' وہ انسان کو نیکی کی طرف لے جاتا ہے اور جو مردود ہے' وہ انسان کو مردودیت تک پہنچاتا ہے۔"

"سرود عارفوں کے لئے حالت' محبوں کے لئے طعام' عاشقوں کے لئے وسیلہ اور واصلین کے لئے بمنزلہ شوق ہے۔"

"سرود کا سننا بعض پر فرض ہے' بعض پر سنت اور بعض کے لئے بدعت۔ چنانچہ واصلوں کے لئے فرض ہے' طالبوں کے لئے سنت اور عارفوں کے لئے بدعت۔ تو یہ دیکھ کہ تو کن میں سے ہے؟

آن سرودے را کہ شنوند عاشقاں
عاشقانے کے بود اندر جہاں
راگ تیغ قاتل است سر پیش نہ
گرتو عاشق واصلی سر را بدہ

(عقل بیدار ص ۳۲)

www.yabahu.com

حوالہ و حواشی

۱۔ رسالتہ الاحدیہ (ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ) بحوالہ

An Introduction to Sufi Doctrine

۲۔ The Development of Metaphysics in persia by Dr. Iqbal - P 94

۳۔ An Introduction to Sufi Doctrine P. 118 -

۴۔ "میں نے ۷۹۹ھ میں بعض اللہ والوں کے ساتھ' خدا ان کے شرف کو زیادہ کرے' مکہ میں ایک مجلس کی۔ پھر اس اسم اعظم کے متعلق گفتگو ہوئی' جس کی نسبت نبی علیہ الصلواۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ وہ سورہ بقرہ کے آخر اور سورۂ آل عمران کے اول ہ اس اہل اللہ نے کہا کہ وہ کلمہ ھو ہے۔ اور یہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہر کلام سے مستفاد ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ھاء ان کے قول یعنی لفظ سورہ بقر کا اخیر ہے اور واؤ ان کے قول اول سورہ ال عمران کا اول ہے۔"

(انسان کامل باب ۲۶ ۔ عبدالکریم الجیلی رحمتہ اللہ علیہ)

۵۔ روحانی عوالم ناسوت' ملکوت' جبروت وغیرہ کے مناظر و کوائف کی تفصیل جدید دور کے ایک صوفی بزرگ خواجہ عبدالحکیم انصاری نے اپنے رسالہ "حقیقت وحدت الوجود" میں وضاحت سے بیان کی ہے۔

باب ۸

ابیات

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کے ابیات سی حرفی کی طرز پر لکھے گئے ہیں۔ سی حرفی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ "یہ کسی اور ہندوستانی زبان میں نہیں پائی جاتی اور چونکہ اسکی بنیاد فارسی و عربی میں بھی نہیں' اس لئے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ ایک پنجابی صنف ہے۔"

سی حرفی میں سے بھی کتنی نظمیں اور ان کے دیگر شعری سرمائے میں سے کس قدر کلام ضائع ہوا ہے اور جو موجود ہے' وہ کس حد تک مستند ہے' تحقیقی مواد کی نایابی کی بنا پر اس کے بارے میں کوئی آخری رائے قائم کرنا مشکل ہے' موجودہ صورت میں ان کا کلام ضخامت میں زیادہ ہے نہ تنوع میں۔ چنانچہ ابیات کے اسی مختصر مجموعے پر ہی نظر ڈالی جاسکتی ہے اور اسی کے مطالعہ کے بعد ان کی شاعری کے متعلق کوئی رائے قائم کی جاسکتی ہے۔ پنجابی ادب میں شاعر کی حیثیت سے سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کی شہرت کا انحصار سی حرفی کے انہی ابیات پر ہے۔

کہا گیا ہے کہ یہ ان کا جوانی کا کلام ہے اور دوران سلوک وہ جن کیفیات سے گذرے' ابیات میں انہی کا اظہار کیا گیا ہے۔ (پیش لفظ انوار سلطانی) اس بات کو حتمی طور پر تسلیم کرنے کے لئے کوئی دلیل یا حوالہ موجود نہیں' البتہ اس حد تک یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کہ بعض اشعار میں روحانی تربیت کے ابتدائی دور کی عکاسی نظر آتی ہے۔ مثلاً" پیر طریقت کے فیض سے طالب روحانیت کے وجود میں جوذکر و فکر کی گرمی پیدا ہوتی ہے اور جو سرور وہ محسوس کرتا ہے' جذبۂ شکر گذاری

کے تحت اس کا دِل مُرشد کی محبّت سے لبریز ہوجاتا ہے۔ سُلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کے ان اشعار میں اپنے شیخ سے اس کا تعلق کا اظہار ملتا ہے:

الف ایہ تَن میرا چَشماں ہووے تے مَیں مُرشد ویکھ نہ رَجّاں ھُو
لُوں لُوں دے مُنھ لکھ لکھ چَشماں اِک کھولاں اِک کجّاں ھُو
ایتاں ڈِٹھیاں صَبر نہ آوے ہور کِتے وَل بھجّاں ھُو
مُرشد دا دِیدار ہے باھُو مَینوں لکھ کروڑاں حجّاں ھُو

"مَیں مُرشد کے دیدار سے سیر نہیں ہوتا۔ کاش میرا یہ سارا بدن آنکھ بن جائے' ہر روئیں کے ساتھ لاکھ آنکھیں پیدا ہوجائیں تاکہ ایک بند کروں تو دوسری کھل جائے' پھر بھی کسی طرح قرار نہ آئے تو بھاگ کر کہاں جاؤں؟ باھو! مرشد کا دیدار میرے لئے لاکھ کروڑ حج کے برابر ہے)

ج عِشق اسانوں رِسیاں جاتا' کرکر آوے دُھائی ھُو
چت وَل ویکھاں' مینوں عِشق دِسیوے' خالی جگہ نہ کائی ھُو
مُرشد کامِل ایسا مِلیا جس دِل دِی تَاکی لائی ھُو
مَیں قُربان مُرشد توں باھُو جِس دَسیا بھیت اِلٰہی ھُو

(عشق نے ہمیں کمزور جان کر پے درپے حملے کئے ہیں' میں جہاں دیکھتا ہوں' مجھے کوئی جگہ عشق سے خالی نظر نہیں آتی۔ مجھے ایسا کامل مرشد ملا کہ جس نے دل کی کھڑکی کھول دی۔ میں شیخ کامل پر نثار جس نے اسرار الٰہی سے مجھے آگاہ کیا)۔

م مُرشد وَسّے سَئے کوہاں تے مَینوں دِسے نیڑے ھُو
کی ہویا' بُت اوہلے ہویا پر' اوہ دِسّے وِچہ میرے ھُو

"میرا مرشد سینکڑوں کوس کے فاصلے پر رہتا ہے' مگر پھر بھی وہ مجھے نزدیک دکھائی دیتا ہے۔ جسم اوجھل ہوگیا تو کوئی بات نہیں۔وہ تو میرے دل میں بس رہا ہے)

www.yabahu.com

لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ مُرید کا مُرشد سے تعلّق صرف اِبتدائی دور تک ہی محدود نہیں ہوتا' بلکہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ زیادہ شدت اختیار کرتا چلا جاتا ہے۔ صُوفی شُعراء کے ہاں دیکھا گیا ہے کہ وہ فیض یابی یا فیض جوئی سے فیض رسانی کے مرتبہ تک جا پہنچے' پھر بھی مُرشد کی محبّت کا جذبہ دل میں مُوجزن رہا۔ حتیٰ کہ روحانیت کی تکمیل یا مرشد کی وفات کے بعد بھی وہ اس کی محبت کا دم بھرتے رہے۔ مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ مثنوی میں اپنے مرشد شمس تبریزی رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں پکار اٹھتے ہیں ۔

شمس تبریزی کہ نُورِ مُطلق است آفتاب است وزِانوارِ حقّ است

وہ غزلیات میں بھی جابجا مرشد سے اپنے قلبی تعلق کا اظہار کرتے ہیں ۔

نثاری کردمی بَرخاکِ تبریز
گرم انبار ہائے جوہر استے
بیا و خاک شوبَرَدَرگہِ شمسؒ
اَزاں دَرگہ طلب کُن ہرچہ خواہی

حضرت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ جنھوں نے مولانا رحمتہ اللہ علیہ کے کلام سے کسب فیض کیا' جب ان کا ذکر کرتے ہیں تو خود بھی وجد کے عالم میں جھوم اٹھتے ہیں اور دوسرے بھی اگر کچھ ذوق رکھتے ہوں تو اس کیفیت سے محروم نہیں رہ سکتے ۔

پیرِرُومی مُرشدِ رَوشن ضمیر
کاروانِ عِشق و مَستی را اَمیر
مَنزلش بَرتر زِ ماہ و آفتاب
خیمہ را از کہکشاں سَازد طنَاب
نُورِ قُرآں دَرمیانِ سینہ اش
جامِ جَم شرمندہ از آئینہ اش
از نَے آں نے نوازِ پاک زاد

باز شورے دَرنہاد و مَن فتاد

اسی طرح سُلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کے ان اشعار کے مطالعہ سے جو مرشد کی مَدح میں کہے گئے ہیں' یہ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ابتدائی دور کا کلام ہے یا بعد کے زمانہ کا:

س سَے روزے' سَے نفل نمازاں' سَجدے کرکر تھکّے ھُو
سَے واری حَج کَے گُزارن' دِل دی دوڑ نہ مُکّے ھُو
چِلے چِلیئے جَنگل بھوناں ایہ گل نہ ڈِھٹم پکّے ھُو
سَب مَطلب حَاصِل ہوندے باھُو جَد پیر نظر اِک تکّے ھُو

روزے سے رہے' نفل پڑھے اور سجدہ کرتے کرتے تھک گئے۔ سو بار مکّہ کا حج کیا' لیکن دل کی دوڑ ختم نہ ہوئی' چلے کاٹے اور جنگلوں میں بھی گھومے' مگر بات نہ بن سکی۔ باھو! سارے مطلب اس وقت حاصل ہو جاتے ہیں' جب مرشد صرف اِک نظر دیکھ لے)

م مُرشد مکّہ تے طالِب حَاجی' کعبہ عِشق بنایا ھُو
وِچہ حضُور سَدا ہر ویلے کریئے حج سوایا ھُو
ہِک دم میتھوں جُدا نہ ہووے دِل مِلنے تے آیا ھُو
مُرشد عَین حَیاتی باھُو میرے لوں لوں وِچہ سَمایا ھُو

"مرشد بیت اللہ ہے اور طالب حاجی ہے۔ عشق کا بنایا ہوا یہ کعبہ ہر وقت میرے سامنے رہتا ہے۔ یہ مجھ سے کبھی جدا نہیں ہوتا' مرشد میری زندگی ہے اور میرے رؤمیں رؤمیں میں سمایا ہوا ہے)

ان کے ابیات میں تصوف کے متعلق جو رموز اور دقائق ملتے ہیں' اکثر و بیشتر وہی ہیں جو انہوں نے اپنی فارسی تصنیفات میں بالتفصیل لکھے ہیں۔ مثلاً" فقر اور اس کی اقدار' بلند اخلاقی اور روحانی ارتقاء نیز فقیر کامل کی صفات وغیرہ

قدیم صُوفیاء کی طرح ان کے تصوّف میں بھی باطن کو اوّلین اہمیت حاصل ہے۔

www.yabahu.com

ان کے سلوک میں ابتدا اپنی ذات کی معرفت سے اور انتہا معرفت الٰہی پر ہے

چودہ طبق دلے دے اندر آتش لائے حجرے ھو

(دل کے اندر چودہ طبق موجود ہیں اور وہاں عشق کی آگ جل رہی ہے ان کا مشہور بند ہے)۔

د دل دریا سمندروں ڈونگھے کون دلاں دیاں جانے ھو
وچے بیڑے، وچے جھیڑے، وچے ونجھ موہانے ھو
چوداں طبق دلے دے اندر تنبو وانگن تانے ھو
جو دل دا محرم ہووے باھو سوئیو رب پچھانے ھو

(دل سمندروں کی مانند گہرے ہیں۔ دلوں کی تہہ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ ان سمندروں میں کشتیاں، تلاطم اور ملاح بھی موجود ہیں۔ چودہ طبق دل کے اندر خیمے کی طرح تنے ہوئے ہیں۔ باھو! جو دل کا محرم ہو، وہی اپنے رب کو پہچان سکتا ہے)

اسی طرح وہ فقیر کامل کی صفات بیان کرتے ہیں:

ل لا یحتاج جنہانوں ھویا فقر تنہانوں سارا ھو
نظر جنہاندی کیمیا ہوئی، اوہ کیوں مارن پارا ھو

(سارا فقر ان کے لئے ہے جو لایحتاج ہیں، جن کی نظر کیمیا اثر ہو، وہ سونا بنانے کے لئے پارا کیوں مارتے پھریں)

ع نام فقیر تنہاندا باھو جیہڑا دم دم دوست سمالے ھو

(فقیر وہ ہے، جو ہر دم دوست کو یاد رکھے)

ع نام فقیر تد تھیندا باھو وچہ مطلب جد مریئے ھو

(باھو! سالک کو فقیر کا رتبہ اس وقت ملتا ہے، جب وہ اپنے مقصد کے لئے جان دے دیتا ہے)

وہ مذاہب کے مقابلے میں تصوف کو ایسا مختصر راستہ سمجھتے ہیں، جس سے آدمی

م مذہباں دے دروازے اُچے راہ ربانا موری ھو
پنڈ تاں تے ملوانیاں کونوں چھپ چھپ لنگھئے چوری ھو
اڈیاں مارن کرن بکھیڑے، دردمنداں دے کھوری ھو
باھو چل اتھائیں وسیئے جتھے دعویٰ نہ کسے ہوری ھو

(مذاہب کے دروازے بڑے بلند ہیں، لیکن طریق حق ایک سوارخ کی مانند ہے۔ پنڈتوں اور ملاؤں سے چھپ کر گذر جانا چاہیے۔ وہ ٹھوکریں مارتے اور تمسخر کرتے ہیں۔ باھو! وہاں جابسنا چاہیے، جہاں کوئی بزرگی کا مدعی نہ ہو)

سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے تصوف کے متعلق اپنے عقائد و افکار فارسی تصنیفات میں قلمبند کئے ہیں، لہٰذا یہ اعتراض درست نہیں کہ ان کے فکر میں کوئی ترتیب یا تسلسل نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ شاعری میں گو مضامین کی پستی و بلندی کو بہت دخل ہے لیکن محض فلسفیانہ و متصوفانہ افکار کی وجہ ہی سے شاعری کو عروج نہیں ملتا، بلکہ افکار سے زیادہ الفاظ، صورت اور امیجری کے فن کی ہیئت و صورت اختیار کرنے پر شاعری دلپذیر ہوتی ہے۔ پھر شعر میں کسی عقیدے یا نظریے کو منطقی ترتیب سے پیش کیا جاتا ہے نہ اس کی دقیق اور دوراز کار موشگافیوں کو شاعری میں جگہ دی جاتی ہے۔ جذبات کے عام پہلو اور خیالات کے نمایاں گوشے ہی شاعری میں ایک جداگانہ انداز کے ساتھ فروغ پاتے ہیں۔ شاعری میں صرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ آیا ان خیالات کو شعر کے پیکر میں تازگی نصیب ہوئی ہے یا نہیں اور کوئی خاص کیفیت یا حقیقت قاری کے لئے سچائی کا درجہ پاسکی ہے یا نہیں، کیونکہ منطقی یا سائنسی لحاظ سے کوئی حقیقت خواہ کیسی ہی واضح اور مسلم کیوں نہ ہو، شاعری میں اس وقت تک سچائی نہیں کہلا سکتی، جب تک وہ شعر کے رنگ میں ڈھل کر نئے سرے سے زندہ نہیں ہوجاتی۔ شعر پڑھنے یا سننے والوں کو یوں محسوس ہونا چاہیے کہ یہ بات پہلی بار اس کے سامنے آئی ہے اور یہ عقیدہ ابھی اس پر وا ہوا ہے۔ تنقید حیات اور تبلیغ و تعلیم بعد

www.yabahu.com

کی باتیں ہیں۔ شاعری میں بنیادی امر' اندازِ بیان' پیرایۂ اظہار اور اسلوبِ ابلاغ ہے۔

سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کے ابیات میں صوفیانہ افکار بیان کئے گئے ہیں۔ دنیوی محبت کے لئے وہاں کوئی گنجائش نہیں۔ عشق ہے تو خدا سے اور اگر انسانی افعال و اعمال سے انھیں دلچسپی ہے تو وہ تزکیۂ نفس' تصفیۂ باطن اور اسرار روحانی ہیں۔ یہ وہ مضامین ہیں' جنھیں ان سے پہلے صوفیائے عجم شعر کے مختلف اسالیب میں بیان کرچکے تھے۔ سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ ان کے کلام سے بخوبی واقف تھے۔ جب انھوں نے پنجابی زبان کو اظہار و ابلاغ کے طور پر چُنا تو ایرانی غزل کی روایات سے انھیں کوئی خاص فائدہ نہ پہنچا۔ یہاں فارم اور تھی یعنی سی حرفی' جس کی مثال شاید قدیم عبرانی زبان میں کہیں مل سکے' لیکن پنجابی کے سوا ہندوستانی زبانوں میں یہ فارم مروج و مستعمل نہ تھی۔ اس کے اپنے تقاضے تھے۔ غزل کے علائم و رموز بھی اس سے مطابقت نہ رکھتے تھے۔ لہٰذا تراکیب و تشبیہات کے سلسلے میں بھی جدت طبع سے ہی کام لیا جاسکتا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کی امیجری عرب و عجم کی شاعری سے مستعار نہیں' بلکہ ان کے ہاں امیج خالصتاً" اس ماحول اور زمین سے ان کے تخیل میں وارد ہوئے' جس میں وہ سانس لے رہے تھے اور جس کی بوباس ان کے رگ و پے میں رچی ہوئی تھی۔ وہ پیکر تراشی کے عمل کے لئے امیجز مناظر فطرت سے لیتے ہیں یا آس پاس لوگوں کے شعبہ کارکردگی سے' جو زراعت تھا' اپنے امیجز کا انتخاب کرتے ہیں۔ ڈاکٹر لاجونتی نے پنجابی صوفی شعرا کے کلام کے مطالعہ سے یہ نتیجہ نکالا کہ زیادہ تر پنجابی صوفی شعراء نے روئی اور کپڑا بننے کی صنعت سے تمثیلیں چنیں۔ دیگر شعراء کے بارے میں یہ بات صحیح ہوسکتی ہے۔ لیکن سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کے معاملہ میں ایسا نہیں ہے۔

سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کی سکونت ایسی جگہ تھی' جس کے قریب ہی دریا بہتا تھا۔ زمین زرخیز مگر کہیں کہیں شورہ زار تھی۔ ان ایام میں دریاؤں پر پل نہ تھے اور

انھیں عبور کرنے کا واحد ذریعہ کشتیاں تھیں۔ دریاؤں کے آس پاس جنگل بیلے درندوں کی آماجگاہ تھے' جو بھولے بھٹکے انسانوں پر حملہ کرکے انھیں ہلاک کر دیتے تھے۔ دریاؤں میں طغیانی آتی تھی' لہریں اٹھتیں اور گرداب کی صورت اختیار کرلیتیں۔ لوگ تیر کر بھی دریا کو پار کرتے تھے' ہر چند کہ اس صورت میں انھیں جان کا خطرہ لاحق ہوتا تھا۔ سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ فقر کے جذبات کا اظہار کرتے ہیں تو ان کے بیان میں دریائی مناظر اور ساحل دریا پر بسنے والے لوگوں کے مشاغل کا عکس نمایاں نظر آتا ہے۔

مشہور بیت "دِل دَریا سمندروں ڈونگھے" کا حوالہ دیا جاچکا ہے۔ اس ضمن میں بطور مثال مزید اشعار بھی پیش کئے جاسکتے ہیں۔

د دِل دَریا سَمندروں ڈُونگھا غوطہ مار غَواصی ھُو
جیں دَریا وَنج نوش نہ کیتا رہی جان پیاسی ھُو

(دل کا دریا سمندر سے بھی زیادہ گہرا ہے' اس میں غواص کی طرح غوطہ لگاؤ۔ جس نے یہ دریا نوش نہ کیا' اس کی روح پیاسی رہی!)

س سُن فریاد پیراں دیا پیرا! میری عَرض سُنیں کَن دَھرکے ھُو
میرا بیڑا اَڑیا وِچہ کپراندے جِتھے مُچھ نہ بھندے ڈَرکے ھُو
شاہ جیلانی! محبوب سُبحانی! میری خَبرلیو جھٹ کرکے ھُو
پیر جِنھاندا میراں باھُو سوئی کَدھی لگدے تَرکے ھُو

(اے پیران پیر! میری فریاد غور سے سنیے۔ میری کشتی وہاں پھنسی ہے' جہاں گرداب ہیں اور جہاں ڈر کے مارے مگرمچھ بھی گزر نہیں پاتے۔ شاہ جیلانی! محبوب سبحانی! میری مدد کو جلد پہنچیے۔ جن کا پیر شاہ میراں ہو۔ وہی تیر کر ساحل پر پہنچتے ہیں)

ع عِشق سمندر چڑھ گیا فلک تے کِتوَل جہاز کھیوے ھُو
عَقل فِکر دی ڈونڈی نوں جا پہلے پور بُوڑی وے ھُو

www.yabahu.com

کڑکن کپڑ، پون لہریں، جداں وحدت وچہ وڑیوے ھُو
جس مرنے تھیں خلقت ڈر دی باھُو عاشق مرے تاں جیوے ھُو

(عشق کا سمندر آسمان تک بلند ہوگیا۔ اب میں اپنا جہاز کہاں لے جاؤں؟ یہ وہ مقام، جہاں عقل و فکر کی کشتی کو تو پہلے ہی ڈبو دیتے ہیں۔ جب دریائے وحدت میں داخل ہوتے ہیں، تو گرداب کا شور سنائی دیتا ہے اور لہریں اٹھتی ہیں۔ عام لوگ جس موت سے ڈرتے ہیں عشاق اس موت سے گذر کر ہی زندگی پاتے ہیں)

ع عشق دریا محبّت دے وچ تھی مردانہ تریئے ھُو
جتھے لہر غضب دیاں ٹھاٹھاں قدم اُتھائیں دھریئے ھُو
اوجھڑ جھنگ بلائیں بیلے ویکھو ویکھ نہ ڈریئے ھُو
نام فقر تد تھیندا باھُو وچ مطلب جد مریئے ھُو

(عشق و محبت کے دریا میں مردوں کی طرح تیرنا چاہیے۔ جہاں غضب کی لہریں اٹھ رہی ہوں، وہی قدم رکھنا چاہیے۔ جنگل بیلے کی آفات کو دیکھ کر ڈرنا نہیں چاہیے۔ فقیر تو وہی ہے، جو اپنے مقصد کے لئے جاں دے دے)

چوراں سادھاں رل پور بھریا ربّ پار سلامت چاہڑے ھُو

(چور اور سادھ سب مل کر زندگی کی کشتی میں سوار ہوگئے ہیں۔ خدا سلامتی کے ساتھ اس کشتی کو ساحل مراد تک پہنچائے)

اِس کلر والی کدھی نوں چا چاندی خاص بنائیے ھُو

(مرشد کامل شورہ زار زمین کو خالص چاندی کی طرح حسین و جمیل بنا دیتا ہے)

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کے آباؤاجداد اعوانوں کے رواج کے مطابق سپاہی تھے یا زراعت پیشہ۔ اب بھی اعوان زیادہ تر فوج میں ملازم ہیں یا کاشتکاری کرتے ہیں۔ سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے محنت کش

عوام کو اپنے ماحول میں کام کرتے دیکھا اور کاشتکاری کے مناظر ان کے تخیل کا جزو بن گئے۔ سادہ لوح کسان ہل چلاتے تھے اور کھیتوں کو کنویں کے پانی سے سیراب کرتے تھے۔ جانور پالتے اور ان کا دودھ، لسی اور مکھن استعمال میں لاتے تھے۔ ان کے کھیتوں میں خربوزے بھی ہوتے تھے اور چنبیلی کے پھول بھی۔ یہ لوگ پیدل سفر کیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں ہر مسافر کی یہ آرزو ہوتی تھی کہ اسے کوئی اچھا رفیق سفر ملے۔ چنانچہ وہ ہمراہیوں کے معاملے میں غیر محتاط نہیں ہوتے تھے اور اس طرح ان کی سیدی سادی زندگی اپنی ڈگر پر رواں دواں رہتی تھی۔

راتیں خواب نہ اُنہاں ہرگز بیہڑے اللہ والے ھُو
باغاں والے بُوٹے وانگوں طالب نت سنبھالے ھُو

(اہل اللہ رات کو ہرگز نہیں سوتے۔ طالب حق فقر کی اس طرح حفاظت کرتا ہے، جس طرح باغباں باغ کے ننھے پودوں کی)

عشق اسانوں لیساں جاتا ہُن لتھا آن مُہاڑی ھُو
نہ سوئیں نہ سوون دیوے، ہورہیا بال رہاڑی ھو
پوہ مانگھ منگے خربوزے، میں کتھوں لیساں واڑی ھو
عقل فکر دیاں سب بھل گئیاں باھُو جد عشق مچائی تاڑی ھو

(عشق نے ہمیں کمزور جان کر پہاڑوں سے اتر دامن میں ڈیرے ڈال دیئے، جہاں سے وہ ہم پر پے در پے حملے کرتا ہے۔ نہ سوتا ہے نہ سونے دیتا ہے، اس کی حالت رونے والے بچے کی سی ہے۔ بے موسمی خربوزے مانگتا ہے۔ میں انھیں کس کھیت سے لے کر آؤں۔ جب عشق نے اپنا کھیل شروع کیا تو عقل و فکر کی سب باتیں بھول گئیں)

الف اللہ چنبے دی بوٹی مرشد من میرے وچہ لائی ھُو

(اسم اللہ ذات چنبیلی کی بیل ہے، جو مرشد کامل نے میرے دل میں لگائی

www.yabahu.com

ہے)

مَیں قرباں تنہاں توں باھُو جنہاں کھُوہ پریم دے جُتّے ھُو

(باھو! میں اُن پر فِدا، جو پریم کے کنویں چلا رہے ہیں)

م مُرشد باجھوں فقر کماوے وِچ کُفر دے بُڈّے ھُو

شیخ مشائخ ہو بہندے حجُرے، غوث قُطب بن اُڈّے ھُو

رات اندھاری مُشکل پینڈے، سَے سَے آون ٹھُڈّے ھُو

تسبیحاں نَپ بہن مسیتی، جویں موش بہندا وَڑ کھُڈّے ھُو

(جو مرشد کے بغیر فقر اختیار کرتا ہے، وہ کفر میں ڈوب جاتا ہے، مشائخ حجروں میں بیٹھ کر غوث و قطب کی طرح اڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ رات اندھیری اور سفر مشکل ہے۔ جابجا ٹھوکریں لگتی ہیں۔ یہ لوگ کیسے ہیں کہ تسبیحیں تھامے مسجد میں ایسے بیٹھ گئے، جیسے چوہا بل میں گھس کر بیٹھ جاتا ہے)

دیہات کے کھلے میدانوں پر پھیلے وسیع آسمان کی فضاؤں میں پرندے اڑتے ہیں۔ چاند رات کو پوری آب و تاب کے ساتھ چمکتا ہے۔ ساون بھادوں کے بادل پرے باندھ کر آتے ہیں۔ کوئل کی کوک کسی کی المناک صدا معلوم ہوتی ہے اور پپیہا پی کہاں کی رٹ لگاتا ہے۔ یہ مناظر انکے پردۂ تخیل پر رہ رہ کر ابھرتے ہیں:

چ چڑھ چناں توں کر روشنائی، تارے ذِکر کریندے تیرا ھُو

تیرے جیہے چن کئی سَے چڑھدے سَانوں سجناں بابھ اندھیرا ھُو

جِتھے چن اساڈا چڑھدا اوتھے قدر نہیں کجھ تیرا ھُو

جِس دے کارن اساں جنم گنوایا، باھُو یار ملیس اِک ویرا ھُو

(اے چاند! نکل کر روشنی پھیلا دے، تارے تیرا ذکر کر رہے ہیں، لیکن اے چاند! تیرے جیسے سینکڑوں چاند نکلتے ہیں۔ اس کے باوجود ہمیں تو دوستوں کے بغیر اندھیرا ہی نظر آتا ہے۔ جہاں ہمارا چاند طلوع ہوتا ہے۔ وہاں تیری

کچھ قدر نہیں۔ باھو! ہمیں یار بھی بے نظیر ملا، جس کے لئے ہم نے اپنے آپ کو تباہ کر ڈالا)

فجریں ویلے وقت سویرے نِت آن کرن مزدوری ھُو

کانواں ہلاں بکے گلاں تریجی رلی چنڈوری ھُو

مارن چیخاں تے کرن مشقّت پٹ پٹ کڈھن انگوری ھُو

ساری عمر پٹیندیاں گذری باھُو کدی نہ پٹیا پوری ھُو

(کوّے، چیلیں اور چنڈول صبح سویرے مزدوری کے لئے نکل کھڑے ہوتے ہیں، چیخیں مارتے، مشقت کرتے اور انگوری ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔ باھو! ساری عمر کھوج لگاتے گذر جاتی ہے، لیکن کبھی لوگوں کا دلی مقصد حاصل نہیں ہوتا)

ح حافظ حِفظ کر کرن تکبّر، کرن مُلّاں وڈیائی ھُو

ساون ماہ دے بدلاں وانگوں پھرن کتاباں چائی ھُو

(حافظ قرآن حفظ کرکے تکبر کرتے ہیں اور ملاں کو اپنے علم پر فخر ہے۔ وہ ساون کے بادلوں کی طرح کتابوں سے لدے پھندے نظر آتے ہیں)

س سوز کنوں تن سڑیا سارا، مَیں تے دُکھاں ڈیرے لائے ھُو

کوئل وانگ کوکیندی وَتاں، مَتّاں مولا مینہ وَسائے ھُو

(میرا سارا جسم سوز عشق سے جل گیا اور دکھوں نے وہاں ڈیرے ڈال دیئے میں کوئل کی طرح نغمہ الاپ رہی ہوں کہ کہیں مولا مینہ برساوے)

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے بہت سادہ زبان استعمال کی۔ یہ اس دور کے عوام کی زبان تھی۔ صوفیاء نے ادب کے ذریعہ عوام سے رابطہ کی جو مثال قائم کی ہے۔ وہ سبق آموز بھی ہے اور قابل تقلید بھی یہ کہنا سراسر زیادتی اور لاعلمی پر مبنی ہوگا کہ وہ خود بھی علم و ادراک میں عوام کی سطح پر یا ان سے ذرا اوپر تھے، جس کے باعث ان کے لئے عوام سے اس سطح پر مکالمہ و مخاطبہ آسان تھا۔ آج کل کے عوامی

www.yabahu.com

شعراء کے مقابلے میں وہ اپنے دور کے اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان تھے' ان کے لئے بھی عوام کی سطح پر اتر کر انھیں اپنے ساتھ لے جانا مشکل ہوتا' اگر ان کے دل میں عوام کے ساتھ بے پناہ محبت کا جذبہ موجزن نہ ہوتا۔ چنانچہ اس جذبے نے حدود و قیود کو پھلانگ کر براہ راست ربط کی صورت پیدا کرلی۔ محبت اور ہمدردی میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے پڑھے لکھے لوگوں کے لئے فارسی نثر میں کتابیں لکھیں' کیونکہ وہ اس دور کی علمی زبان تھی۔ اہل علم و ادب علمی کام ہی سے متاثر ہوسکتے تھے' البتہ عوام سے ان کی مادری زبان ہی میں گویا ہوئے' جو ان کے جذبہ و احساس کی زبان تھی۔

سُلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے جہاں اپنے دور کی نہایت سادہ زبان میں شعر کہے' وہاں انھوں نے بیان کی واضح اور ابتدائی صورت یعنی حسی تشبیہات کو استعمال کیا' انھوں نے استعارے سے بہت کم کام لیا ہے۔ تشبیہات اگرچہ سادہ ہیں' لیکن وہ تشبیہ کو خیال کے ساتھ اپنے اشعار میں اس طرح پھیلا دیتے ہیں کہ مشبہ کے ذریعہ مشابہت کے جس قدر پہلو نمایاں ہوسکتے ہیں' وہ بیان کر جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تشبیہات کا حوالہ دینا مقصود ہو تو اکثر بند کے چاروں مصرعوں کو نقل کرنا پڑتا ہے۔ محولہ بالا ابیات میں اس خصوصیت کی مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں یا پھر ان اشعار میں ملاحظہ کیجئے:

الف اللہ چنبے دی بُوٹی مُرشد مَن میرے وِچہ لائی ھُو
نفی اثبات دا پانی ملیس ہر رگے ہر جائی ھُو
اندر بُوٹی مُشک مچایا جاں پھُلن پر آئی ھُو
جیوے مُرشد کامل باھُو جیں ایہہ بُوٹی لائی ھُو

(اسمِ اللہ ذات چنبیلی کی بیل کی مانند ہے' جو مرشد نے میرے دل میں لگا دی۔ ذکر الٰہی نے اس کے بیخ و بن کی آبیاری کی۔ اب پھلنے پھولنے پر آئی تو خوشبو ہر طرف پھیلنے لگی۔ مرشد کامل سلامت رہے' جس نے یہ بوٹی

لگائی)

ب بغداد شہر دی کیا نشانی جتھے اُچیاں لمیاں چیراں ھُو
تَن مَن ساڈا پُرزے پُرزے جیوں درزی دیاں لیراں ھُو
اِنہاں لیراں دی گل کفنی پاکے رلساں سنگ فقیراں ھُو
گڑھ بغداد دے ٹکڑے منگساں باھُو کرساں میراں میراں ھُو

(بغداد وہ شہر ہے' جہاں اونچے لمبے چیل کے درخت ہیں۔ میرا سارا بدن درزیوں کے ہاں کٹے ہوئے کپڑوں کے ٹکڑوں کی مانند ریزہ ریزہ ہوگیا۔ میں ان ٹکڑوں کا کفن بنا کر فقیروں کے ساتھ شامل ہوجاؤں گا۔ گڑھ بغداد میں بھیک مانگ مانگ کر گذارہ کروں گا اور "میراں میراں" پکاروں گا۔)

کبھی کبھی ان کا جوش تخیّل پے درپے تشبیہات کو ان کے ذہن میں لے آتا ہے' جس سے جذبے کی تاثیر بڑھ جاتی ہے۔

ن نال کو سنگی سنگ نہ کریئے' کُل نوں لاج نہ لائیے ھُو
تُمّے تربوز مول نہ ہوندے' توڑے توڑ مکّے لے جائیے ھُو
کانواں دے بچے ہنس نہ تھیندے' توڑے موتی چوگ چگائیے ھُو
کوڑے کھوہ نہ میٹھے ہوندے باھُو توڑے سے مناں کھنڈ پائیے ھُو

(ناجنسوں کے ہمراہ نہیں چلنا چاہیے' ورنہ پورا معاشرہ بگڑ جاتا ہے۔ تمے تربوزے نہیں بن سکتے' خواہ انھیں مکہ میں لے جاکر رکھا جائے۔ کوے کے بچے راج ہنس نہیں ہوسکتے۔ خواہ انھیں دانوں کی بجائے موتی چگاتے رہیں۔ تلخ پانی والے کنویں میٹھے نہیں ہوسکتے' خواہ ان میں منوں کھانڈ ڈال دی جائے)

تراکیب(۲)کا ذکر کرتے ہوئے ادبیات کے ایک استاد نے تین قسمیں بیان کی ہیں۔ چُست' بَر محل اور محرّک۔ چُست اور بر محل تراکیب کے حامل مصرعے یا جملے وہ ہوتے ہیں جن میں پنچائتی دانائی کو "اقوال" کی سی دلکش صورت مل جاتی ہے اور ان

www.yabahu.com

میں زبان زدعام ہوجانے کی ساری خصوصیات موجود ہوتی ہیں، جیسے انگریزی میں پوپ اور ہمارے ہاں اردو میں استاد محمد ابراہیم ذوق کے ہاں یہ بات ملتی ہے۔ سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں بھی اس قسم کی مثالیں ملتی ہیں:

ہرگز مکھن مول نہ آوے پھٹے دودھ دے کڑھیاں ھو
(پھٹے ہوئے دودھ سے کبھی مکھن نہیں نکلتا)
توڑے تنگ پرانے ہوون، کجھے نہ رہندے تازی ھو
(اگر زین وغیرہ پرانے بھی ہوں تو بھی ترکی گھوڑے چھپے نہیں رہ سکتے)
جیہڑی مکھی قید شہد وچہ ہوئی کی اوسی نال شہبازاں ھو
(جو مکھی شہد میں پھنس گئی، وہ شہبازوں کے ساتھ کیا اڑے گی؟)

محرک ترکیبوں پر مشتمل جملے یا اشعار ادبی لحاظ سے کلام کو بہت بلند کردیتے ہیں، یہ جاندار محرک ترکیبیں بلندی خیال کے ساتھ فنکارانہ شان، جدت اور فطری تراش خراش کی حامل ہوتی ہیں۔ ایسے جملے نہ صرف فن کے معیار پر پورے اترتے ہیں، بلکہ وہ ہماری اخلاقی و روحانی اقدار کے تقاضوں کو بھی پورا کرتے ہیں۔ کسی عالمگیر سچائی کا کوئی عجیب پہلو یا کسی خیال کی جھلک اس جملے میں یوں نمایاں ہوتی ہے کہ کسی دوسرے اسلوب بیان سے اس تک رسائی ممکن نہ ہوپاتی۔ ایسا جملہ یا مصرع یا شعر ہزاروں دلائل کو یکجا جمع کرکے مضمون کو تکمیل و اتمام کے درجے تک پہنچا دیتا ہے۔ بقول پروفیسر جانسن "محرک جملہ انکشاف کرتا ہے، برمحل جملہ اجاگر کرتا ہے اور چست جملہ خیال کی تزئین کرتا ہے۔" اس قسم کے مرکبات کی مثالیں شیکسپیئر کے ہاں اور اپنے ہاں غالب و اقبال کے فن پاروں میں ملتی ہیں۔

سلطان باھو قدس اللہ سرہ کے ہاں اگرچہ اس قسم کی محرک ترکیبیں کم ہیں، تاہم وہ موجود ضرور ہیں اگر ان کا کلام زیادہ دستیاب ہوتا تو شاید اس سلسلے میں کوئی حتمی فیصلہ کیا جاسکتا۔ موجودہ صورت میں جب کہ صرف ایک سی حرفی کے ابیات ہم تک پہنچ سکے ہیں، یہی کہا جاسکتا ہے کہ اس قسم کی محرک تراکیب سے ان کا دامن فکر مالا

مال تھا اور ان کی شاعری میں ایسی تراکیب کے ارتقاء کے امکانات زیادہ تھے:

دل دریا سمندروں ڈونگھے کون دلاں دیاں جانے ھو

الف اللہ چنبے دی بوٹی مرشد من میرے وچہ لائی ھو

باھو راہ فقر رت ہنجوں روون، لوکاں بھانے ہاسہ ھو
(باھو فقر کا راستہ خون کے آنسو رونا ہے اور لوگوں کی نظر میں یہ محض ایک مذاق کی بات ہے)
شالا مسافر کوئی نہ تھیوے گھر جنہاں تے بھارے ھو
تاڑی مار اڈاؤ نہ باھو اسیں آپے اڈن ہارے ھو
(خدا کرے کوئی شخص مسافر نہ ہو۔ مسافروں پر تو خس و خاشاک بھی گراں ہوتے ہیں۔ ہمیں تالی بجا کر مت اڑاؤ، ہم تو پہلے ہی اڑنے والے ہیں)
عمر بندے دی اجیویں وہانی، جیوں پانی وچہ پتاسا ھو
(آدمی کی عمریوں گذر جاتی ہے، جیسے پانی میں پتاشا حل ہوجاتا ہے)

دنیا داری کو وہ تمام صوفیوں اور درویشوں کی مانند اچھا نہیں سمجھتے۔ آپ دنیا کی مخالفت کرتے ہوئے اس کی جو تصویر کھینچتے ہیں یا اس کا جو امیج پیش کرتے ہیں، وہ اس جاں ستاں عورت Fatal Woman سے ملتا جلتا ہے، جو ہمیں یورپ کے رومانی شعراء و ادباء کی نظموں اور ڈراموں میں نظر آتی ہے، یہ عورت ایک ساحرہ ہے جو بلاامتیاز سب کو اپنے حسن و جمال اور زیب و آرائش سے متاثر کرتی ہے اور آخر کار انھیں فریب میں لاکر موت کی وادی میں دھکیل دیتی ہے۔ ۳۔

قہر پوے تینوں رہزن دنیا، جو توں حق دا راہ مریندی ھو
عاشقاں مول قبول نہ باھو کر کر زاریاں روندی ھو
(اے رہزن دنیا! تجھ پر اللہ کا قہر نازل ہو۔ تو حق کے راستے پر ڈاکہ ڈالتی

www.yabahu.com

ہے۔ یہ دنیا بہت گریہ وزاری کرتی ہے، مگر باھُو! عاشق اسے پھر بھی قبول نہیں کرتے)

پیواں کولوں پُتّر کُہیندی، ہٹھ دُنیا مکّاراں ھُو
رہناں ترک دُنیا تھیں کیتی باھُو لیسن باغ بہاراں ھُو

(اس مکار دنیا کی خاطر باپ بیٹوں کو ذبح کر دیتے ہیں۔ جو دنیا ترک کرتے ہیں، باھو! عیش و مسرت انھی کے لئے ہے)

رہوُنی دُنیا نہ کر جھیڑا، ساڈا آگے دِل گھبرایا ھُو
اَسیں پردیسی ساڈا وطن دُوراڈا باھُو! دَم دَم غم سَوایا ھُو

(اے دنیا! ہم سے جھگڑا مت کر۔ پہلے ہی ہمارا دل گھبرا رہا ہے۔ ہم پردیسی لوگ ہیں، وطن دور ہے اور غم دم بدم بڑھتا جارہا ہے)

ہندی شاعری کی طرح پنجابی شاعری میں بھی یہ امر خصوصی امتیاز کا حامل ہے کہ اس میں عورت کو عاشق کے روپ میں پیش کیا جاتا ہے۔ وہ اپنے محبوب کے غم میں ویسے ہی آہیں بھرتی نظر آتی ہے، جیسے فارسی و عربی شاعری میں مرد اپنی محبوبہ کی آتش فراق میں جلتا دکھائی دیتا ہے۔ سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے اسلوب بیان میں اس کی تقلید بہت کم کی ہے۔ وہ اکثر براہ راست خدا کی محبت کا ذکر کرتے ہیں اور محبت حقیقی کا جذبہ انھیں بیان مجاز سے نکال کر خدا سے مخاطب ہونے کے لئے بے قرار رکھتا ہے، تاہم کہیں کہیں ایسا ہے کہ وہ عورت کے جذبات کو بھی کیفیاتِ عشق کی ترجمانی کے طور پر اپنے اشعار میں بیان کرتے ہیں:

باھُو مَیں تاں بُھلی وَیندی، مُرشد راہ وِیکھایا ھُو

(باھو میں تو بھول گئی تھی، مرشد نے مجھے راستہ دکھایا)

بِرہوں ماری مَیں رنت پھراں منیوں ہسن لوگ نابینے ھُو

(اندھے لوگ مجھ مصیبت زدہ کو بے قرار دیکھ کر ہنستے ہیں)

وہ عموماً صیغۂ متکلم میں جذبات کا اظہار کرتے ہیں، کیونکہ بالآخر یہ بات خدا

اور بندے کے باہمی تعلق کی ہے، وہ کسی حجاب اور پردۂ مجاز کے بغیر بات کرتے ہیں۔ ان کا لہجہ ہمیشہ دردمندانہ رہتا ہے مگر اس میں نرمی و نزاکت کی بجائے قوت اور مضبوطی کا احساس زیادہ غالب ہوتا ہے:

ک کُوک دِلا متّاں ربّ سُنے دردمنداں دیاں آہیں ھُو
سینہ میرا دردیں بھریا اندر بھڑکن بھائیں ھُو
تیلاں باجھ نہ بلن مشالاں دَرداں باجھ نہ آہیں ھُو
آتش نال یارانہ لاکے باھُو پھر اوہ سڑن کہ ناہیں ھُو

(اے دل فریاد کر، شاید خدا دردمندوں کی آہیں سن لے۔ میرا سینہ درد سے لبریز ہے۔ اس میں شعلے بھڑک رہے ہیں۔ جس طرح تیل کے بغیر مشعل نہیں جلتی، اسی طرح درد کے بغیر آہیں نہیں نکلتیں۔ باھو! آگ کے ساتھ دوستی ہو تو جلنے کی نوبت ضرور آئے گی)

ت تن من یار میں شہر بنایا دل وچہ خاص محلّہ ھُو
آن الف دل وسوں کیتی میری ہوئی خوب تسلّہ ھُو
سب کجھ مینوں پیا سینوے جو بولے ما سوا اللہ ھُو
دردمنداں ایہ رمز پچھاتی باھُو بے دَرداں سر کھلّہ ھُو

(میرے جسم و جاں کے شہر میں دل کا ایک محلّہ بنا۔ الف (اللہ) آکر اس میں آباد ہوگیا۔ جس سے مجھے خوب طمانیت باطن نصیب ہوئی۔ ہر طرف "اللہ ھو" کا ذکر جاری ہوگیا، جسے میں سن رہا ہوں۔ صرف دردمند ہی اس رمز سے آشنا ہیں، بے دردوں کو اس کا کیا پتا؟)

عوام سے سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کا رابطہ ایک ہجولی کا سا نہیں۔ وہ ان کے جذبات و احساسات کی نبض پر ہاتھ رکھ کر ضرور بات کرتے ہیں، لیکن ان کے لہوولعب میں شریک نہیں ہوتے۔ وہ ایک مرشد، استاد اور رہبر کی حیثیت سے اپنا وقار برقرار رکھتے ہیں۔ پنجابی کے ایک اور شاعر کے بارے میں کہا گیا ہے: "شاہ حسین سولہویں

www.yabahu.com

صدی کے کرۂ ارض پر پہلے بزرگ انسان ہیں' جنھوں نے کسی برتر مقام سے انسان کو نہیں پکارا۔ انھوں نے اپنے آپ کو انسان سے بہتر نہیں سمجھا۔ انھوں نے عذاب کی پھیلی ہوئی ہلاکت کو محسوس کرکے خود کو گرے ہوئے انسانوں میں شامل کرلیا اور اسی لہو و لعب کو چُن لیا' جس کی سزا عذاب اور دوزخ کی آگ ہے۔"

(شاہ حسین۔ جیلانی کامران)

قطع نظر اس کے کہ عوام کے ساتھ لہوولعب میں شریک ہو کر اِصلاح کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر کچھ لوگ اس طریق پر عمل پیرا رہے ہیں تو کیا اسلامی تصوف کے طریقِ اصلاح میں اس کے جواز کی کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟ سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق بلاخوفِ تردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے ایسا نہیں کیا۔

حضرت سُلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ سے یہ توقع عبث ہے کہ وہ اس سطح پر اتر کر عامتہُ النّاس کے ساتھ یُوں گھُل مِل جائیں کہ ان کے لہوولعب میں بھی شریک ہوجائیں۔ وہ ایک مرشد کامل کے مقام سے کبھی صرف نظر نہیں فرماتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہمیشہ متانت و وقار سے بات کرتے ہیں:

غ غوث قُطب تے اُرے اُریرے' عاشق جان اگیرے ھُو
جیہڑی منزل عاشق پہنچے' اوتھے غوث نہ پاندے پھیرے ھُو
عاشق وِچہ وِصال دے رہندے جنہاں لا مکانی ڈیرے ھُو
مَیں قربان تنہاں توں باھُو جنہاں ذاتوں ذات بسیرے ھُو

(غوث و قطب تو پیچھے ہی رہ جاتے ہیں اور عاشق آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں ۔ جہاں عاشق پہنچتے ہیں' وہاں غوث کی رسائی محال ہے۔ عاشق ہمیشہ لامکان کے اندر سرمست وصال رہتے ہیں۔ باھو! میں ان پر قربان' جو ذات باری سے واصل ہیں)

شاعری میں ان کا تصور ہمارے سامنے ایک مُعلّم اخلاق اور مُرشد کامل کی حیثیت سے اُبھرتا ہے۔ اب صرف یہ دیکھنا باقی رہ جاتا ہے کہ وہ سرزمینِ شعر و سخن میں کس

انفرادی و امتیازی شان کے حامل ہیں۔ ان کے ابیات پڑھ کر اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ وہ جہاں مُرشد و مُربّی ہیں' وہاں ان میں ایک اعلیٰ پایہ کے شاعر کی تمام خوبیاں بھی موجود ہیں۔ وہ جذبۂ تخیّل کی دُنیا میں الفاظ کے ذریعہ ایک ایسا طلسم باندھ سکتے ہیں کہ آج بھی جب لوگ ان کے ابیات سنتے ہیں' تو نغمۂ داؤدی کا سا اثر ہوتا ہے اور سامعین پر وجد کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ ہر مصرعے کے آخر میں ھُو کی آواز لے میں مل کر الگ جادو پیدا کرتی ہے۔ سُلطان باھُو کے ابیات میں یہ کلمہ الحاقی ہے یا اصل نسخوں میں بھی موجود تھا' اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اب ان کے ابیات میں یہ لفظ اپنے برمحل اور مناسب انداز کے باعث سُرور کی تاثیر میں اضافہ کرتا نظر آتا ہے۔ قوالی کی محفل ہو یا کہیں بھی کوئی مترنّم آواز ھُو کی تاثیر میں ڈوبے ہوئے یہ ابیات سُن کر کون سا دل ہے جو ہِل نہیں جاتا۔ ان میں جذبہ کی گرمی بھی ہے اور تخیل کی لطافت بھی' الفاظ کی معنی آفرینی بھی ہے اور لحن کی تاثیر بھی:

س سُن فریاد پیراں دیا پیرا میری عرض سُنیں کن دھرکے ھُو
میرا بیڑا اڑیا وچہ کپراندے جتھے مچھ نہ بھندے ڈر کے ھُو
شاہ جیلانی محبوب سُبحانی میری خبر لیو جھٹ کر کے ھُو
پیر جنہاندے میراں باھو! سوئی کدھی لگدے ترکے ھُو

www.yabahu.com

حوالہ و حواشی

1- Panjabi Sufi Poets

2- Elements Of Lileraay criticism p.196 By Charles F. Johnson.

3- The Romantic Agony by Marid Praz, Chapter iv I saw pale kings and Princes too Pale warriors death pale were they all Who cry'd ---' La belle Dame sans Merci Hath thee in the all! (keats).

۴- پروفیسر سُلطان الطاف علی نے فیصلہ دیا ہے کہ "ھُو" کی ردیف خود سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ نے استعمال فرمائی ہے (شرح ابیات ص ۱۹) ایک اور دانش مند صُوفی کی رائے میں بحیثیت مُرشد یہ سُلطان صاحب کی فضیلت کی دلیل ہے کہ انھوں نے ابیات کے ذریعہ "ھُو" کا ذِکر جاری کر کے اپنا رُوحانی فیض عام کر دیا۔

www.yabahu.com

باب: ۹

رسائل و کُتبِ تصوّف

جو لوگ صوفیا کی خلوت نشینی کو رہبانیت کی سی علیحدگی پسندی قرار دیتے ہیں انہیں اس طبقے کے معلمین کے آثار نظم و نثر پر نظر ڈالنی چاہیے۔ ان کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ لوگ ہر طبقے سے رابطہ قائم رکھے ہوئے تھے۔ ان کے ذہن میں معاشرے کی طبقاتی حد بندی کا خیال تھا' نہ ان کے اظہار و ابلاغ کا منتہا کوئی خاص گروہ تھا۔ اشراف و عوام کی زبان میں وہ کوئی تخصیص روا نہ رکھتے تھے۔ انکے نزدیک اخلاقی و روحانی برتری ہی معیار فضیلت تھی۔ وہ اشراف کی سیاسی و معاشرتی برتری کے قائل تھے' نہ ان کی زبان کو کوئی مخصوص رتبہ دے کر محدود رکھنا چاہتے تھے۔ اسی طرح کاشتکاروں' کاریگروں' مزدوروں اور نچلی سطح کے لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور نہ ہی ان کی بولی کو۔ صوفیائے اسلام سب کے معلم تھے اور ان کی تعلیم سب کے لئے تھی۔ وسیع القلب معلمین کی طرح وہ جس طبقے میں بھی گئے' ان کی زبان کو انھوں نے اظہار و ابلاغ کا ذریعہ بنایا۔ پڑھے لکھے لوگوں میں وہ عربی و فارسی کو ذریعۂ اظہار کے لئے منتخب کرتے تھے اور عوام سے گفتگو کرتے وقت انہی کی سیدھی سادی بولی میں یہ بات چیت کرنا پسند کرتے تھے۔ انھوں نے اپنے دل و دماغ کے دریچے سب کے لئے کھول دیئے تھے۔

"مناقبِ سُلطانی" کے مصنّف کی تحقیق کے مطابق حضرت سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ نے تقریباً" ایک سو چالیس کتب عربی و فارسی میں تصنیف کیں۔ فارسی زبان میں انھوں نے نعتیں اور مثنویاں بھی لکھیں۔ وہ پنجابی میں ابیات لکھتے وقت اضلاع جھنگ

و خوشاب کی میٹھی بولی میں نغمہ سرا ہوئے۔

عربی و فارسی کی مذکورہ بالا ایک سو چالیس کتب کا کثیر حصہ ضائع ہوچکا ہے۔ فقیر نور محمد رحمتہ اللہ علیہ اپنے زمانہ میں درویشوں کے قلمی نسخوں سے تقریباً" ایک سو کتابوں اور رسالوں کی جمع و تدوین میں کامیاب ہوئے۔ بعد میں ان کا کیا بنا؟ اس کے متعلق کچھ علم نہیں۔ شاید وہ ان کے کتب خانہ میں' جو اب ان کے صاحبزادے کی تحویل میں ہے' محفوظ ہوں' سردست پنجابی ابیات کے علاوہ ان کی صرف چوبیس یا پچیس کتابوں کے تراجم مل سکتے ہیں اور وہ بھی صرف ایک دوکاندار کی اجارہ داری میں ہیں ۲۔

پھر تراجم کی عجیب کیفیت ہے۔ بامحاورہ اردو زبان استعمال نہیں کی گئی' کیونکہ ایک تو ترجمے آج سے کئی سال پہلے کے ہیں اور دوسرے یہ کہ ترجمہ کرنے والے اصحاب بھی شاید جدید نثر کے اسلوب سے ناواقف تھے۔ تاہم کہا جاتا ہے کہ یہ تراجم لفظی ترجمہ کے لحاظ سے اصل کے خاصے قریب ہیں۔

اصل کے قریب ہونے سے ایک پیچیدگی یہ پیدا ہوئی کہ مرکب جملے اردو میں بعض جگہ ناقابل فہم حد تک گنجلک صورت میں ظاہر ہوئے۔ بعض مقامات پر ترجمے کی خرابی یا کتابت کی اغلاط کی بناء پر جملے خلط ملط ہوگئے ہیں' چنانچہ عبارت کا ربط سمجھنے میں خاصی دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

علاوہ ازیں اس شک کے لئے بھی کافی گنجائش موجود ہے کہ یہ ترجمے محض تجارتی نکتہ نظر ہی سے کرائے گئے تھے۔ بعض کتابوں کے ترجمے مثلاً" ترجمہ کلید التوحید کلاں دیکھ کر یہ گماں گزرتا ہے۔ کہ ایک ہی کتاب کے مختلف اجزاء مختلف لوگوں کے حوالے کر دیئے گئے تھے اور جب ان اجزاء کا ترجمہ مکمل ہوگیا۔ تو انھیں کتابی شکل دے کر شائع کر دیا۔ ممکن ہے یہ صورت بھی پیدا ہوئی ہو کہ ایک آدمی نے کچھ ترجمہ کرنے کے بعد بعض شرائط پر اتفاق نہ ہونے کی بناء پر مزید کام جاری رکھنے سے انکار کر دیا تو کسی اور کو یہ کام تفویض کر دیا گیا۔ پھر اس سے لے کر کسی

اور کو دے دیا گیا اور یوں بغیر کسی اور ترتیب و انضباط کے جوں توں کرکے ترجمے کو کتابی صورت دے دی گئی۔

پھر مترجمین نے بھی جابجا اپنے اپنے ذوق کے مظاہرے کئے ہیں۔ کسی کتاب میں مترجم تشریح بھی ضروری سمجھتا ہے اور ستم ظریفی یہ ہے کہ کتاب کے ہر صفحے پر تشریحی اشارات کے ساتھ ابتدا کرتا ہے' لیکن کچھ آگے جاکر ان اشارات کا سلسلہ یک لخت بند ہوجاتا ہے۔ اب جانے مترجم کا ارادہ بدل گیا یا مترجم ہی کو تبدیل کر دیا گیا۔ اسی طرح بعض جگہ مترجمین اپنی عبارت کو اصل کے قریب رکھنے کی بجائے "فقیر باصوی گوید" کا اپنی طرف سے ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "مصنف علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔" جس سے یہ گمان گذرتا ہے کہ یہ بھی کوئی توضیحی اشارہ ہے۔

بعض کتابوں اور رسالوں میں ابواب و فصول کی تقسیم بھی بعد کی معلوم ہوتی ہے' کیونکہ جو عنوانات قائم کئے گئے ہیں' ان کے تحت اس موضوع پر بہت کم مواد ملتا ہے' یہ بات خاص طور پر چھوٹے رسائل کے بارے میں زیادہ صحیح نظر آتی ہے۔

ان تراجم کو دیکھ سلطان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی فارسی نثر کے بارے میں سطحی رائے ہی قائم کی جاسکتی ہے۔ تاہم چند باتیں ان کے اسلوب بیان میں واضح نظر آتی ہیں۔

جہاں تک زبان کا تعلق ہے' اس میں کوئی خاص معیار ان کے پیش نظر نہیں۔ وہ صاحب کشف و اشراق تھے اور انھوں نے اپنے مشاہدات و اعتقادات کی تبلیغ کے لئے تحریر کی راہ اختیار کی۔ انتخاب الفاظ اور جملوں میں طوالت و اختصار یا ان کی تراش خراش پر وہ کوئی توجہ نہیں دیتے' عین ممکن ہے وہ اسے تصنع خیال کرتے ہوں زبان کے بارے میں انھیں خود بھی اس بات کا احساس تھا کہ انھوں نے ادیبوں کی طرح زبان کے استعمال میں مہارت و نزاکت کا خیال نہیں رکھا۔ چنانچہ "نورالہدیٰ" میں لکھتے ہیں:

"اگرچہ اس فقیر کی تصنیف کی ظاہری عبارت فارسی خام ہے' لیکن اس

www.yabahu.com

عبارت خام کے ساتھ جو حق الکلام اور مغز معانی معرفت تمام مل جاتا ہے' وہ اس طرح لذیذ اور مزیدار بن جاتا ہے' جس طرح کہ خام مکھن میں خالص شہد مل جاتا ہے۔ شعراء کے کلام کی پختگی محض عقل و دانش اور شعور سے ہوتی ہے اور فقراء کی بات محض نور حضور سے ہوتی ہے۔ پس جہاں مقام حضور ہے' وہاں سے عقل و دانش اور شعور شعراء بالکل دور ہے۔" (ص ۲۲۷' اردو ترجمہ)

وہ "فرہنگی و فرزانگی" سے غرض رکھنے کی بجائے جذبۂ فقر و صفا کی ترجمانی کو زیادہ اہم سمجھتے ہیں۔

عاشقم مَن بَرفنِ دیوانگی
سیرم از فرہنگی و فرزانگی

یہ کہنا غلط ہوگا کہ ان کا کوئی اسلوب نہیں۔ ان کا اپنا ایک اسلوب ہے' جسے اگر ہمعصر ادبا کی تحریروں کے درمیان رکھ کر دیکھا جائے تو ان سے الگ پہچانا جاسکتا ہے۔ یہ اسلوب روحانی وجدان سے صورت پذیر ہوا ہے۔ اسی لئے ان کی کتب میں اگر ارتباط ہے تو وہ جذبہ و احساس کا ارتباط ہے۔ معروضی و منطقی ارتباط کی تلاش یہاں فضول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی نثر ان تمام خواص کی حامل ہے جو اس اسلوب کا مابہ الامتیاز ہیں۔

سلطان باھو کسی موضوع کو لے کر اس کے تمام پہلوؤں کا بیک وقت جائزہ نہیں لیتے۔ وہ یہ مناسب نہیں سمجھتے کو ایک موضوع کے حسن و قبح پر مکمل روشنی ڈالیں اور ابتداء سے انتہا تک یا تمہید سے لے کر مضمون کے انجام تک معروضی طور پر ترتیب کو ملحوظ رکھیں' بلکہ موضوع کے مرکزی مضمون کو فوراً" واضح کر دینا چاہتے ہیں اور اگر اس کے ساتھ متعلقہ حوالے ان کے ذہن میں ہوں تو نقل کرتے ہیں' ورنہ آگے بڑھ جاتے ہیں۔

کسی اصطلاح کی تشریح و توضیح کے لئے وہ کبھی کبھی پنجابی سی حرفی کا سا انداز بھی

اختیار کرتے ہیں' یعنی کسی اصطلاح کی تعریف کے لئے وہ اس کے حروف ھجائی سے لے کر ایسے توضیحی الفاظ چنتے ہیں' جو ان کے مفہوم کو واضح کرسکیں' فرماتے ہیں:

"طالب کے بھی چار حروف ہیں' جن سے حسب ذیل مراد ہے طا سے طلبِ مولا' الف سے ارادۂ وصال' لام سے لاف کا نہ مارنا' ب سے بے اختیار ہونا ....." "فقر میں تین حرف ہیں۔ فا' قاف اور را۔ فا سے فنائے نفس قاف سے قرب قبر اور را سے رُوحانیت مراد ہے"

مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کے انداز مثنوی کی طرح سلطان باھو قدس اللہ سرہ کی تحریر میں بھی انتقال خیال بڑی سرعت سے ہوتا ہے' جیسا کہ جذب و وجد کے عالم میں گفتگو کی جارہی ہو۔ وہ حکمت الہیہ کے وارث ہیں' جو ناقابل فہم حد تک وسیع اور لامحدود ہے اور جس کا اظہار آسمانی کتب میں ہوا ہے۔ اس لئے ان کا اسلوب بھی انہی سے مشابہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تحلیلی و تجزیاتی فکر کے اصول و قوانین سے غرض نہیں رکھتے اور قاری کے ذہن پر بوجھ نہیں ڈالتے وہ ایک مشکل اور دقیق بات ایسی روانی اور تسہیل سے بیان کر جاتے ہیں کہ بوجھل محسوس نہیں ہوتی۔

ان کی کتب میں تکرار ضرور ہے اور بعض اوقات یہ تکرار گراں بھی گذرتی ہے مگر یہ وجدانی اسلوب کا خاصہ ہے۔ پھر یہ تکرار ہو بہو نہیں ہوتی' بلکہ وہ اس کے ساتھ نئے نئے نکات و معارف بھی بیان کر جاتے ہیں' وہ کسی محدود موضوع کے پابند نہیں رہتے۔ ان کی تمام کتب کا موضوع فقر اور عملی سلوک ہے اور اس موضوع سے متعلق ان کی کتب میں جابجا ان کی ژرف نگاہی کا ثبوت ملتا ہے۔ وہ کسی بات کو دہراتے ہیں تو اس کے ضمن میں بڑے پتے کی باتیں بھی کہہ جاتے ہیں۔ بعض اوقات کوئی حکیمانہ نکتہ بیان کرتے ہوئے وہ "فقیر باھو می گوید" سے ابتداء کرتے ہیں یا اپنے آپ کو مخاطب کرکے استفہامیہ انداز میں کہتے ہیں: "باھو! وہ کیا چیز ہے۔ جو.....؟" یہ ایک ایسا کیف آفرین انداز ہے جس سے ان کے اسلوب نگارش کی تاثیر بڑھ جاتی ہے۔

www.yabahu.com

دوسروں کو مخاطب کرتے ہیں تو وہاں جذب باطن اور جوش دروں ان کے بیان کو متاثر کرتا ہے۔ وہ قارئین میں تصدیق و انکار کے شبہات کے پیش نظر تخاطب کا انداز اختیار کرتے ہیں، مثلاً" اقرار و تصدیق کرنے والوں سے یوں بات کرتے ہیں:

"سُن لے اے صاحبِ باطن آباد! تو نے کیوں نام و ناموس اور خطاب والقاب کے پیچھے عمر برباد کر دی ہے۔"

پھر ایک جگہ بلاامتیاز یوں تنبیہہ کی ہے:

"اے غافلِ ہُشیار! اے عارفِ لائقِ دیدار! اے طالبِ اہلِ دُنیا دارا! اے عالمِ فضیلت آثار! اے جاہلِ بدکردار! سُن لے کہ مَنْ عَمِلَ صَالِحاً فَلِنَفْسِہٖ وَ مَنْ اَسَاءَ فَعَلَیْھَا"

اور جہاں صرف منکروں سے خطاب ہو، وہاں ان کا لہجہ سخت ہوجاتا ہے:

"اے مرتے دم تک عقل کے اندھے! کیا تو نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نہیں سُنا ہے کہ ....."

"اس راہ سے لاہوت و لامکاں کے خاص لوگ واقف ہیں۔ یہ تیلی کے بیل ان باتوں کو کیا سمجھیں۔ احمق حیوان کو کیا معلوم کہ تو کیا بات کر رہا ہے اور کہاں کی کہہ رہا ہے؟"

اگرچہ ان کی کتب میں حوالے کم ملتے ہیں، لیکن پھر بھی کہیں کہیں تفہیم کی خاطر حوالے ضرور دیتے ہیں۔ قرآن و حدیث کے حوالے تو بکثرت ہیں، لیکن کہیں کہیں صوفیاء و فقراء کے حوالے بھی ملتے ہیں۔ مثنوی کے اشعار نقل کرتے ہیں، اپنے فارسی اشعار درمیان میں لکھ دیتے ہیں، اسی طرح صوفیاء علماء کے نام سے بھی حوالے نقل کرتے ہیں، مثلاً" ان کی کتب میں امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ، شیخ عطار رحمتہ اللہ علیہ، حضرت ابوبکر واسطی رحمتہ اللہ علیہ اور ابو سعید خراز رحمتہ اللہ علیہ کے حوالے مل جائیں گے۔ لیکن یہ تحقیق یا سند کے ساتھ نہیں، بلکہ واعظانہ انداز میں مذکور ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہمعصر بزرگوں میں سے کسی کا انھوں نے ذکر کیا ہے نہ ہی ان کے

کسی قول سے شہادت پیش کی ہے، حتیٰ کہ وہ اپنے مشائخ میں سے بھی کسی کا نام نہیں لیتے، حوالوں میں صرف قدماء کا نام لیتے ہیں۔ احادیث کے حوالوں میں وہ محدثین کی طرح تحقیق و تفحص سے کام نہیں لیتے۔ حدیث خواہ کیسی ہی کیوں نہ ہو، اگر ان کے کسی عقیدہ یا خیال کی تائید و تصدیق کر رہی ہے تو وہ اسے درویشوں، واعظوں اور خطیبوں کی طرح نقل کر دینا جائز سمجھتے ہیں۔

کوئی کتاب یا رسالہ لکھتے ہوئے وہ نہایت سیدھے سادے طریقے سے ابتدا کرتے ہیں۔ حمد و ثنا میں نہایت اختصار ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے تعارف میں پورا پتہ بھی لکھ دیتے ہیں مثلاً"

"..... بعد ازاں مصنف تصنیف، بندۂ درگاہ، طالب یا مطلوب، مُرید لا یرید، باھُو ولد بازید غُلام سَروری قادری عرف اعوان ساکن قلعہ شورکوٹ ناظرین کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ میں نے اس کتاب کا نام اسرار قادری رکھا....."

وہ اختتام کے وقت کوئی خاص طریقہ پیش نظر نہیں رکھتے۔ ان کا اسلوب ایسا ہے کہ تحریر کہیں بھی ختم ہوجائے، قاری کسی اچنبھے سے دوچار نہیں ہوتا۔

انھوں نے یہ سب رسائل و کتب ایک معلّم، پیر طریقت اور مبلغ حکمتِ الٰہیہ کی حیثیت سے لکھے ہیں۔ اس لئے اکثر کتب میں انھوں نے روحانی تلقین اور طالب حق میں راہنمائی کی خاطر افادۂ عام کے لئے دعاوی بھی لکھ دیئے ہیں مثلاً":

"یہ کتاب وسیلہ بننے کے لئے بمنزلۂ خضر ہے، اس کے پڑھنے سے ظاہر و باطن نص اور حدیث کے موافق ہوجاتے ہیں اور فنافی اللہ بقاباللہ کے ہر طبقات اعلیٰ و ادنیٰ سے واقفیت ہوجاتی ہے....."

فقیر نور محمد علیہ الرحمہ مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں وہ سلطان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی کتب نقل کیا کرتے تھے، رات کو وہی نقشہ خواب میں بھی دیکھ لیتے تھے۔ کسی مقام و منزل کی بات ہوتی تھی تو اس سے گزر جانے میں کامیاب ہوجاتے

www.yabahu.com

تھے۔ بہرکیف یہ سب سالک کے جذبۂ ارادت پر موقوف ہے۔ کسی مردِ کامل سے نسبتِ تام پیدا ہوجائے تو یہی ہوتا ہے:۔

قبل از آنکہ کنی بر دِلم القائے مقام
از خیال تو شود کشفِ مقامِ عالی

اردو میں مترجمہ ان کتب کی تفصیل جو اس وقت دستیاب ہیں' یہ ہے:

ا۔ اَبیاتِ سُلطان باھو: اس وقت تک ابیات سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کے کئی مجموعے طبع ہوچکے ہیں ۳۔ ایک مشہور مجموعہ تو ملک فضل دین تاجر کتب کشمیری بازار لاہور نے مرتب کیا اور اسے "اصلی مکمل مجموعۂ ابیات سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ" سے موسوم کیا۔ دیباچے میں اشاعت کتب تصوف کے سلسلے میں اپنی سابقہ خدمات کا ذکر کرنے کے بعد انھوں نے لکھا ہے۔

"..... اس کے بعد مجھے حضرت سلطان العارفین حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کے دلاویز پنجابی ابیات جمع کرنے کا شوق پیدا ہوا تو اس کی تلاش و تجسس شروع کی۔ اللہ تعالیٰ کا ہزار شکر ہے کہ اب وہ مجموعہ مرتب کرکے شائع کیا جاتا ہے۔ اس مجموعہ کی ترتیب میں نے اپنی علمی بساط کے مطابق کی ہے۔ نیز بعض غلط اشعار جو دوسرے مصنفوں کے سلطان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے نام سے مشہور تھے' اپنی واقفیت کے مطابق کاٹ دیئے ہیں۔"

دوسرا مجموعہ "انوارِ سُلطانی یعنی اشعارِ سُلطانی" فقیر نور محمدؒ سروری قادری کلاچوی رحمتہ اللہ علیہ نے مرتب کیا اور اس کی شرح بھی لکھی۔ یہ مجموعہ مع شرح ان کے صاحبزادے کے اشاعتی ادارے "عرفان منزل" سے مل سکتا ہے۔

ان دونوں مجموعوں کے موازنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لاہور کے تاجر کتب کے مرتب کردہ مجموعہ ابیات کی تعداد زیادہ ہے۔ نیز اس کے چند اشعار کو فقیر نور محمد علیہ الرحمہ نے الحاقی قرار دیا ہے' مثلاً" یہ شعر۔

شور شہر تے رحمت دسے جتھے مُرشد باھُو جالے ھُو
باغباں دی بُوٹی وانگوں طالب نِت سنبھالے ھو
نال نظارے رحمت والے ..... الخ

تعداد کے علاوہ ابیات کے الفاظ میں بھی خاصا فرق ہے۔ پہلے دو اشعار ہی میں یہ فرق صاف نظر آتا ہے۔

فضل دین: الف۔

اللہ جنبے دِی بُوٹی مُرشد من میرے وِچ لائی ھُو
نفی اثبات دا پانی مِلیس ہر رَگے ہَر جائی ھُو
اَندر بُوٹی مُشک مچایا جاں پھُلن پہ آئی ھُو
جِیوے مُرشد کامل باھُو جیں ایہہ بُوٹی لائی ھُو

فقیر نُور محمدؒ: الف:

اللہ جنبے دی بُوٹی میرے مَن وِچ مُرشد لائی ھُو
نفی اثبات دا پانی مِلیس ہر رگیں ہَر جائی ھُو
ہرجا بُوٹی مُشک مچایا جاں پھُلن تے آئی ھُو
مُرشد کامل ہر دَم جِیوے (باھُو) جیں اے بُوٹی لائی ھُو

"انوار سلطانی" کے موجودہ ناشر نے لکھا ہے کہ اصلی اشعار میں ابیات کی ردیف "ھو" نہیں تھی' یہ بعد کا اضافہ ہے۔ ملک فضل دین نے اس کی وضاحت ضروری نہیں سمجھی کہ ان کے دیباچے میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

ابیات کی ادبی حیثیت پر مکمل تبصرہ پہلے گذر چکا ہے: (باب ۸: "ابیات")

۲۔ اسرارِ قادری: شروع میں حمدوثنا لکھی ہے۔ "اللہ تعالیٰ کے اسماء پاک ہیں' اس کی کبریائی بلند ہے' وہ تمام مخلوقات کا پیدا کرنے والا اور رزق دینے والا ہے ...." مختصر تمہید کے بعد ان موضوعات پر قلم اٹھایا ہے' اسم اللہ کے تصور کی تاثیر' فقیر کامل کے اوصاف' طالب و مرشد کے خصائص نیز مقامات و تجلیات اور اقسام توجہ وغیرہ۔ آخری صفحات میں بہت سی باتیں جو شروع میں بیان کی جاچکی ہیں' تقریباً" انہی الفاظ

www.yabahu.com

میں دہرا دی گئی ہے، ممکن ہے یہ ناقل کی کوتاہی ہو یا خود حضرت مصنف رحمتہ اللہ علیہ ہی نے تاکید و توضیح کی خاطر ان باتوں کو دہرا دیا ہو۔ کتاب کے آخر میں اسماء حسنیٰ کا نقش دیا گیا ہے اور ان الفاظ پر کتاب ختم ہوتی ہے:

"واضح رہے کہ آدمی کی اصل خاص تجلّیٔ لطیف سے ہے۔ آدمی کے بدن پر تجلی خاص ہے اور کپڑا آدمی کے بدن پر کثیف ہے۔ انسان تجلی خاص الخاص نور ہے۔"

۳۔ امیرالکونین: مختصر حمد و ثنا کے بعد یوں ابتداء کرتے ہیں:

"بعد ازاں اس تصنیف کا مصنف غالب الاولیاء، عارف خدا، دائم بحضور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، تلقین و تعلیم و دست بیعت کردۂ محمد رسول اللہ ﷺ، مُرید دست گرفتہ حضرت شاہ محی الدین ولی اللہ غلام قادری سروری، خاکپائے قادری سروری، طبیب القلوب بامعالجۂ شفا اور چہرہ وجود کو مطلوب کا بخشنے والا باھُو فنافی ھُو ولد بازید عرف اعوان ساکن قلعہ شور کوٹ عرض پرداز ہے۔ کہ....."

جب تک اصل مسودہ مہیا نہ ہو، یہ رائے قائم کرنا مشکل ہے کہ سلطان صاحب نے یہ القاب و آداب اپنے مقام کے بارے میں خود لکھے ہیں یا کسی عقیدتمند درویش نے مسودہ سے نقل کرتے ہوئے انھیں اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے، اس گمان سے قطع نظر یاد رکھنا چاہیے کہ سلطان صاحب رحمتہ اللہ علیہ اپنے مقام کے بارے میں اکثر اشاروں ہی اشاروں میں کچھ کہہ جاتے ہیں، لیکن کتب و رسائل کی تمہیدات میں انھوں نے اپنے بلند مرتبہ کا اظہار جائز سمجھا ہے یا نہیں؟ ان تراجم سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسے روا سمجھتے تھے۔ ظاہر ہے یہ سب کسی حکمت کے تحت بطور تحدیث نعمت ہوگا۔

مقامات فقر اس کتاب کا خصوصی موضوع ہیں، مثلاً: فقیر اہل ہوا، اہل خدا، علم، ذکر، تصور و تصور برزخ، مراقبہ، دعوت، دعوت عظیم اور شرح نعم البدل وغیرہ۔

www.yabahu.com

یہ کتاب ایک خاص کیفیت وجد میں لکھی گئی معلوم ہوتی ہے۔ مذکورہ موضوعات کے معارف کرنے کے علاوہ ایک جگہ اپنے بارے میں فرمایا ہے:

"تصور حضور کا نور اور تصرف مغفور میرے ساتوں اعضاء میں اس طرح مل گیا ہے، جیسے دودھ پانی میں۔ اگر میں نور حضور کو چھوڑنا چاہتا ہوں تو وہ مجھے نہیں چھوڑتا۔ اگر میں انوار و تجلیات کے دیدار کی گرمی سے عاجز آکر بھاگنا چاہتا ہوں تو نُور حضور مجھ پر غالب آجاتا ہے۔

ہر طرف بینم دہد دیدار خویش
ہر طرف بینم نماید بیش بیش

میں علم دیدار کا عالم ہوں، مجھے تو نور ہی نور دکھلائی دیتا ہے۔" (ص ۷۸)

دوسری کتب کی نسبت اس کتاب میں بطرز مثنوی اشعار زیادہ نقل کئے ہیں۔ گویا یہ ایک نیم نثری اور نیم شعری مجموعہ ہے۔

۴۔ اورنگ شاہی: حمد و ثنا کے بعد کہتے ہیں کہ یہ رسالہ بھی روحانی ہدایت کے تحت لکھا گیا ہے:

بعد ازاں مصنف تصنیف بے تالیف باھو ولد بازید عرف اعوان ساکن قلعہ پرگنہ شورکوٹ متعلقہ صوبہ لاہور، اللہ تعالیٰ کے حکم، پیغمبر خدا ﷺ کی اجازت، باطنی تحقیق اور ظاہری علم کی توفیق سے کہتا ہے....."

یہ رسالہ اس دعوے کے ساتھ لکھا گیا ہے کہ اس کا مطالعہ کرنے کے بعد طالب روحانیت اپنی استعداد بڑھا سکتا ہے....."جو اس رسالہ کو پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کا مطلب پورا کرے گا اور دنیا و آخرت میں لایحتاج رہے گا...."

پیری و مرشدی کے بارے میں معارف بیان کرنے کے بعد تصور کرنے کے لئے "اَللّٰہُ، لِلّٰہِ، لَہٗ، ھُوَ، مُحَمَّدٌ وغیرہ کے نقش او دائرے تجویز کئے ہیں کہ ان کے تصور سے آدمی اپنا مقصود حاصل کرسکتا ہے۔ ہر نقش کے ساتھ اس کے تصور کے نتائج و ثمرات بھی لکھ دیئے ہیں۔ ان سب سے حضوری نصیب ہوگی اور راہ حضوری ایک ایسی راہ

ہے۔ "جس میں رفیق ہمیشہ ہمراہ رہتے ہیں۔ رفیق اسے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے باز رکھتے ہیں۔ وہ رفیق' عطائے الٰہی اور فیض الٰہی ہیں' دونوں جہاں کا تماشا مدنظر رہتا ہے۔" (ص۷)

۵۔ توفیقِ ہدایت: حمد و ثنا کے بعد کتاب کی ابتداء ہوتی ہے: "بعد ازاں مصنف تصنیف فقیر باھو فنافی ھو ولد بازید عرف اعوان ساکن قلعہ شورکوٹ عرض پرداز ہے کہ چند ایک کلمات تصوف کی صفات' صحیح صحیح شناخت حق' معرفت اور ذکر کے بارے میں قرآن شریف اور حدیث کے موافق نفس خبیث اور شیطان ملعون کے دفعیہ کے لئے لکھے ہیں' جو سرتاسر توفیق ہیں....."

پہلے مرشد اور ذکر کی مشق کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے' پھر لکھا ہے کہ نظر مرشد سے مشرق و مغرب درویش کے قبضے میں آجاتے ہیں۔ دعوت کا حوالہ دے کر کہتے ہیں کہ دعوت کا عامل' ولی اللہ' اہل اللہ' بادشاہ پر غالب اور اولی الامر ہوتا ہے۔" اس کتاب میں اپنے عام انداز سے ہٹ کر شروع ہی میں "دعوت" کی شرح بیان کردی ہے اور پھر مقام یقین' جمعیت کل اور ذکر کے بارے میں نکات قلمبند کئے ہیں۔

توجہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ سات قسم کی ہوتی ہے اور جو توجہ کل الکلید حاصل کرلیتا ہے' وہ لایحتاج ہوجاتا ہے۔ کشف کے بارے میں تشریح کی ہے کہ وہ چار قسم کا ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ذاکروں کو کشف اسم اللہ ذات کی تاثیر سے حاصل ہوتا ہے' حضوری کے متعلق لکھا ہے کہ سات طرح کی ہوتی ہے۔ پھر ہرایک کے متعلق اشارۃً تحریر فرمایا ہے۔

ایک باب میں قلب پر کثرت ذکر سے مترتب ہونے والے اثرات کا بیان ہے آخری حصہ میں تصور و ذکر کی مشق کے لئے کچھ نقش اور دائرے مع فوائد شامل کتاب کئے ہیں۔

۶۔ تیغِ برہنہ: حمد و ثنا اور تعارفی کلمات کے بعد ابتداء ہی میں کہتے ہیں:

"واضح رہے کہ ان ورقوں کی بات پڑھنے کی صورت میں ایک تو خبر ہے' لیکن اصل میں علماء باللہ اور فقیر ولی اللہ کی پکی کسوٹی ہے۔" آگے جاکر لکھا ہے:

"اس رسالہ کا نام تیغِ برہنہ' رکھا گیا ہے' جو نفس موذی کے لئے قتل کرنے والی تلوار اور کفار کے لئے دار حرب" ---- قادری طریقہ کی فضیلت کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ سب طریقوں سے اعلیٰ ہے اور شاہ محی الدین قدس سرہ' کی مدد سے مطلب جلد حاصل ہوجاتا ہے۔"

ظاہری و باطنی علوم کو موازنہ کرتے ہوئے اس رسالہ میں ایک جگہ لکھا ہے کہ جہاں ظاہری علوم کے لئے مطالعہ' محنت اور بحث وغیرہ میں کئی سال صرف کئے جاتے ہیں' وہاں علم باطنی میں فضیلت اسم اللہ ذات کی توجہ اور مرشد کامل کی توجہ سے ایک دن رات یا گھڑی یا ایک دم یا ایک لحہ میں ہوجاتی ہے اور وصال حاصل ہوتا ہے۔"

فقیر کے لئے علم العلوم کی شرح جاننا ضروری ہے اور وہ "حق و باطل کی تمیز کرنا" ہے۔ خفیہ تصور و ذکر کی تعریف کی ہے۔ "خفیہ ذکر میں تمام نیکیاں جمع ہیں۔" نیز اسم اللہ کا تصور نفس کے لئے موت اور اس کے قتل کے لئے بمنزلۂ تلوار ہے۔"

اس شعر پر کتاب ختم ہوتی ہے۔

گر بگویم شرح شوق خود عیاں
ہیچ کس زندہ نماند در جہاں

۷۔ جامع الاسرار: حمد و ثنا' تعارف اور تفصیل ابواب کے بعد شروع ہی میں لکھ دیا ہے کہ ہر کمال انسان کے وجود کے اندر موجود ہے۔ "تمھاری جان لعلوں کی کان ہے' جس سے تم مطلق بے خبر رہ کر حیراں و سرگرداں اور پریشان پھرتے ہو۔

آفتاب و ماہتاب توئی' خود رہبر و رہداں توئی"

کسی صاحبِ حکمت مرشد کی راہنمائی میں یہ کمال حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ترک دنیا اور فقیر کے بارے میں انتقال خیال کی مثالیں اس کتاب میں جابجا ملیں گی۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ اس موضوع کی طرف بار بار لوٹتے ہیں اور معارف بیان کرتے چلے

www.yabahu.com

جاتے ہیں۔ آخری باب میں لکھا ہے کہ سوائے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے کسی شخص نے فقر کا انتہائی درجہ حاصل نہیں کیا۔

آخر میں چند دائرے دیئے ہیں کہ ان کی تصوری مشق سے آدمی مختلف مقامات کی سیر کے قابل ہوجاتا ہے۔ کتاب کے خاتمہ پر ایک بار پھر مرشد کامل کی نشاندہی کی ہے۔ "ولایت اس بات کا نام ہے کہ رات کے وقت ہر غوث کو تین سو سات ہزار درجہ حاصل ہوتا ہے اور ہر درجہ کے عوض سجدہ کرتا ہے۔ قطب نیم پیر ہوتا ہے اور غوث مکمل پیر۔ اگر غوث اور قطب کے سوا کوئی پیر ہونے کا دعویٰ کرے گا' وہ قیامت کے دن شرمندہ ہوگا۔"

۸۔ دیوان باھو (فارسی) غزلیات کا یہ دیوان "ترجمہ منظوم بزبان پنجابی معہ اصل فارسی" ملک فضل الدین تاجر کتب کشمیری بازار کی دکان سے دستیاب ہے۔ یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں کہ انھوں نے یہ غزلیں کہاں سے حاصل کیں اور کن اصحاب نے اس سلسلے میں ان سے تعاون کیا۔

پہلی غزل کا مطلع ہے ؎

یَقیں دَانم دَریں عَالم کہ لَامعبُود اِلاّ ھُو
وَ لاَ موجُود فِی الکونین و لا مقصُود اِلاّ ھُو

مقطع میں تخلص بھی موجود ہے ؎

مَنم غمخوارِ خود ہَستم ، بجُز باھُو نہ دَردستم
دِل و جانم بہ ھُو بستم نہ بستم غیر اِلاّ ھُو

زیادہ تر غزلیں قوالی کی طرز پر لکھی گئیں ہیں' جن میں امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ کے سوزووجد کی آمیزش نظر آتی ہے' مثال کے طور پر ؎

دِلے بایارِ خودبستم زہستی دستِ خود شستم
چوں مَستاں وار مَن مستم' بیاخود رابتو سوزم
الا اے یار فرزانہ! بیاباما بہ مے خانہ
چُوں مَرداں باش مستانہ' بکُن باجَام پیمانہ

مال و اولاد آدمی را در جہنم می برد
کس نگردد ایمن ازوے گرچہ باشد خاص و عام
پوششِ خود رابجُز تقوٰی مکُن
باحیائے زیب و زینت خود نگر

لیکن اس قسم کے سپاٹ اشعار کی تعداد کم ہے۔ زیادہ تر اشعار اوسط درجے کے ہیں۔

نثر کی کتب کے برعکس یہاں "فارسی خام" کی بجائے بڑی منجھی ہوئی زبان استعمال کی گئی ہے۔ وہ اشعار جو سلطان صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اس دور کے ادبی تقاضوں کے پیش نظر فارسی کتب میں تحریر فرمائے ہیں' مطبوعہ دیوان کے انداز سخن سے مناسبت و مشابہت نہیں رکھتے۔ ان پر پھر بھی فارسی خام کا گماں گزرتا ہے مگر زیر نظر دیوان میں تو یہ بات کہیں نہیں کھٹکتی۔ بہرحال یہ مختصر دیوان اہل فن کی نگاہ کا منتظر ہے کہ تحقیقی انداز میں اس زبان اور اسلوب کا محاکمہ کیا جائے۔ نیز اس کی شاہت اور فنی حیثیت کے بارے میں فیصلہ صادر کیا جائے۔

۹۔ رِسالہ رُوحی : حضرت فقیر نور محمد کلاچوی علیہ الرحمہ نے اسے "مخزن اسرار" میں شائع کیا ہے۔ اس رسالے کا آٹھ صفحات پر مشتمل علیحدہ ترجمہ بھی کشمیری بازار لاہور سے مل سکتا ہے۔ اس مختصر رسالہ میں مصنف رحمتہ اللہ علیہ نے پہلے کُنتُ کَنزًا" مَخفِیًا" کی ایک لطیف اور حیرت انگیز شرح رقم کی ہے' پھر اپنی ذات اور مقام روحانیت کے حوالہ سے کچھ ایسے اسرار و غوامض بیان کئے ہیں' جن کے مطالعہ کے بعد ہم وحدت الوجود کے عقیدہ سے زیادہ حضرت سلطان العارفین رحمتہ اللہ علیہ کے مقام بلند سے روشناس ہوتے ہیں۔ سات سلطان الفقراء کی ارواح کے بارے میں لکھا

www.yabahu.com

ہے کہ وہ "آدم علیہ السلام کے ظہور سے ستر ہزار سال پہلے بحرِ جمال میں غرق درخت یقین پر پیدا ہوئیں" اور یہ مرتبہ حاصل کیا "جس شخص پر بھی ان کا پرتو لازوال پڑا' انھوں نے اسے نورِ مطلق بنا دیا۔" بقول حضرت مصنف رحمتہ اللہ علیہ درج ذیل پانچ نفوس قدسیہ ان پاکیزہ ارواح کے حامل ہیں۔

۱۔ خاتونِ جنت حضرت فاطمتہ الزہرا رضی اللہ عنہا

۲۔ حضرت خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ

۳۔ حضرت شیخ سیّد عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز

۴۔ حضرت شیخ سیّد عبدالرّزاق جیلانی رحمتہ اللہ علیہ

۵۔ (مصنفِ رسالۂ رُوحی)' حضرت سُلطان العارفین باھُو رحمتہ اللہ علیہ

اس کے بعد فرمایا ہے کہ دو روحیں اور بھی ہیں۔ جب تک وہ اس عالم میں جلوہ افروز نہ ہوں گی' قیامت قائم نہ ہوگی۔ مذکورہ بالا رسالے کے بارے میں حضرت مصنف نے خود کہا ہے کہ اگر کوئی سالک رجعت میں پڑ جائے تو اسے اپنے مقصد برآری کا وسیلہ بنا سکتا ہے۔ فیض رسانی خلق کی وہ شان جس سے حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ ممتاز تھے' اس رسالے کے ایک شعر سے نمایاں ہے ؎

ہر کہ طالبِ حقّ بود مَن حاضرم ——— زابتدا تا انتہا یکدم بُرم

سروری قادری مرید اس رسالے کو وظیفہ کے طور پر بھی پڑھتے ہیں۔ فقیر نور محمد کلاچوی رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادے نے "عرفان" کے دیباچے میں اپنے والد محترم کا دوران سلوک ایک تجربہ بھی نقل کیا ہے' جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسالہ روحی کا کلام مُشکل کشائی کے لئے بھی کار آمد و مفید ہے۔

۱۰۔ شمسُ العارفین: اگرچہ سَرورق پر اسے ایک مستقل تصنیف کے طور پر پیش کیا گیا ہے مگر درحقیقت یہ سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کی مختلف کتب کے اقتباسات کا مجموعہ ہے۔ مترجم یا مرتب نے جس کے نام کا ذکر نہیں کیا گیا' حمد و ثنا کے بعد لکھا ہے: "اب میں رسالہ الٰہی سے اس رسالے کا بیان شروع کرتا ہوں' مفصلہ ذیل کتابوں

سے منتخب کیا گیا ہے: کلید التوحید' قُربِ دیدار' عقل بیدار' جامع الاسرار' نُورالہُدیٰ (عین نما۔) فضل اللقا جو کہ ہمارے شیخ سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کی تصنیفات سے ہیں ....."

ساتویں باب میں چند ایک نقش' ایک فالنامہ اور چند اذکار پر مشتمل بیان شامل رسالہ کیا گیا ہے۔

۱۱۔ عقل بیدار: حمد و ثنا کے بعد کتاب کے شروع میں مصنف رحمتہ اللہ علیہ نے اس کتاب کی یوں تعریف کی ہے: "یہ تصنیف عین رحمت نما اور فیض فضل عطا ہے۔ یہ طالبوں کے لئے بخشش ہے' کیونکہ خداوند تعالیٰ سے ہے اور خداوند تعالیٰ کے ساتھ ہے۔" ..... "اس کتاب سے اللہ تعالیٰ کے خزانوں کا علم حاصل ہوتا ہے اور نہ صرف علم بلکہ وہ خزانے توفیق الٰہی سے دکھائی دینے لگتے ہیں' لیکن ان کے لئے کوئی صاحب دانش ہونا چاہیے نہ کہ بے عقل جو روٹی کی دھن میں ہے" (صہ ۲۲)

اسی طرح اپنے بارے میں ظاہر کیا ہے:

"اس تصنیف کا مصنف عالم علم تصوف اور سیف القلوب لاسوی اللہ' تصور ربانی میں مقید' حضور شریف سے مشرف' قبور لطیف کی روحوں پر متصرف' متوجہ بقرب اللہ' فنافی اللہ' مستحق جامع حقیقت' رفیق حق' سالک سلوک اور آفات راہ سے فارغ' معرفت لاھوت کا مبتدی' الہام اللہ کا ہم سخن' عارف عیاں' مجلس محمدی میں دائمی حاضر' غلام خانہ زاد' طالب مرید قادری بندہ باھو' جس کے بدن کا ہر بال بمنزلہ بیان ہے....."

اس کتاب میں عملی سلوک کے لئے نقش اور دائرے نقل کرکے ہر ایک کے اثرات و نتائج کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ یہ سب دائرے تصوری قوت کے ذریعے قرب معبود کے حصول کا ذریعہ بنتے ہیں۔ چونکہ سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے تصور پر بہت زور دیا ہے' اس لئے اس کے ذریعہ مطلوب تک پہنچنے کے لئے انھوں نے طریق کار کی بھی وضاحت کردی ہے۔ جابجا تنبیہہ بھی ملتی ہے کہ ان تمام تشریحات کے

www.yabahu.com

باوجود مرشد کامل کی راہنمائی ضروری ہے۔

اسماء حسنٰی کی شرح بھی دی ہے اور ان کی خاصیتیں (جلالی و جمالی) بھی لکھ دی ہیں۔ بعض قلمی نسخے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ یہ خواص مترجم نے اپنی طرف سے لکھ دیئے ہیں یا ناشر کی ہدایت پر ایسا کیا گیا ہے۔ قلمی نسخوں میں یہ تفصیل نہیں ہے۔ کتاب ان الفاظ پر ختم ہوتی ہے: "تصور مشاہدے کا وسیلہ ہے' اسم فقر سراسر فیض ہے' فضل اور رحمت ہے۔ مندرجہ بالا اسماء سے لقائے الٰہی نصیب ہوتا ہے۔"

"خاتمہ" کے عنوان سے فارسی میں ایک نظم درج ہے' جو کتاب کے مترجم نے لکھی ہے۔ مطالعہ نظم سے مترشح ہوتا ہے کہ مترجم کا نام محبوب عالم تھا:

رقم کردہ است ایں محبوبِ عالم
بلطفِ شاہِ جیلان غوثِ الاعظم

۱۲۔ **عَین الفَقر:** حمدوثنا کے بعد سبب تالیف بیان کیا ہے۔ "مخفی نہ رہے کہ میں نے اس کتاب کو جس کا نام عین الفقر ہے' اس لئے لکھا کہ طالبان خدا اور فقیران فنافی اللہ کو ہر مقام میں خواہ مبتدی و متوسط ہوں یا منتہی' فائدہ رہے اور صراط مستقیم پر قائم رکھے...."

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کی جو کتب اس وقت دستیاب ہیں' ان میں غالباً" اس لحاظ سے یہ کتاب سب سے زیادہ اہم ہے کہ اس میں سلوک کے مضامین کی ترتیب و شرح آسان تر پیرائے میں بیان کی گئی ہے۔ اس کے مفاہیم و مطالب کی تکرار کے باوصف ایک قاری اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا۔

کتاب کا مبحث یہ ہے کہ انسان غرق توحید ہو کر حق الیقین کیسے حاصل کرے لکھا ہے کہ اسے سب سے پہلے مرشد کامل کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ ساتھ ہی مرشد کامل کے خصائص کی تشریح بھی کر دی گئی ہے اور مرشد ناقص سے بچنے کی ہدایت کی ہے۔ پھر بتایا ہے کہ علم کا حاصل کرنا فرض ہے۔ علم سے مراد علم محض برائے حصول معاش نہیں' بلکہ ان کے الفاظ میں "علم وہ ہے' جو سینہ میں ہے اور حق کی رہنمائی

کرتا ہے۔" یعنی وہ علم جو "معفت قلب و نگاہ" عطا کرے' پھر اس کے دوران پیدا ہونے والی کیفیات کو بالتفصیل بیان کیا ہے۔

تجلی کی اقسام' مخالفت نفس و ترک دنیا' مراقبہ و مشاہدہ وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ کتاب ان الفاظ پر ختم ہوتی ہے: "فقیر کو دریا نوش ہونا چاہیے' اگرچہ ہجر کی وجہ سے ہو' شور نہ کرے' خاموش رہے' اللہ بس ماسوائے اللہ ہوس۔"

آخر میں مترجم نے ایک نوٹ بھی لکھا ہے' لیکن اس سے موضوع کتاب کے بارے میں کوئی معتدبہ اضافہ نہیں ہوتا۔ اس کتاب کا ترجمہ دوسرے رسائل و کتب کے تراجم سے بہتر ہے۔ مترجم مولنا محمد عبدالستار ٹونکی ہیں۔

۱۳۔ **فَضلُ اللِّقاء:** حمدوثنا کے بعد ابتدائیہ میں لکھا ہے۔ "یہ رسالہ بادشاہ اسلام اورنگ زیب کے زمانے میں لکھا گیا۔ اس رسالہ کو عیان الفقراء کا خطاب دیا گیا ہے' کیونکہ اس رسالہ کا ایک دن کا مطالعہ سو سال کی ریاضت سے افضل ہے۔"

اس رسالہ میں سلسلہ عالیہ قادریہ اور بانی طریقہ حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے محاسن و مناقب بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت غوث الثقلین کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ "امر خدا ہیں۔"

موضوعات اکثر و بیشتر وہی ہیں' جو آپ کی دوسری کتب میں مذکور ہیں مثلاً": ذکر و تصور اسم ذات' مرشد کا کام اور فنافی اللہ تک پہنچنے کی تلقین و ترغیب وغیرہ۔ یہ رسالہ اس حدیث پر ختم ہوتا ہے۔ "جس نے کلمہ طیبہ **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ** پڑھا' وہ بغیر حساب و عذاب جنت میں داخل ہوا' اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے ہیں' وہ وعدے کے برخلاف نہیں کرتا۔"

۱۴۔ **قُربِ دیدار:** حمدوثنا اور ابتداء میں تعارفی کلمات کے بعد کتاب کے بارے میں لکھا ہے۔ "یہ کتاب رسول القطب' قطب الاقطاب' حق و باطل میں تمیز کرنے والی صحیح جواب باصواب معرفت اور فقر کا مغز' مجمل ہدایت تصور اسم اللہ ذات کے مجموعہ

www.yabahu.com

کی فہرست ہے ..... نیز یہ کتاب وسیلہ بننے کے لئے بمنزلۂ خضر ہے ....."

طالب اور مرشد کی خصوصیات بیان کی ہیں اور پھر ذکر و تصور اسم ذات کے اثرات و تجلیات کا بالتفصیل ذکر ہے۔ تصور کے لئے دائرہ بھی تجویز کیا ہے کہ اس سے فقیر جزئی و کلی علوم کا عالم ہوجاتا ہے۔ مرشد جس انداز سے طالب کی رہنمائی کرتا ہے' اس کے چار مراتب بیان کئے ہیں۔ ان چار مراحل سے گذر کر طالب روحانیت فقر کی انتہا کو چھو لیتا ہے۔

ذکر قلب یعنی زندگی قلب' بیداری قلب اور قوت و توفیق قلب کی شرح ایک الگ باب میں رقم کی ہے۔ بالاخر دعوت کی شرح پر یہ کتاب ختم ہوتی ہے۔ دعوت کے بارے میں وہی کچھ لکھا ہے' جو ان کی دوسری کتب میں مرقوم ہے۔ دعوت کے اثرات کی بات کرتے ہوئے آپ نے کتاب کو ان جملوں پر ختم کیا ہے: اس اہل دعوت پر ہزار آفرین ہے' جو لوگوں کی تکلیفوں کو دفع کرتا ہے اور کسی کو دکھ نہیں پہنچاتا۔

ہم عَالِم' ہَم کامِلم رَہبر خُدا
ہَم عَارِفم' دَرویش بَافقر و بَقا"

۱۵۔ کلید التّوحید (خورد): اس مختصر سے رسالہ میں بھی سلوک کے مختلف نکات طالبان حق کی رہنمائی کے لئے بیان کئے گئے ہیں۔ سلطان العارفین رحمتہ اللہ علیہ نے تصنیف کے بارے میں لکھا ہے:

"فقیر نے اس رسالہ کو بحکم الٰہی و باجازت جناب سرور کائنات علیہ الصلوۃ و السلام لکھا ہے۔ یہ رسالہ منظور نظر آپ جناب ﷺ ہوگیا ہے۔ اس کی نسبت آنجناب سے ارشاد ہوا کہ اس رسالہ کو حرف حرف حضور و مشاہدہ حق کا بخشے گا' اس کی سطر سطر اسرار و تجلیات الٰہی سے ایک سر ہے...." (ص ۲۔)

ارواح مقدسہ سے ملاقات کے بارے میں لکھا ہے کہ اولیاء اللہ کی قبور سے

فیض حاصل کرنے سے راہ کشادہ ہوتی ہے اور ان کی "خدمت کرنے' ان سے فیض پانے سے طالب کو ظاہری و باطنی دلجمعی حاصل ہوتی ہے۔" اس کے لئے کسی مرشد کامل کی پیروی ضروری ہے۔ مرشد نفس امارہ سے نکال کر انسان کو نفس مطمئنہ کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔

درویش اور فقیر کے مراتب کا فرق بیان کیا ہے۔ فقیر کا مرتبہ درویش سے اونچا ہے۔ "فقیر کی نظر سے طالب روشن ضمیر اور اپنے نفس پر حاکم ہوجاتا ہے۔"

مجلسِ مُحمّدی کے فیوض و برکات کے بارے میں بھی مختصر معارف بیان کئے ہیں آخر میں ان لوگوں کا حال لکھا ہے' جن پر شیطان کو قدرت نہیں۔

"..... عالموں' فاضلوں' فقیروں' درویشوں' عارفوں' واصلوں پر شیطان ان کی قوت علم کی وجہ سے غالب نہیں آسکتا...."

۱۶۔ کلید التّوحید (کلاں): جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے۔ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے اس کتاب میں ذکر الٰہی اور تصور اسم اللہ ذات کی مشق پر بہت زور دیا ہے اور تفصیل سے بتایا ہے کہ اسم اللہ کے ورد اور تصور سے آدمی کن کیفیات اور کن مقامات سے گذر کر منزل مراد تک پہنچتا ہے۔ فنافی الشیخ کے بارے میں لکھا ہے کہ تصور شیخ سے ایک غیبی نورانی صورت پیدا ہوتی ہے' جو دن رات تسبیح و استغفار میں مصروف رہتی ہے' لیکن اس پر مغرور نہیں ہونا چاہیے' کیونکہ قرب مولیٰ کا درجہ آگے ہے' جس سے نور حضور حاصل ہوتا ہے۔

خواب اور مراقبہ کا موازنہ کرتے ہوئے مراقبہ کو خواب سے زیادہ قوی قرار دیا ہے' کیونکہ مراقبہ میں انسان نور حضور کے ذریعہ خدا کے زیادہ قریب ہوجاتا ہے' مراقبہ بحر توحید میں مستغرق کردیتا ہے۔

کتاب کے آخر میں فقراء کے اعلیٰ مراتب اور لوگوں پر ان کے حقوق واضح کرنے کے لئے شیخ ابوسعید بن حسن طوسی رحمتہ اللہ علیہ کی مرتبہ چالیس حدیثیں شامل کی گئی ہیں۔ پھر "دعوت حضور قبور" کے طریقے اور اثرات بیان کئے ہیں' جن سے کوئی

www.yabahu.com

عامل کامل ہی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ صاحب باطن ہی دعوت قبور کا اہل ہو سکتا ہے۔ اور اس عمل کی حکمتوں سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ اگر کوئی ناقص یہ عمل کرے گا تو نقصان اٹھائے گا۔

۱۷۔ کلیدِ جنّت: یہ کتاب حمد وثنا اور مصنف رحمتہ اللہ علیہ کے تعارف کے بغیر شروع ہوتی ہے۔ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب مستقل تصنیف کی بجائے کہیں مصنف کی دوسری کتابوں کے اقتباسات پر مشتمل مجموعہ نہ ہو۔

کتاب آٹھ ابواب پر منقسم ہے۔ سب سے پہلے ذکر و تصور اسم ذات کے طریقے اور ثمرات بیان کئے ہیں' پھر مشق کے لئے کئی دائرے تشکیل دیئے ہیں' جن کے مسلسل تصوّر سے "انسان کا باطن آباد ہوجاتا ہے۔" اس کے بعد مراقبہ فنا کے تین درجوں اور مجلس محمّدی کے بارے میں ایک ایک باب لکھا ہے۔ آخر میں دعوت کے طریقے بیان کئے ہیں۔ آٹھوں باب متفرقات کے بارے میں ہے' جمعیت' فقر اور دعوت تیغ برہنہ کے بارے میں کچھ نکات تحریر فرمائے ہیں۔

کتاب ختم ہوتی ہے تو یہ شُبہ تقویت اختیار کرجاتا ہے کہ اشارات پر مشتمل یہ کوئی یادداشت تھی۔

گنج الاسرار: حمدوثنا پر مشتمل مختصر اور رسمی جملوں کے بعد رسالہ لکھنے کا سبب بیان فرماتے ہیں:

"حمد وصلوٰۃ کے بعد راقم الحروف فقیر باھُو ولد بازید عرف اعوان ساکن قلعہ شورکوٹ نے چاہا کہ چند کلمات ازراہ مقام حضوری اسم اللہ ذات و شرف مجلسِ محمّدی ﷺ عالی درجات و ملازمت حضرت شاہ محی الدین رحمتہ اللہ علیہ موافق حدیث و قرآن عرض کرے....."

زیر نظر رسالے میں حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے طریقہ کی تعریف کی ہے۔ آپ کی رائے میں "کسی طریقہ والا کتنی ہی ریاضت اور

مجاہدہ کرے مگر ادنیٰ مرتبہ قادری کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔" کیونکہ قادری "خدا اور رسول اور حضرت شاہ محی الدین عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ سے ہم سخن ہوتا ہے۔"

قادری طریقہ میں تربیت پانے والوں کی اقسام بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "طریقہ قادری میں معرفت الٰہی کے خزینے ہیں۔"

فقیر کو جلال و جمال دونوں سے گزرنے کی ہدایت کی ہے۔

دنیا کی مذمت کرنے کے بعد ذکر الٰہی کے بعض پہلوؤں کی تشریح کی ہے' یہ بھی لکھا ہے کہ ذکر دوام سے مراد خفی ہے' ذکر دوام اور ذکر تمام طریقہ قادری کے درویشوں کو حاصل ہوتا ہے۔ "حضرت پیر دستگیر نائب جناب رسول کریم ﷺ اور اپنے مریدوں سے کسی احوال و حال میں غافل نہیں رہتے....."

۱۹۔ مجالستہ النبی ﷺ: آیہ کریمہ **اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ** کے ساتھ رسالہ شروع ہوتا ہے۔ پھر حمدوثنا کے بعد کتاب کا سبب تالیف یوں بیان کیا ہے:

"..... بندہ نے یہ چند کلمے تصور برزخ اسم اللہ ذات و مشاہدۂ نور الٰہی اور حضور مجلس محمدی سے متعلق موافق قرآن و حدیث بحکم الٰہی و باجازت جناب سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلام ایک رسالہ کی صورت میں لکھے' جس کا نام بندہ نے مجالستہ النبی رکھا اور اسے **لِسَانُ الْفُقَرَآءِ سَیْفُ الرَّحْمٰنِ** کا خطاب دیا....."

مطالعہ رسالہ کی منفعت بھی ظاہر کردی ہے:

"جو شخص اس رسالہ کو پڑھے گا' نورالٰہی اور معرفت اسرار لامتناہی اس کی طرف رخ کریں گے....."

فقر میں سب کچھ اسم اللہ ذات کے تصور سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ فنافی الشیخ' فنافی الرسول اور فنافی اللہ کے مقامات کی تشریح کی ہے۔ فقیر کے لئے علم کا حصول لازمی قرار دیا ہے۔ تزکیہ نفس اور ذکر قلبی کے معارف

www.yabahu.com

بیان کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے کہ ان سب کے لئے مرشد کامل کی ضرورت ہے اور "مرشد ایسا ہونا چاہیے' جیسا کہ مرشد فقیر اور مرشد ہر خاص و عام حضرت شاہ محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ ہیں۔"

۲۰۔ محبّت الاسرار: حمدوثنا کے بعد خلاف معمول تعارف کے بغیر ہی موضوع پر اظہار خیال کا آغاز کیا ہے۔ اسم اللہ کے تصور اور ذکر سے ابتداء ہے۔ آگے چل کر لکھا ہے:

"ذکر باخلوق کو چھوڑ' چنانچہ زبان کو چھوڑ دے' دل کو چھوڑ دے اور روح کو چھوڑدے کیونکہ اللہ تعالیٰ غیر مخلوق ہے۔ غیر مخلوق کو غیر مخلوق ہی کے ذکر سے یاد کرنا چاہیے۔"

موت کی یاد دلاتے ہیں تو ان کا دردانگیز بیان قاری کے رگ و پے میں اترتا چلا جاتا ہے۔ "اس غریب کی نصیحت دل کے کانوں سے سن کر ہر ایک ذی نفس کو آخر مرنا ہے۔" اس لئے طمع دنیا کو چھوڑ کر فقر کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔

اس مختصر سے رسالہ میں فقر و درویشی کے بارے میں ایسے اشارات و اسرار بیان کئے ہیں کہ دوسرے رسائل میں یکجا کم ملتے ہیں۔

"فقر کا مقام ایک گہرا سمندر ہے' جو سدرۃ المنتہیٰ روح الامیں کا مقام ہے۔ اس حق الیقین مقام کو صرف اہل دین ہی دیکھ سکتے ہیں۔" (صفحہ ۸)

آخر میں فقراء کے مدراج بیان کرتے ہوئے صاحب تصرف فقیر کو سب سے بلند مرتبہ قرار دیا ہے۔ "صاحبِ تصرّف صِراطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کی صراطِ مُستقیم والے جو والئی ولایت اور ہادیٔ ہدایت ہیں اور یہی فقیر کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔" (صہ ۳۵)

۲۱ محکُ الفُقراء (خورد) اس رسالہ کا تازہ ترین ترجمہ غلام دستگیر نامی مرحوم نے کیا ہے۔ اپنی طرف سے انھوں نے ایک دیباچہ بھی شامل کر دیا ہے' جس میں مصنف رحمتہ اللہ علیہ کے سلوک اور حالات زندگی کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا

ہے۔

ترجمے کے بارے میں انھوں نے لکھا ہے۔ "جس نسخہ سے ترجمہ کیا گیا ہے' وہ نقل در نقل ہے۔ کئی عبارتوں کے سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے۔ دو تین علماء کی مدد سے تصحیح کی کوشش کی ہے۔ پھر بھی اطمینان نہیں ہے۔"

زیر نظر رسالہ بھی ایک لحاظ سے حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیمات کی تلخیص ہے۔ پہلے باب میں اہل معرفت کی تعریف ہے۔ دوسرے باب میں ذکر الٰہی' نفس کی قسموں' سرود کی مذمت اور علم و فقر کے بارے میں وہ باتیں بیان کی ہیں جو ان کی دوسری کتب میں بھی مذکور ہیں۔ باب ۳ میں دعوت قرآن اور دعوت اہل قبور کا ذکر کیا ہے۔ اس باب میں ۲۲ یا ۲۳ ابیات دوبارہ نقل کر دیئے ہیں' جو پچھلے باب میں بھی مرقوم ہیں۔ پانچویں باب میں شیخ ابوسعید احمد بن حسین طوسی کی چالیس احادیث نقل کر دی ہیں' جو شامل رسالہ کلید التوحید (کلاں) ہیں۔ اسی طرح فقر کے بارے میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث جو کلید التوحید میں موجود ہے' یہاں بھی نظر سے گزرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء الحسنیٰ اور نقشہ خاصیت پر یہ رسالہ ختم ہوتا ہے۔ یہاں پھر معلوم ہوتا ہے کہ کچھ باتیں کتاب میں مترجم یا ناشر نے مزید شامل کر دی ہیں۔

۲۲۔ محکُ الفُقراء (کلاں): اس کتاب میں سلوک کے بہت سے مسائل کا بیان ہے اور دعویٰ کیا گیا ہے کہ جو شخص "اس کتاب کو ہمیشہ اپنے مطالعہ میں رکھے' اس پر عمل کرے اور کمال ذوق و شوق سے اس کو پڑھے تو ضرور ہے کہ اس کو آنحضرت ﷺ کی حضوری حاصل ہو' جو لاکھوں برس کی عبادت سے بہتر ہے اور کمال مرتبہ فقر ہے۔

ہر کہ می خواند "محک" بہرِ خُدا
مجلسے حاصِل شود با مُصطفیٰ

ایک اور جگہ لکھا ہے۔ "یہ کتاب ابتداء سے انتہا تک واحدانیت کی راہ ہے۔

www.ybahu.com

پس کسی انسان کی کیا مجال ہے کہ اس کے آگے دم مار سکے۔" اس کتاب میں عملی سلوک کے بارے میں ہدایات بھی ہیں اور تصوف کی مختلف اصطلاحات کی تشریح بھی۔ مثلاً" عملی سلوک میں ذکر مراقبہ' ذکر پاس انفاس' مراقبہ قادریہ ذکر اللہ کی ترکیب اور شرح الہام و پیغام کے عنوانات کے تحت مفصل تعلیم دی گئی ہے۔ نظری طور پر تصوف کی حقیقت' مسئلہ خیر و شر' مقامات حیرت مقام ہمہ اوست' تفکر' علم لدنی' اقسام درویشی' حقیقت کشف' مسلک اہل السنۃ و الجماعت شرح معراج اور فقر محمدی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

کتاب کے آخر میں کلمۂ طیبہ اور کلمۂ شہادت کے ورد کی فضیلت کے بارے میں حدیث نقل کی ہے اور ان کے ورد کا طریقہ بھی بیان کیا ہے۔

کتاب کے ترجمے میں احتیاط ملحوظ نہیں رکھی گئی' حالانکہ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیمات کو سمجھنے کے لئے یہ ایک اہم کتاب ہے۔ مترجم ("ترجمہ جناب ملک فضل الدین صاحب مجددی نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ") نے پہلے تو اپنی طرف سے درمیان میں تشریحی نوٹس دیئے ہیں مگر چند صفحات کے بعد یہ سلسلہ ختم ہوجاتا ہے۔ بایں ہمہ ترجمے میں آسانی پیدا نہیں ہوسکی۔ جملے آپس میں خلط ملط ہوگئے ہیں۔ سرورق پر ایک ہی آدمی کو مترجم ظاہر کیا گیا ہے' یعنی خود ملک فضل الدین تاجر کتب مگر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک آدمی نے یہ ترجمہ نہیں کیا' بلکہ مختلف حضرات نے طبع آزمائی کی ہے۔

۲۳۔ محکم الفُقراء: حمدوثنا اور تعارف سے یہ رسالہ شروع ہوتا ہے۔ فقیر کے لئے علم کو ضروری قرار دیا ہے۔ سر فہرست علم قرآن و حدیث ہے۔ اسم اللہ کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "چونکہ اسم اللہ قدیم ہے' اس لئے قدیم کو قدیم زبان ہی سے یاد کرنا چاہیے۔ قدیم زبان دل ہے۔"

مرشد کی تعریف میں کہتے ہیں کہ عارف اور عاشق مرشد وہ ہے' جو مرید کو نظر سے چار چیزیں عنایت کرتا ہے: تزکیۂ نفس' تصفیۂ قلب' تجلیۂ روح اور تجلیۂ سر۔"

ابدال کے بارے میں ایک حدیث نقل کرنے بعد لکھا ہے کہ فقیر کا مرتبہ ان سے بڑھ کر ہے۔ آخر میں دعوت پڑھنے کی تاکید کی ہے' تاہم پڑھنے کا مجاز صرف اسے قرار دیا ہے جو "باطن کا بہادر" ہو اور ایسا شخص جس مطلب کے لئے پڑھتا ہے' وہ یکبارگی سرانجام پاتا ہے۔"

۲۴۔ مفتاحُ العَارفِین: حمدوثنا اور تعارف کے بعد یقین کے تین درجے بیان کئے ہیں' پھر مرشد کے بھی تین رتبے رقم فرمائے ہیں۔ صاحب قلب اور غالب الاولیاء مرشد کی خصوصیت کے متعلق پراعتماد انداز میں ہدایات اور اس کی جزئیات بیان کی ہیں۔ لکھا ہے "دعوت ایک گہرا سمندر ہے' اس کے پڑھنے کے لئے صاحب توفیق ولی اللہ ہوا کرتے ہیں۔"

۲۵۔ نُورالہُدیٰ (خورد): حمدوثنا کے بعد اپنا تعارف یوں کراتے ہیں: "صاحب تصنیف باھو' مع ھو' معانی کاموتی' لامکانی غوطہ خور' بن بازید عرف اعوان نے حضرت سلطان' بادشاہ خلائق پناہ محی الدین اورنگ زیب' بادشاہ غازی عادل' بادل زاہد' عابد' اسرار ربانی سے واقف' علم سبحانی سے آگاہ کے زمانے میں یہ کتاب تیار کرکے اس کا نام "نورالہدیٰ' رکھا۔"

اورنگ زیب کے بارے میں یہ تعریفی کلمات اس بات کا ثبوت ہیں کہ اس کی تخت نشینی سے پہلے سلطان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی باطنی توجہ اس کی معاون تھی۔

سبب تصنیف وہی ہے' جو ان کی تمام تصنیفات کے پس منظر میں ہے یعنی طالبان حق کی رہنمائی تاکہ "سالک غلطی نہ کھائیں اور گمراہی میں نہ پڑیں۔"

مرشد اور طالب کے خصائص بیان کرنے کے بعد ذکرالٰہی کے معارف بیان کئے ہیں۔ اہل دل کے دینی و دنیوی امور کے بارے میں فرماتے ہیں: "اہل دل کا دینی و دنیوی کاموں میں تین چیزوں سے مقصد حاصل ہوتا ہے:

۱۔ وہم ۲۔ الہام ۳۔ توجہ

www.yabahu.com

طالبان حق کو خواب میں جو مناظر نظر آتے ہیں' ان کی تعبیر شرح خواب و مراقبہ کے باب میں بیان کی ہے۔

آخر میں جیسا کہ مختصر رسائل میں آپ کا انداز تحریر ہے' دعوت کے بیان پر کتاب ختم کی ہے۔ "دعوت میں بڑے بڑے اسرار ظاہر ہوتے ہیں۔" (ص ۴۹)

آخری جملے یہ ہیں: "کسی صاحب تصرف ولی اللہ کی قبر کی نشینی ایک رات کی' ریاضت کے چالیس چلوں سے افضل ہے۔"

"صاحب تصرّف اُسے کہتے ہیں کہ جس کے دروازے پر مشرق سے لے کر مغرب کے تمام انسان اور حیوان آئیں اور اس کے ظاہری اور باطنی تصرف میں ہوں۔"

۲۶۔ نُورا لہدیٰ (کلاں): اس کتاب کا ترجمہ فقیر نُور محمدؒ کلاچوی رحمتہ اللہ علیہ نے کیا اور ساتھ تشریحی نوٹ بھی لکھے' جو سلطان صاحب کی تعلیمات کی بعض جزئیات کو سمجھنے کے لئے نہایت مفید ہیں' فی الحال یہی ایک کتاب ہے' جو اچھے کاغذ پر چھپی ہے اور امکانی حد تک طباعت و کتابت کی اغلاط سے پاک ہے۔

شروع میں اکیس صفحات پر مشتمل ایک تمہیدی مضمون ہے' جس میں سلطان العارفین کی حالات زندگی اور طریقہ و تصانیف کے بارے میں مختصراً" وضاحت کی گئی ہے۔

حمدوثنا کے بعد کتاب یوں شروع ہوتی ہے "..... بعدہ' صاحب نطق' تصرف کل کہتا ہے کہ طالبی و مرشدی' پیری و مریدی اور استادی و شاگردی کے سچے اور جھوٹے مراتب کی تحقیقات کی کسوٹی پہلے پہل علم کیمیا اکسیر ہے' جسے تصرف توفیق کہتے ہیں..... سچ کہتا ہے مصنف تصنیف فقیر باھو قادری سروری فنافی ھو ولد بازید عرف اعوان ساکن قلعہ شور۔ اس کتاب کا نورا لہدیٰ نام رکھا گیا ہے اور عین نما خطاب دیا گیا ہے۔"

یوں تو اپنی دیگر تصانیف کو بھی حضرت مصنف رحمتہ اللہ علیہ نے روحانی رہبری کا ضامن قرار دیا ہے' مگر اس کتاب کی بصیرت افروزی کو زیادہ تاکید کے ساتھ سراہا

ہے۔ سیاق عبارت اس طرح ہے:

"اس تصنیف علم تصوف ربانی کلمات سخن کے پڑھنے سے طالب بے شک کنہ کن کی حقیقت کو پہنچ جاتا ہے۔ اس تصنیف علم تصوف کی گویائی سے اہل مطالعہ کو بے شک روشن ضمیر بینائی' قلب صفائی' روح یکتائی اور سررہنمائی حاصل ہوجاتی ہے اور اس تصنیف علم تصوف کے قال سے پڑھنے والا بے شک حضوری فی الحال اور صاحب معرفت' قرب معراج اور مشاہدۂ وصال ہوجاتا ہے اور تماشائے کونین سے واقف احوال ہوجاتا ہے۔" (ص ۴۹)

"یہ تصنیف علم معجزات سے منور اور علم معجزات کے معارف و اسرار سے پر اور مملو ہے۔ بعض بزرگان دین اور مصنفین کی کتابیں الہامی ہیں لیکن اس فقیر کو مقام الہام سے بھی بالا محض اللہ تعالیٰ کے قرب اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے نور سے القائے کلام حاصل ہوا ہے' اس کتاب کا مطالعہ بدبخت کو نیک بخت بنا دے گا۔" (صہ ۱۸۷)

اس کتاب کا ترجمہ دوسری تمام کتابوں کے ترجموں سے بہتر ہے۔ ترجمہ کرتے ہوئے اشعار فارسی کا ترجمہ بھی اردو اشعار میں پیش کیا گیا ہے۔ اگر یہ اشعار فارسی ہی میں رہنے دیئے جاتے تو غالباً" بہتر ہوتا۔ اس کے پہلے ایڈیشن میں فارسی اشعار برقرار رکھے گئے تھے۔

تشریحی اشارات خاصے مفید ہیں اور مترجم کے اسلوب بیان میں حضرت سلطان العارفین رحمتہ اللہ علیہ کی عبارات کا انعکاس نظر آتا ہے۔ فقیر صاحب رحمتہ اللہ علیہ (مترجم) حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کے سلسلہ میں مرید تھے اور جیسا کہ انھوں نے خود ذکر کیا ہے' وہ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کی توجہ باطن سے مستفیض بھی ہوتے رہے۔ یہ فنافی الشیخ کی تاثیر ہے کہ ان کے اسلوب تحریر پر بھی شیخ طریقت کا رنگ غالب ہے' سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیمات کو سمجھنے کے لئے فقیر

www.yabahu.com

صاحب کی تشریحات خاصی حد تک ممدومعاون ہیں۔

کتاب دس ابواب پر منقسم ہے۔ اس میں فضیلت کلمۂ طیّبہ' تصوّرِ اسمِ ذات' شرح دعوت' مُرشد و طالب کی خصوصیات' معرفت' ذکر حاضرات' طریقہ قادریہ' توجہ مرشد' فقر اور اوصاف فقیر کامل کے عنوانات کے تحت معارف بیان کئے ہیں۔

معرفت کی راہ میں انسان کو جو احوال پیش آتے ہیں اور جن خطرات سے وہ گزرتا ہے' ان کی مختلف صورتیں اور ضروری ہدایات بھی تحریر فرمائی ہیں۔ اسی طرح ارواح کی توجہ و استقبال کے بارے میں مشاہدے کی باتیں بیان کی ہیں۔ جن کے علم کے بغیر باطنی سلوک میں آگے بڑھنا مشکل ہے۔ (صہ ۹۶)

"ہم نے اس کتاب کو صورت باطنی دی ہے' عین نمائے جس شخص کے اسے پایا اور دیکھا' وہ عارف اور واصل باخدا ہوا۔ جس شخص نے اس کتاب سے مرتبہ فقر و معرفت حاصل نہ کیا اور واصل نہ ہوا' وہ بدبخت محض مردہ دل منافق بے حیا ہے' اَللّٰہُ بَسٌ مَاسِوَی اللّٰہ ہَوَسٌ کَفٰی عِلْمُہٗ بِحَالِی لَا زَوَالِیْ۔"

مترجم نے اپنے مرشد کے فیوض و برکات کی سپاس گزاری منظوم انداز میں کی ہے۔ دو شعر ہدیہ ناظرین ہیں۔

سِرِّ ھُوْ یا قتم مَن از باھُو
نِیست جزُ یار محرمِ رازم
شہسوار است بَرسرم باھُو
زیرِ آن شہر یار مِی نازم

اسی طرح حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمتہ کی شان میں ایک قصیدہ بھی لکھا ہے۔ نیز عملی سلوک کے طالبوں کے لئے دو صفحات پر مشتمل تصور اسم اللہ ذات کا طریقہ بھی موجود ہے۔ جسے مردان راہ یقیناً" اپنے لئے مفید پائیں گے۔

حوالہ و حواشی

۱۔ فقیر نور محمد رحمتہ اللہ علیہ نے ان میں سے "رسالہ روحی" اپنی کتاب "مخزن اسرار" میں نقل کرکے شائع کیا اور نورالہدیٰ کلاں کا ترجمہ کرکے اسے بھی چھپوایا' ان ہر دو کتابوں کے تراجم پہلے بھی موجود ہیں' مگر دوسری کتب اور رسائل کا کچھ علم نہیں۔ راقم نے ان کے صاحبزادے عبدالرشید صاحب سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی اور خط لکھا جس کا جواب نہ مل سکا۔

۲۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ ملک فضل دین جنھوں نے کشمیری بازار میں منزل نقشبندیہ یا اللہ والے کی قومی دوکان کے نام سے کتابوں کی ایک دوکان کھول رکھی تھی' سلطان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ایک جانشین کے پاس یہ درخواست لے کر گئے کہ سلطان صاحب کی فارسی کی قلمی کتابیں ان کو دی جائیں تاکہ وہ ان کا ترجمہ کراکے شائع کریں اور خلق خدا کو فیض پہنچے۔ ان بزرگ نے ساری کتابیں جن میں سے بعض کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ سلطان صاحب کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں' ان کے حوالے کردیں' ملک فضل دین صاحب نے ان کے ترجمے کرائے' خود ہی نظرثانی کی اور ان کی اشاعت کا انتظام کیا۔ اب چھاپے اور کتابت کی اغلاط پر مشتمل صرف یہی ترجمے ہیں' جو سلطان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے تصوف تک اہل ذوق کی رسائی کا واحد ذریعہ ہیں۔ اصل قلمی مسودات کا کیا بنا؟ باور کیا جاتا ہے کہ وہ ان کے کسی مکان کے تہہ خانے میں صندوق میں بند پڑے ہیں' جن پر ان کے خاندان کا قبضہ ہے اور وہ لوگ کسی کو حتیٰ کہ سلطان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے جانشینوں کو بھی دکھانے کے روادار نہیں ہیں۔ لہٰذا تحقیق و توضیح کا حق اس وقت تک ادا نہیں ہوسکتا' جب تک اصل مسودات تک رسائی کی صورت پیدا نہیں ہوتی اور اس کا فی الحال کوئی امکان نظر نہیں آتا۔

۳۔ یہ کتاب لکھی جا چکی تھی۔ کہ پروفیسر سلطان الطاف علی کا نسخہ "ابیات باھوؒ تحقیق و شرح" شائع ہوا۔ اس کی اشاعت سے اب ابیات کی تحقیق مکمل ہوئی۔

۴۔ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ، ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے مولانا عبدالقادر انبالی رحمتہ اللہ علیہ کو بہ سلسلہ اظہار نعمت ایک مکتوب میں یوں ارشاد فرمایا:۔

"معاملہ درویش بعنایت اللہ سبحانہ' و بصدقہ حبیبہ علیہ وآلہ الصلوۃ والسلام تابجائے می رسد کہ سیئات دیگراں حسنات ادمی گردد و رذیلہ ایشاں حمیدۂ ادمی شود مثلاً" ریا و سمعہ کہ از سیئات است و از رذائل اوصاف درحق ادحسن پیدامی کند و حکم حمد و

www.yabahu.com

شکری گیرد ..... پس درصورت ریا و سمعہ مقصود او (عارف) اشتہار و افتخار و رفعت و عظمت او نیست بلکہ اظہار نعمت حق است سبحانہ' واعلام احسان اوست تعالیٰ کہ نسبت باو بوقوع آمدہ است۔" (مکتوبات دفتر دوم : مکتوبات پنجاہ و ششم)

۵۔ "نورالہدیٰ" کا خطاب "عین نما" ہے۔ (نورالہدیٰ ص ۲۶)

باب : ۱۰

حضرت سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ
اور
علامہ اِقبال رحمتہ اللہ علیہ

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ اور علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کے نظریہ فقر و تصوف کا موازنہ بظاہر عجیب سی بات ہے' کیونکہ دونوں میں زمانی بعد بھی ہے اور تاریخی و معاشرتی پس منظر بھی جداگانہ ہے۔ اس کے باوجود اگر دونوں بعض معاملات میں متفق الکلمہ ہیں تو یہ محض حُسنِ اتفاق ہے۔ ان کے بیان و کلام میں بہت سی تہذیبی و ثقافتی منابع بے شک مشترک ہوں گے۔ لیکن اپنے اپنے دور کے مطابق دونوں کے ذاتی واردات و تاثرات کے ماخذ مختلف ہی نظر آتے ہیں۔

سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے اورنگ زیب عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ کے عہد میں پنجاب کے قصبہ شورکوٹ سے تلقین و ارشاد کا کام شروع کیا' پنجابی و فارسی میں اشعار کہے اور فارسی نثر میں سلوک و تصوف سے متعلق رسائل و کتب تصنیف کیں۔ یہ اس دور میں ان کی بہت بڑی علمی و معاشرتی خدمت تھی۔ وہ اونچے روحانی مقامات پر فائز ہونے کے باوجود ان پڑھ دیہاتیوں کی آبادیوں میں بھی گھومتے پھرتے رہے اور انہیں مذہب و روحانیت کا درس دیا۔ ان کا مقصد وہی تھا' جو دوسرے صوفیاء کے پیش نظر رہا' یعنی لوگوں کا تزکیہ نفس' تصفیہ باطن اور مراتب روحانی کے حصول کے لئے ایک خاص انداز و نہج پر ان کی رہنمائی۔

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے بیسویں صدی کے اوائل میں پنجاب کے ثقافتی

www.yabahu.com

مرکز لاہور میں قیام پذیر ہو کر تمام عالم اسلام کو مخاطب قرار دیا اور اردو و فارسی شاعری کے ذریعے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے ذہنی فضا تیار کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے اپنے گھر کے دروازے ہر کہ ومہ پر کھول دیئے۔ ان کے پاس طالب علم بھی آتے تھے اور سیاسی لیڈر بھی، ملکی و غیرملکی علماء و محققین بھی آتے تھے اور معمولی پڑھے لکھے لوگ بھی۔ ان کی علم و دانش کی روشنی سب کے لئے عام تھی۔ وہ جب تک زندہ رہے، مسلمانوں کو صحیح معنی میں مومن بننے کی تلقین کرتے رہے۔

تصوف کے موضوع پر ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ہر صوفی اپنے طبعی رجحان اور اسلوب بیان کے ساتھ یا تو نئے انداز میں کوئی بات کہتا ہے یا پھر اپنے دور کے کچھ مخصوص مسائل کو پیش نظر رکھ کر چند امور پر زیادہ زور دیتا ہے، اس طرح وہ دوسروں سے الگ اپنی ایک منفرد حیثیت منوا لیتا ہے۔ سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ اور اقبال رحمتہ اللہ علیہ دونوں عارفین کی طرح سلوک کے احوال و مقامات کا ذکر کرتے ہیں، لیکن دونوں اپنے اپنے دائرے میں منفرد نظر آتے ہیں۔ ان کے نظریات و افکار کے موازنہ کی صورت یہ نہیں ہے کہ دونوں ایک سے حالات میں تبلیغ و ارشاد کے کام میں مصروف رہے یا دونوں کے موضوعات فکر یکساں تھے، بلکہ غور سے دیکھا جائے تو دونوں کے ہاں زمانہ یا میلان طبعی کی بناء پر موضوعات کا انتخاب و اہتمام مختلف ہے۔ ان میں اشتراک فکر و تصوف کا پہلو صرف یہ ہے کہ اس اختلاف کے باوجود بعض امور میں دونوں کا انہماک ایک جیسا نظر آتا ہے۔ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں چند ایسے امور کی تاکید و تکرار ملتی ہے۔ جس کی وجہ سے علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کا پیغام بعض باتوں میں ان سے مماثلت رکھتا ہے۔

سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ سلسلہ عالیہ قادریہ سروریہ کے عظم المرتبت بزرگ تھے، چنانچہ اپنے رسائل میں وہ اس کی برتری و افادیت کا اظہار کرتے ہوئے سالکین کو اس کی ترغیب دلاتے ہیں۔ آپ بار بار اس کی تعریف کرتے ہیں:

"دوسرے طریقے بمنزلہ چراغ ہیں اور طریقہ قادریہ بمنزلہ آفتاب ہے۔"

(عقل بیدار)

"طریقہ قادری میں معرفت الٰہی کے خزینے ہیں، اس مقام والا ریاضت ومشقت سے گھبرا کر رنجیدہ خاطر نہیں ہوتا۔ جو کچھ اس کے سامنے آتا ہے، خدا کی راہ میں خرچ کر دیتا ہے۔"

حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے بارے میں کہتے ہیں۔

اصل جیلانی ز باطن مُصطفےٰ ﷺ
اِیں مَراتب قادری، قدرت اِلٰہ
شَومُرید از جَان باھُو بِالیقین
خاک پائے شاہِ مِیراں راس وین

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ اور آپ کے والد حاجی نور محمد سلسلۂ قادریہ کے ایک کامل بزرگ حضرت قاضی سلطان محمود ساکن اعوان شریف ضلع گجرات سے منسلک تھے۔ شیخ طریقت نے یہ پیشگوئی بھی کی تھی کہ علامہ اقبال جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک حقیقی پیروکار کی حیثیت سے ابھریں گے۔ یہ امر بلامبالغہ درست ہے کہ سلسلہ عالیہ قادریہ کے فیوض و برکات جو عشق رسول اللہ صلی علیہ وسلم، عرفان ذات اور اسرار فقر سے عبارت ہیں، علامہ اقبال علیہ الرحمہ کے فکر و نظر پر مترتب ہوئے اور انھیں ان روحانی مقامات سے بہرۂ وافر نصیب ہوا۔ علامہ اقبال نے اپنے والد ماجد کو، پدرو مرشد اقبال، کے خطاب سے یاد کیا ہے، جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ وہ انھیں پدر مشفق سے بڑھ کر ایک روحانی پیشوا بھی سمجھتے تھے۔ آپ کے والد ماجد تقریباً" ایک سو سال کی عمر پاکر ۷ اگست ۱۹۳۰ء کو سیالکوٹ میں فوت ہوئے علامہ اقبال نے درج ذیل تاریخ وصال کہی، جو ان کی قبر پر کندہ ہے۔

پدرو مرشدِ اقبال ازیں عالم رَفت
ماہمہ راہرواں، منزل ما ملک ابد
ہاتف از حضرت حق خواست تاریخ رحیل

www.yabahu.com

آمد آواز اثر رحمت و آغوشِ لحد

۱۳۴۹ھ ۱۳۴۹ھ

قاضی سُلطان محمود علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد علامہ اقبال ناگپور کے ایک بزرگ مولانا تاج الدین چشتی سے مزید کسب فیض کے آرزومند تھے۔ موصوف قلندر منش عارف تھے' چندے فوج میں ملازمت کی اور بالآخر ترک ملازمت کرکے راہِ فقر اختیار کی۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا ذکر بے محل نہ ہوگا۔ جو مہاراجہ کشن پرشاد' مدارالمہام نظام حیدر آباد دکن سے منقول ہے۔

اس واقعہ سے مولانا تاج الدین چشتی کی بصیرت باطن اور علامہ اقبال کی روحانی عظمت ہم پر آشکار ہوتی ہے۔ کشن پرشاد ایک دنیوی مشکل کے سلسلہ میں علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ سے تحریر طور پر طالب دعا ہوا۔ حضرت علامہ نے اسے لکھا کہ انھوں نے اس کی حاجت بہ طریق مراقبہ مولانا تاج الدین چشتی کی بارگاہ میں پیش کر دی ہے اور یہ کہ مولانا موصوف کا جواب بھی مجھ سے پہلے اسے موصول ہوگا' چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مولانا تاج الدین چشتی نے مراقبہ کے ذریعے اپنے ایک مرید کو یہ پیغام حیدر آباد دیا کہ وہ مہاراجہ کشن پرشاد کو اس کی مشکل کے بارے میں ان کا جواب پہنچا دے۔ کشن پرشاد جواب باصواب کے حصول کے بعد فرط عقیدت سے مولانا تاج الدین چشتی کے سلام کے لئے ایک جنگل میں حاضر ہوا۔ حضرت مولانا نے اسے دیکھتے ہی فرمایا:

"تمہیں پہلے جواب دیا جاچکا ہے' اب یہاں کیا لینے آئے ہو"؟

کشن پرشاد اس وقت مدارالمہام کے عہدہ پر فائز نہ ہوا تھا۔ علامہ اقبال نے اس کے مدار المہام بننے کی پیشگوئی کے طور پر ایک قطعہ بھی لکھا' جو شاد اقبال میں موجود ہے۔

علامہ اقبال نے اپنے متصوفانہ کلام میں فقر کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ انھوں نے مثنوی "پس چہ باید کرد اے اقوام شرق" میں فقر کے عنوان سے ایک مکمل نظم

لکھی ہے' جس میں فقر کی خصوصیات بیان کی ہیں' اس کے مختلف گوشوں اور منفرد ہیئتوں کو اردو و فارسی کلام میں اس انداز سے منظوم کیا ہے کہ دبستان شعرو سخن میں اس کی نظیر مشکل ہی سے ملے گی۔ اسلوب بیاں البتہ' کہیں موازناتی اور کہیں تجزیاتی ہے۔ عظمت فقر کی یہ لہر ان کے پیرایۂ بیان میں جاری و ساری نظر آتی ہے۔ چند مثالیں ہدیہ ناظرین ہیں:۔

چیست فقر اے بندگانِ آب و گِل
یک نگاہِ پاک بیں' یک زندہ دِل
فقر کارِ خویش را سنجیدن است
بر دو حرفِ لا الٰہ پیچیدن است
فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضاست
ما امینیم ایں متاعِ مصطفےٰ است

اور یہ شعر تو غالباً" تصوّف کی ساری کائنات کو محیط ہے۔

حکمتِ دیں' دلنوازیہائے فقر ——— قوّتِ دیں' بے نیازیہائے فقر

اس کے علاوہ۔

ع فقر را از کف مدہ' از کف مدہ

ع فقر کا مقصود ہے عفتِ قلب و نگاہ

ع اِک فقر ہے شبیری' اُس فقر میں ہے میری

فقر جنگاہ میں بے ساز و یراق آتا ہے

---

www.yabahu.com

ع علم فقیہ و حکیم، فقر مسیح و کلیم

ع اب تیرا دور بھی آنے کو ہے اے فقرِ غیور

"ضربِ کلیم" میں فرمایا:

ہمت ہو اگر تو ڈھونڈ وہ فقر
جس فقر کی اصل ہے حجازی
اس فقر سے آدمی میں پیدا
اللہ کی شانِ بے نیازی

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے بھی تصوّف و سلوک کے مقامات کی تشریح و توضیح کے لئے فقر کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ ان کی تمام نثری تصانیف کا موضوع فقر ہے، وہ فقر کی تعریف میں جابجا رطب اللسان ہیں:

"فقر سرّ اللہ ہے اور اللہ سرِّ فقر، فقیر انسان ہے اور باقی لوگ حیوان ہیں۔"

(عین الفقر)

"ہر چیز کی کسوٹی ہوا کرتی ہے، سو علم کی کسوٹی فقر ہے"۔ (جامع الاسرار)

اپنے پنجابی ابیات میں کہتے ہیں۔

"ا تھے اوتھے دوہیں جہانیں سب فقر دیاں جائیں ھُو"

(دونوں جہان فقر کے لئے ہیں)

"نام فقیر تنہاندا باھُو جیہڑا دم دم دوست سمالے ھُو"

(باھو فقیر اسے کہتے ہیں، جو ہر دم دوست کو یاد رکھے)

نہیں فقیری جلیاں کارن ستیاں لوگ جگاون ھُو
نہیں فقیری وہندیاں ندیاں سکیاں پار لنگاون ھُو

نہیں فقیری وچ ہوا دے مصلّے پا ٹھہراون ھُو
فقیری نام تنہاندا باھُو دل وچ دوست ٹھہراون ھو

(نعرے مار کر کسی خوابیدہ کو جگا دینا، بہتی ہوئی ندی کو اس طرح عبور کرلینا کہ بدن خشک رہے اور ہوا میں مصلے بچھا دینا فقیری نہیں ہے۔ باھو! دل میں دوست کو بسانے کا نام فقیری ہے)

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے ایسے فقر کی جو خلق سے علیحدگی اور رہبانیت کی تعلیم دیتا ہے، مخالفت کی ہے، کیونکہ وہ غیراسلامی طریق ہے۔ اسلام علیحدگی اور نتیجتہً بے عمل و بے چارگی کے خلاف نبرد آزما ہے البتہ اکابر صوفیاء کا طریق یہ رہا ہے کہ وہ جمعیت قلب اور ارتکاز باطن کی خاطر کچھ عرصہ تنہائی میں ضرور گزارتے تھے تاہم خلق خدا سے یکسر علیحدگی ان میں سے کسی کا شعار نہیں رہا۔ سلوک کی منزلیں طے کرنے کے بعد رشد وہدایت کی ترویج کے لئے وہ ہمیشہ خلق کی طرف رجوع کرتے رہے۔ علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے فقر اور رہبانیت کی جداگانہ حدود متعین کرتے ہوئے فرمایا۔

اک فقر سکھاتا ہے صیاد کو نخچیری
اک فقر سے کھلتے ہیں اسرارِ جہانگیری
اک فقر سے قوموں میں مسکینی و دلگیری
اک فقر سے مٹّی میں خاصیتِ اکسیری
اک فقر ہے شبیری، اس فقر میں ہے میری
میراثِ مسلمانی، سرمایۂ شبیری

میں ایسے فقر سے اے اہلِ حلقہ باز آیا
تمہارا فقر ہے بے دوستی و رنجوری

---

www.yabahu.com

کچھ اور چیز ہے شاید تری مُسلمانی
تری نگاہ میں ہے ایک فقر و رہبانی
سکوں پرستیٔ راہب سے فقر ہے بیزار
فقیر کا ہے سَفِینہ ہمیشہ طُوفانی

سُلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ بھی ایسے تصوف کے خلاف ہیں' جو انسان کو خلق سے الگ کر دے اور ذلت و خواری کی طرف لے جائے' وہ حدیث کی رو سے اسے اَلْفَقْرُ الْمُکِبُّ (منہ کے بَل گرنے والا فقر) کہتے ہیں اور اپنے مخصوص انداز میں سمجھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فقر اضطراری میں فا سے فضیحت' قاف سے قہر خدا اور ر سے رد حاصل ہوتا ہے۔" (اورنگ شاہی)

فقیر مخلوق سے الگ نہیں رہ سکتا۔ انسانوں کے درمیان رہ کر ہی وہ اپنا فرض سرانجام دے سکتا ہے۔

"فقیر خود تو ناسُوت (دنیا) میں رہے' لیکن طالبوں کو لاھُوت (روحانی عالم) کے حضور پہنچا دے۔" (ایضاً)

"صد آفرین ہو اس شخص پر کہ دن کو خلق اللہ کے ساتھ عدل و انصاف کرکے ظل اللہ اور شب کو اپنے نفس کا محاسبہ کرکے ولی اللہ بنتا ہے"

(مجالستہ النبی ﷺ)

"صاحب ولایت ایک دم بھی خلق خدا کی محافظت سے غافل نہیں ہوتا' وہ آفتاب کی طرح ہر ایک کو یکساں فیض پہنچاتا ہے اور ہر ایک کی راہنمائی کرتا ہے۔" (عقل بیدار)

ان کے نظریۂ فقر کی اہم قدر تسخیر و تصرّف ہے' فقیر دنیا میں ایک غالب اور مؤثر قوت بن کر کام کرتا ہے۔ وہ تیاری خلوت میں کرتا ہے' لیکن سارے کام جلوت میں سرانجام دیتا ہے۔

علامہ اِقبال مِلّت کے اجتماعی مسائل کے لئے مسلمانوں کو کارجہاں میں عملی حصہ لینے کی ترغیب دیتے ہیں مگر ساتھ ہی قوم کو دولت دنیا سے بے نیازی اور اقدار غیرت و خودداری کی تلقین بھی کرتے ہیں۔ حرص و آز سے "طائر لاھوتی" کی پرواز میں کمی آجاتی ہے اور دنیوی محبت کی وجہ سے قوموں کی بہترین صلاحیتیں تعیش کی نذر ہوجاتی ہیں۔ اس لئے وہ اپنے نظام فقر میں استغنا' غیرت و خودداری اور دیگر اقدار فقر کا ذکر بار بار کرتے ہیں:

خُدا کے پاک بندوں کو حکومت میں' غلامی میں
زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو اِستغنا
در آ بسجدہ ویاری زخسرواں مطلب
کہ روز فقر نیاگان ماچنیں کردند
خواجہء من نگاہ دار آبروئے گدائے خویش
آنکہ زجوئے دیگراں پُر نکند پیالہ را
فقر خواہی؟ از تہی دستی مثال
عافیت در حال و نَے در جاہ و مال
صِدق و اخلاص و نیاز و سوز و درد
نے زر و سیم وقماشِ سرخ و زرد

استغنا میں انھیں مسلمانی کی معراج نظر آتی ہے۔ استغنا درحقیقت اس نظریہ یا عمل کا نتیجہ ہے' جسے قدیم صوفیاء اپنی اصطلاح میں "ترک دنیا" سے تعبیر کرتے رہے ہیں۔ افسوس کہ ترک دنیا کا مفہوم غلط سمجھا گیا ہے' یعنی دنیا اور اہل دنیا سے علیحدگی اور انقطاع' مگر اکابر صوفیاء کے ہاں ترک دنیا کا مفہوم صرف اسی قدر تھا کہ مرد راہ' دولت کی کثرت اور اس کی حرص سے نجات حاصل کرلے اور استغنا و بے نیازی کے ساتھ زندگی بسر کرے۔ بقول اقبال رحمتہ اللہ علیہ

اے بُسا مَردِ حقّ اندیش و بصیر

www.yabahu.com

می شود از کثرتِ نعمت ضریر
کثرتِ نعمت گُداز از دل برد
نازمی آرد، نیاز از دل برد

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے ترک دنیا پر بہت زور دیا ہے' اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ دولت و نعمت دنیا کی خواہش بالکل ختم کر دینی چاہیے اور وہ لوگ جو دولت کے طفیل تعیش کی زندگی بسر کرتے ہیں' حیوانوں کی سطح پر زندہ ہیں۔ کہتے ہیں۔

نعمت بہ خراں دہند و دولت بہ سگاں
ما امن امانیم تماشا نگراں

"فقیر درویش اسے کہتے ہیں کہ اگر اسے روئے زمین کا سارا مال و متاع بھی دے دیا جائے تو اسی وقت راہ خدا میں صرف کر دے' جیسا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔" (نورالہدیٰ)

فقر و استغنا' ذوق و شوق اور تسلیم و رضا کی خصوصیات انسان کامل کی ذات میں اپنے عروج پر نظر آتی ہیں۔ "اقبال۔ نئی تشکیل" میں عزیز احمد نے اس بارے میں لکھا ہے:

"انسان کامل کے لئے اقبال نے نظم و نثر میں بہت سی اصطلاحیں استعمال کی ہیں۔ خلیفتہ اللہ فی الارض' مرد تمام' مرد مومن' درویش' فقیر' قلندر' ان اصطلاحات میں ممکن ہے کہ معنوی طور پر بہت ہی ذرا سا فرق ہو' مگر ان سب سے انسان کامل ہی مراد ہے اور اس کی خصوصیات ان سب میں موجود ہیں۔"

عابد علی عابد مرحوم نے "شعرِ اقبال" میں وہ ذرا سا فرق بھی واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ علائم و رموز کی تشریح کے بیان میں وہ لکھتے ہیں:

"..... درویشی کا تعلق تحصیل علم' یکسوئی' خلوت گزینی اور مراقبے سے ہے۔ قلندری کا عمل سے اور متعلقہ کوائف سے ....." (صہ ۴۴۰)

مندرجہ ذیل اشعار پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ قلندر کا مقام بمراتب درویش سے بلند تر ہے:

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ مَن تیرا نہ تَن
قلندر جُز دو حرفِ لَاالٰہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہِ شہر قاروں ہے لُغت ہائے حجازی کا

(وغیرہ۔ ص ۔ ۴۴۱)

اقبال رحمتہ اللہ علیہ اور سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ دونوں کے نزدیک کامل ترین انسان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"انسان کامل کا وجود گویا ایک طلسم اور معمّا ہے' جو جملہ گنج مراتب حیات و ممات کو اپنے اندر چھپائے اور دبائے ہوئے ہے۔" (نورالہدیٰ)

"جناب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام انسان کامل ہیں اور باقی لوگ حسب مراتب تقریب رکھتے ہیں۔" (عین الفقر)

اقبال کے معیار کے بارے میں سید عابد علی عابد رقم طراز ہیں:

"مرد مومن اور مرد مسلمان کا جو رشتہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے' اسی کو ملحوظ رکھ کر اقبال رحمتہ اللہ علیہ جب انسان کامل کے لئے ان علامتوں کا ذکر کرتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے' جیسے عقیدت میں ان کے الفاظ سرشار ہیں۔ دراصل مومن اور مسلمان کی تعریف و توصیف کرتے وقت ان کے سامنے وہ معیار انسانیت ہوتا ہے' جسے تاریخ اور عقیدت سید مکی مدنی العربی کے نام سے یاد کرتی ہے۔" (شعر اقبال صہ ۴۴۵)

"اقبال رحمتہ اللہ علیہ کے تمام شارحین اس پر متفق ہیں کہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ انسان کامل کے تصور کے سلسلے میں مغربی مفکرین کی بجائے صوفی مفکر عبدالکریم الجیلی

www.yabahu.com

رحمتہ اللہ علیہ سے متاثر ہوئے۔ علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ فلسفہ عجم کی تحقیق و تصنیف کے دوران ہی الجیلی رحمتہ اللہ علیہ کے انسان کامل کے تصور سے آشنا ہو چکے تھے۔ عزیز احمد کہتے تھے:

"عبدالکریم الجیلی رحمتہ اللہ علیہ کے انسان کامل کا راستہ الہیات اور مابعد الطبیعات میں بہت الجھا ہوا ہے مگر انسان کامل کے کسی اور واحد نظریے کا اقبال کے درویش اور مومن کے تصور پر اتنا اثر نہیں پڑا' جتنا کہ جیلی رحمتہ اللہ علیہ کے بعض خیالات کا پڑا ہے۔"

البتہ الجیلی رحمتہ اللہ علیہ انسان کامل کے درجے تک پہنچنے کا رستہ وہی بتاتے ہیں' جو صوفی مفکرین نے اپنے اپنے طریقوں کے سلوک میں متفقہ طور پر بیان کیا ہے' یعنی ذکر و فکر' مراقبہ' استغراق' مراتب روحانی کی طرف صعود اور بالآخر وجود مطلق سے اتحاد۔ اقبال اپنے مخصوص نظریہ خودی کی روشنی میں مومن کے لئے تین مرحلے بہ سلسلہ تربیت تجویز کرتے ہیں۔ اطاعت' ضبط نفس اور نیابت الٰہی۔ جب نیابت الٰہی کے منصب پر فائز ہوتا ہے تو وہ زمانے کا راکب بن جاتا ہے' مرکب نہیں ہوتا۔

ع ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر

عزیز احمد کے الفاظ میں اقبال کا انسان کامل "وہ آدمی ہے جو ملک دین کے لئے مرد راہ ہے۔ اسے بصارت اور بصیرت دونوں نصیب ہیں۔ اس کے روئیں روئیں سے آفتاب کے پھوٹتے ہوئے نور کی طرح نگاہیں پیدا ہوتی ہیں۔"

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں' کارکشا و کارساز
خاکی و نوری نہاد' بندۂ مولا صفات
ہردو جہان سے غنی' اس کا دل بے نیاز
نقطۂ پرکار حق' مردِ خدا کا یقیں
اور یہ عالم تمام' وہم و طلسم و مجاز

ہر کہ در آفاق گردد بوتراب
باز گرداند ز مغرب آفتاب
دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللہی

دراصل یہ وہی مقام ہے' جسے صوفیا ولایت کا مقام کہتے ہیں۔ ڈاکٹر میر ولی الدین اپنے مقالہ "فلسفۂ خودی" میں لکھتے ہیں:

"عبداللہ ولی اللہ ہے۔ ولایت کی شان کو اقبال بڑی وضاحت سے بیان کرتے ہیں:

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان' نئی آن
گفتار میں کردار میں' اللہ کی برہان
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
ہمسایۂ جبرئیل امیں بندۂ خاکی
ہے اس کا نشیمن' نہ بخارا نہ بدخشاں
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے' حقیقت میں ہے قرآن
قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے
دنیا میں بھی میزان' قیامت میں بھی میزان
جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان
فطرت کا سرودِ ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا صفتِ سورۂ رحمان

عبد ہو کر بھی وہ امین اللہ' خلیفتہ اللہ اور ولی اللہ ہوتا ہے۔ ایسا عبد کہہ سکتا

www.yabahir.com

ہے انا عبدک کیونکہ وہ معلوم اللہ' مخلوق اللہ' غیر ذات اللہ ہے اور پھر وہ یہ بھی کہہ سکتا ہے "مَنْ رَّاٰنِیْ فَقَدْ رَاَ ی الْحَقّ" کیونکہ اس میں ھُوّیت اور اینت حق ہی کی ہے۔ وجود و خودی حق ہی کی ہے۔"

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کو بھی تصور انسان کامل کا موضوع بہت پسند ہے۔ یوں تو تمام صوفیا' مرشد یا شیخ طریقت میں عموماً" بہت سی خوبیاں بیان کرتے ہی ہیں مگر سلطان باھو قدس اللہ سرہ' کے آثار نظم و نثر میں حیرت انگیز طور پر انسان کامل کے تصور کی تکرار ملتی ہے۔ شاید ہی ان کا کوئی رسالہ یا کتاب ہو' جس میں انھوں نے اس کا ذکر نہ کیا ہو' وہ انسان کامل کے لئے "فقیر' فقیر کامل' مرشد کامل' عارف معارف' سلطان التارکین' سلطان العارفین اور ملک الملکی" وغیرہ کی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں ۔ کمالیت کے اس درجہ تک پہنچنے کے لئے سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے الجیلی رحمتہ اللہ علیہ کے سلوک یا قواعدو ضوابط روحانی کی تائید کی ہے' جیسا کہ خود علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے الجیلی رحمتہ اللہ علیہ کے انسان کامل کی ارتقائی منازل کی وضاحت کی ہے' پہلی منزل ذکر اسم الٰہی اور اس میں استغراق و انہماک ہے' کیونکہ "اسم مسمی کو ہمارے فہم میں جما دیتا ہے۔ ذہن میں اس کی تصویر کھینچ دیتا ہے' تخیل میں اس کو مستحضر کرتا ہے۔ اسم ایک آئینہ ہے' جو ہستی مطلق کے تمام اسرار کو منکشف کر دیتا ہے' یہ ایک روشنی ہے' جس کے ذریعے خدا اپنے آپ کو دیکھتا ہے۔" (فلسفۂ عجم)

دیگر منازل' صعود روحانی اور بالآخر وجود مطلق سے اتحاد وغیرہ ہیں۔

حضرت سلطان باھو قدس اللہ سرہ' کہتے ہیں:

"واضح رہے کہ ہر ایک مقام کی ابتداء و انتہا ظاہر و پوشیدہ تمام مخلوقات اسم اللہ ذات کی طے میں ہے" (اسرار قادری)

"عزیز من! انسان اس وقت تک ذاکر نہیں کہلا سکتا' جب تک ذکر کی چابی اس کے ہاتھ میں نہ ہو۔ ذکر کی چابی اسم اللہ ذات کا تصور ہے۔"

(کلید جنت)

اِسمِ اَللہ بس گراں و بے بہا
اسمِ اَللہ را بداند مُصطفیٰ ؐ
کُنہ اَللہ را مُحمّدؐ یافتہ
جاں بَر اِسمِ ذات اللہ تاختہ

(فضلُ اللّقاء)

چُناں کُن اِسم را دَر جسم پنہاں
کہ می گردد الف دربسم پنہاں ؐ

(محکمُ الفُقراء)

ہرچہ خوانی اسمِ اللہ رَابخوان
اسمِ اَللہ بَاتو مَاند جَاودان ؐ

(کلیدِ جنت)

ذکر و فکر اور مراقبات سے فقیر کامل اپنی روحانی طاقت بڑھاتا ہے۔ مراقبہ کے بارے میں وہ کہتے ہیں:

"مراقبہ مثلِ آفتاب ہے' جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو قاف سے قاف تک' مشرق سے مغرب تک روشن ہوجاتا ہے۔ اس مراقبے والے کی نظر وسیع ہوجاتی ہے اور درودیوار' شہرو بازار تمام چیزیں اس کے پیش نظر ہوتی ہیں' بلکہ تماشائے شش جہات اس کے روبرو ہوتا ہے۔" (عین الفقر)

ایک فرق یہاں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ الجیلی اور سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ انسان کامل کے اخلاقی و روحانی ارتقاء میں باطن کو اہمیت دیتے ہیں اور علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے خارج پر بھی نظر رکھی ہے۔ علامہ جب حکیم سنائی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے تو انھیں اپنے اور حکیم سنائی رحمتہ اللہ علیہ کے حلقہ علم و فکر کے ایک ہونے کا احساس تھا۔ نیز وہ یہ بھی جانتے تھے کہ سنائی رحمتہ اللہ علیہ دیگر قدیم صوفیا کی

www.yabahu.com

طرح باطن کی نسبت سے بات کرتے ہیں' جب کہ اقبال خود خارج کے تعلق سے باطن کو دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں ۔

مَن ز پیدا' او ز پنہاں' در سرُور
ہر دو را سرمایہ از ذوقِ حضُور
او نقاب از چہرۂ ایماں کشُود
فکرِ مَن تقدیرِ مومن را نمُود
ہر دو را از حکمتِ قرآں سَبق
او زحقّ گوید من از مَردانِ حقّ

اس طرح اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے داخل و خارج کا توازن قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔ الجیلی رحمتہ اللہ علیہ اور سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کا فقیر کامل' عالم خلق سے عالم امر کی طرف سفر کرتے ہوئے بارگاہ احدیت تک رسائی حاصل کرتا ہے اور "فنافی اللہ' بقاباللہ" کا مرتبہ حاصل کرلیتا ہے۔ یہی ولایت کا مقام ہے۔ فقر یہاں پہنچ کر "مقلب القلوب" ہوجاتا ہے:

"فقیر وہ ہے' جو لامکان میں ہو اور دلوں کو جس طرف چاہے پھرا سکے۔"
(جامع الاسرار)

"اگر فقیر کامل جاہل کی طرف نگاہ کرے تو اسے علم لدنی اس قسم کا حاصل ہوتا ہے کہ تمام جہان اس کا مقابلہ نہیں کرسکتے اور دو تین قدموں ہی میں ساری زمین طے کرلیتا ہے۔" (ایضاً)

علامہ اقبال نے بھی یہی کہا ہے ۔

نِگاہِ مَردِ مومن سے بَدل جاتی ہیں تقدیریں

پھر حضرت سلطان باھو لکھتے ہیں:

"فقیر آفتاب کی طرح فیض رساں ہوتا ہے۔" (محبت الاسرار)

"فقیر بمنزلہ سمندر اور اس کی نظر بمنزلہ موتی ہے۔" (محکم الفقراء)

پنجابی ابیات میں لکھتے ہیں:

لایحتاج جِنہاں نُوں ھویا فَقرتِنہاں نُوں سَارا ھُو
نظر جِنہاں دی کِیمیا ہوئی اوہ کیوں مَارن پَارا ھُو

(جو لایحتاج ہوجاتے ہیں' سب فقر ان کے لئے ہے۔ جن کی نظر کیمیا اثر ہوجائے انھیں سونا بنانے کے لئے پارہ مارنے کی کیا ضرورت ہے؟)

نام فقیر تِنہاندا باھُو جو گھر بیٹھا یار وِکھاوے ھُو

(فقیر وہ ہے' جو گھر بیٹھے محبوب کا دیدار کرادے)

ثابِت قدَم تے قدَم اگیرے تائیں رَبّ لبھیوے ھُو
لُوں لُوں دے وِچ ذِکر اللہ دا ہَردم رہیا پڑھیوے ھُو
ظاہِر باطن عَین عیانی ھُو ھُو رہیا سُنیوے ھُو
نام فقیر تِنہاندا باھُو قبر جِنہاندی جِیوے ھُو

(جب صِدق اور استقلال کے ساتھ فقیر کا قدم آگے بڑھتا ہے تو وہ اپنے ربّ کو پالیتا ہے۔ اس کے روئیں روئیں میں ذکر الٰہی جاری ہوجاتا ہے اور ظاہر و باطن سے ھو ھو کی آواز سنائی دیتی ہے۔ باھو! فقیر اسے کہتے ہیں' جس کی قبر مرنے کے بعد بھی زندہ رہے' یعنی لوگوں کو اس کا فیض برابر پہنچتا رہے)

سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ اور اقبال رحمتہ اللہ علیہ دونوں کے سلوک میں انسان کامل کی نظر ذات پر رہتی ہے۔ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کے مرد مومن کی آخری منزل "مقام کبریا" ہے۔ مرد مومن کی ہمت مردانہ یزدانی صفات ہی کو شکار نہیں کرتی' بلکہ ذات یزداں سے وصال کی ترغیب دیتی ہے۔ سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کا فقیر کامل بھی "ذات حق" کی جستجو میں رہتا ہے اور یہی اس کا مقصد حقیقی ہے۔ ع

دوہیں جہان غلام تِنہاندے باھُو جِنہاں ذات لبھیوے ھُو

(دونوں جہاں ان کے غلام ہوجاتے ہیں' جو ذات حق کو پالیتے ہیں۔)

گو سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ اور علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کے نظریہ فقر میں

www.yabahu.com

بعض موضوعات مشترک ہیں۔ جیسے فقر، فقر کی قدر، تسخیر و تصرّف، اِستغنا کی اہمیّت اور فقیرِ کامل یا انسانِ کامل کا تصوّر، مگر ان تمام مماثلتوں کے باوجود یہ اعتراف پھر دُہرانا چاہیے کہ یہ موازنہ تحقیقی و عرفانی نہیں بلکہ ذوقی و وجدانی ہے۔ پھر دونوں میں روحانی مقام کی تمیز بھی ہے جو صوفیاء کرام پر واضح ہے۔

حوالہ و حواشی

۱۔ اس مشکل کے پس منظر میں صدر اعظم کے عہدہ پر فائز ہونے کی آرزو تھی۔ آج کل اس عہدے کا متبادل وزیراعظم ہے۔

۲۔ تفصیل کے لئے دیکھئے اسی کتاب کے صفحات (باب ۴۔ فقر)

ضمیمہ ۔ باب : 9

آج سے بائیس تیئس سال پہلے جب یہ کتاب لکھی گئی تو حضرت سُلطان العارفین سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ کی تصانیف صرف اللہ والے کی قومی دوکان، کشمیری بازار، لاہور سے شائع شدہ اردو تراجم کی صورت میں دستیاب تھیں۔ گو اس سے پہلے فارسی میں کچھ کتابیں چھپ چکی تھیں مثلاً "رسالہ رُوحی"، "عینُ الفقر" اور "نُورُالہُدیٰ" وغیرہ مگر وہ بھی پہلے ایڈیشن چھپ جانے کے بعد نایاب ہو گئیں۔ آپ کے پنجابی ابیات کے مجموعے (سی حرفی) کے بہت سے نسخے گو چھپے ہوئے ملتے تھے مگر یہ سب منتشر ابیات کی صورت میں جمع کئے گئے تھے۔ سارے ابیات یکجا مُدّون صُورت میں کہیں شائع نہ ہو سکے تھے۔

"احوال و مقامات حضرت سُلطان باھُو" چھپ رہی تھی کہ جناب ڈاکٹر سُلطان الطاف علی صاحب کا مرتّبہ نسخہ "اَبیات باھُو مع ترجمہ و شرح" شائع ہوا۔ پھر اس کے بعد حضرت سُلطان العارفین کی کئی کتب مخطوطات کی نقل کی صورت میں اور تراجم کی شکل میں منظرِ عام پر آنے لگیں۔ جن کا ذکر اِس ضمیمہ میں کیا جا رہا ہے۔

☆ ☆ ☆

www.yabahu.com

کُتب و رسائل اور اُن کے تراجم

ا۔ اَبیات :

حضرت سُلطان باھُو قدس اللہ سرہ' کی ایک سو چوالیس (۱۴۴) کُتب میں سے یہ واحد ہے جو کہ سرائیکی / پنجابی میں ہے اور مقبولِ عام ہے۔ ابیات کے متعدد مجموعے شائع ہو چکے ہیں اور مسلسل ہو رہے ہیں۔

i ہماری معلومات کے مطابق ابیات کا پہلا مطبوعہ مجموعہ ۱۸۹۱ء میں عزیز عالم پریس گجرات سے حاجی محمد الدّین نے "جُملہ ابیاتِ باھُو" کے نام سے شائع کیا اور دوسرا ۱۸۹۹ء میں "کلامِ باھو" کے نام سے شیخ فضل دین' محمد اکرم اعوان نے دو بھائیوں کی دکان' گجرات سے طبع کرایا۔

ii پھر تیسرا ۱۹۰۱ء کا ہے جسے نُور احمد نے مرتّب اور مطبع محمّدی لاہور نے شائع کیا۔

۱۹۱۵ء میں چنن دین فضل دین کشمیری بازار لاہور نے "اصلی مکمل مجموعہ ابیات سُلطان باھو" کے نام سے شائع کیا۔ یہ بعد ازاں "اللہ والے" مشہور ہوئے۔

iii حضرت سُلطان العارفین کے فیض یافتہ معروف بزرگ فقیر نُور محمّد کلاچوی نے "انوارِ سُلطانی یعنی اشعارِ سلطانی" کے نام سے ۱۹۶۵ء میں البلاغ پریس' لاہور سے ابیات اور اس کا ترجمہ مع مختصر شرح کے شائع کرایا۔

iv ۶۵-۱۹۶۴ء ہی میں ابیات پر دو خوبصورت کام ہوئے۔

ایک مقبول الٰہی صاحب کا انگریزی ترجمہ "دی ابیات آف سلطان باھو" جو کہ حضرت سلطان العارفین اور ان کے کلام پر کسی بھی غیر ملکی زبان میں اوّلین اور وقیع کام ہے اور قابلِ تحسین ہے۔ اسے شیخ محمد اشرف کشمیری بازار لاہور نے شائع کیا تھا۔

v دوسرا منتخب ابیات کا اردو میں دلکش منظوم ترجمہ جو کہ معروف شاعر اور

نامور صحافی جناب سَرور مجاز نے کیا۔ اور مطبوعات ۴۳ ساگر روڈ' لاہور صدر سے "باھُو" کے نام سے شائع کیا۔

vi اس کے بعد بھی ابیات کے مجموعے مختلف اشاعتی اداروں سے شائع ہوتے رہے۔ لیکن اس ضمن میں سب سے اہم کام سلطان العارفین کے خانوادہ کی ایک ذی علم شخصیت اور نامور محقّق پروفیسر صاحبزادہ سُلطان الطاف علی نے کیا۔ انہوں نے کئی سال کی صبر آزما کاوش کے بعد ابیات کو جمع کیا۔ متعدد قلمی نسخے' مطبوعہ کتب' اپنے خاندان' خلفا اور درویشوں سے سنے ابیات ان کے پیش نظر رہے۔ انہوں نے ۲۰۲ ابیات کو حضرت کا اپنا کلام قرار دیا۔ ان کا اردو میں ترجمہ کیا اور قرآن مجید' احادیث مبارکہ' صوفیائے کرام کی کتب کے علاوہ خود حضرت سُلطان باھُو کی کُتب کے مطالعہ کی روشنی میں مفصل شرح اپنے برادرِ بزرگوار اور خانوادۂ باھُو کے ایک عارفِ کامل حضرت سُلطان غلام دستگیر القادری فخر کشمیر کی زیرِ نگرانی مکمل کی۔ یہ نسخہ' ۱۹۷۵ء میں پہلی بار حاجی محمد اشفاق قادری نے القادریہ' کریم پارک لاہور سے شائع کیا تو ملک کے گوشے گوشے سے نامور دانشوروں نے خراجِ تحسین پیش کیا۔ پاکستان رائٹرز گلڈ نے اس پر مؤلف کو سال اشاعت کی بہترین کتاب قرار دیتے ہوئے اوّل انعام دے کر اس کی پذیرائی کی۔ بعد ازاں جنوری ۱۹۹۱ء میں "عالمی جشنِ باھُو" منعقدہ دربار حضرت سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ میں بھی اس کتاب "حضرت سُلطان باھُو ایوارڈ" دیا گیا۔ قبل ازیں "بزمِ باھو" لاہور نے بھی تمغہ پیش کیا۔

حضرت سُلطان العارفین سُلطان باھو پر بہت کتابیں لکھی گئی ہیں اور لکھی جائیں گی مگر صاحبزادہ صاحب کے اس کام کو حیاتِ دوام حاصل رہے گی۔ اس کی قدر و قیمت میں کوئی کمی ہی آئے گی نہ اس کو پسِ پُشت ڈالا جا سکے گا کیونکہ یہ نتیجہ ہے اپنے جد امجد اور انہی کی روحانی و شعری روایت سے ان کی نسبت اور عشق کا اور عشق کی راہ میں اُٹھا ہوا کوئی قدم لا حاصل نہیں رہتا۔

اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔ بیرون ممالک بھی اس کی مانگ میں

www.yabahu.com

اضافہ ہوا۔ اس کا تازہ ایڈیشن "حضرت غلام دستگیر اکلومی" نے ناشرو پبلشرز کوئٹہ و لاہور کے تعاون سے شائع کیا ہے۔

vii "لوک ورثہ" اسلام آباد کے ایگزیکٹیو ڈائریکٹر جناب عکسی مُفتی کی زیرِ نگرانی ابیات کا ایک منظوم اردو ترجمہ "عکسِ باھو" کے نام سے جناب مُظہر الاسلام نے خوبصورت گیٹ اپ میں شائع کیا۔ اس شاندار ترجمے کا سہرا ممتاز شاعر جناب مسعود قریشی کے سر ہے۔ یہ کتاب پہلی بار مارچ ۱۹۸۰ء میں اور دوسری بار مارچ ۱۹۸۷ء میں شائع ہوئی۔ اب اس کا ترمیم و اضافہ شدہ تازہ ایڈیشن "حضرت غلام دستگیر اکلومی" دربار حضرت سلطان باھو، ضلع جھنگ کے زیرِ اہتمام شائع ہو رہا ہے۔

viii ابیات پر ایک اور قابل ذکر کام ۱۹۸۲ء میں پروفیسر ڈاکٹر سیّد نذیر احمد مرحوم نے کیا۔ انہوں نے دیکھا کہ ابیات میں کئی مصرعے یا اشعار نقل در نقل ہوتے ہوتے لفظوں میں اس طرح ردّ و بدل کا باعث بنے ہیں کہ غیر موزوں ہو گئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کا حل یہ نکالا کہ ملک کے طول و عرض سے جس قدر نسخے انہیں مل سکے، انہوں نے حاصل کئے اور جہاں لفظ غیر موزوں نظر آیا انہی نسخوں میں سے متعلقہ مصرعہ سے لفظ چن کر اس کی جگہ رکھ دیا کہ وزن درست ہو گیا۔ گو بعض عقیدت مندوں نے اس کام کو پسند نہ کیا لیکن اس کی وجہ دراصل اور تھی۔ ڈاکٹر صاحب کو حضرت سلطان باھو کی شاعری سے تو دلچسپی تھی مگر ان کی تعلیمات فقر و تصوف سے کوئی سروکار نہ تھا۔ چنانچہ دیباچے اور حواشی میں ان کا رویہ غیر ہمدردانہ رہا۔ "کلام باھو" کے نام سے یہ نسخہ پیکجز لاہور نے ۱۹۸۲ء میں شائع کیا۔

ix اسی سال (۱۹۸۲ء) معروف صوفی دانشور جناب عبدالرؤف لوتھر (شہید) نے "سلطان باھو ۔ صوفی پوئٹ آف دی پنجاب" کے نام سے ابیات کا انگریزی ترجمہ شائع کیا۔ جو کہ ایک پسندیدہ اور منفرد کام ہے۔ کتاب کی ابتدا میں ڈاکٹر لاجونتی راما کرشنا کا حضرت سلطان باھو پر انگریزی مضمون بھی شامل ہے۔

x "پیامِ باھُو" کے نام سے اکلومی ادبیات پاکستان، اسلام آباد نے ۱۹۸۷ء میں جناب ضمیر اظہر کا نثری ترجمہ شائع کیا۔ لیکن اس کے ساتھ اصل ابیات موجود نہیں ہیں۔

xi پاکستان کی علاقائی زبانوں میں ابیات کے تراجم کی طرف "حضرت غلام دستگیر اکلومی" دربار حضرت سلطان باھُو نے پیش رفت کی اور ۱۹۸۹ء میں ابیات کا منظوم پشتو ترجمہ نہایت خوبصورت انداز میں شائع کیا۔ یہ منظوم ترجمہ فقیر نُور محمد کلاچوی کے فرزند اور سجادہ نشین فقیر عبدالحمید کامل سَروری قادری نے کیا۔ جس کا دیباچہ ممتاز دانشور جناب پریشان خٹک نے تحریر کیا۔ انہوں نے اسے پشتو ادب میں ایک شاندار اضافہ اور وطن عزیز کے مختلف علاقے کے لوگوں میں باہمی یگانگت اور محبت کا باعث قرار دیا اس کتاب کو بھی "حضرت سلطان باھُو ایوارڈ" ملا۔

xii ابیات کا سندھی میں ترجمہ اور سندھ کے معروف صوفی شعراء کے کلام سے حوالوں کے ساتھ شرح کا کام پروفیسر ڈاکٹر گُل حَسن لغاری سے حضرت غلام دستگیر اکلومی نے مکمل کرا لیا ہے اور یہ طباعت کے آخری مراحل میں ہے۔

xiii ابیات کا براھوی زبان میں منظوم ترجمہ بلوچستان کے نامور شاعر پیر محمد زُبیرانی نے کر دیا ہے وہ بھی مذکورہ اکلومی جلد شائع کر رہی ہے۔

xiv فارسی زبان میں پروفیسر ڈاکٹر سُلطان الطاف علی نے ترجمہ کر لیا ہے۔ یہ بھی مذکورہ اکلومی کے زیر اہتمام زیورِ طباعت سے آراستہ ہو گا۔

xv سُلطان ارشد القادری ابیات کا ایک عالمی ایڈیشن مرتّب کر رہے ہیں جس میں عربی، فارسی، انگریزی اور اردو تراجم ہوں گے۔ اور اس میں بعض ابیات کو مصوّر بھی کیا جائے گا۔ یہ ایک یادگار اور قابل قدر کام ہو گا۔

xvi چند منتخب ابیات کا خوبصورت منظوم ترجمہ معروف شاعر ساغر صدیقی مرحوم نے بھی کیا تھا۔ جو کتابی صورت میں شائع نہ ہو سکا۔

www.yabahu.com

۲۔ رِسالہ رُوحی :۔

i "رسالہ رُوحی" حضرت سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ کا ایک مختصر ترین رسالہ ہے' جو سرتاسر اِلہامی ہے۔ اس کے کئی ترجمے ہوئے اور ایک دو پرانی طرز پر شرحیں بھی لکھی گئیں جن میں فقیر نظام الدّین مُلتانی کا ترجمہ اور شرح (مطبوعہ وزیر آباد۔ ۱۹۳۰ء) بھی شامل ہے۔

ii راقم نے ۱۹۸۴ء میں اسے ایڈٹ کیا۔ ترجمہ کیا اور سلطان العارفین کی دیگر کتب کے مطالعہ کی روشنی میں ہی شرح لکھی۔ اس کا تازہ ایڈیشن حضرت غلام دستگیر اکلوی نے اپنے روایتی طباعتی حسن کے ساتھ شائع کیا ہے۔ الحمد اللہ اس شرح کو عوام و خواص نے بہت پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔

iii پروفیسر ڈاکٹر کے بی نسیم نے "رسالہ روحی" کا ترجمہ ۱۹۸۳ء میں پشاور سے شائع کیا۔ جب وہ پشاور یونیورسٹی میں شعبہ فارسی کے سربراہ تھے۔

iv پروفیسر ڈاکٹر سلطان الطاف علی نے بھی "رسالہ روحی" کو مدون کیا اور اس کا سلیس اردو ترجمہ کیا جسے حضرت غلام دستگیر اکلوی نے مارچ ۱۹۹۳ء میں دیدہ زیب انداز میں چھاپا۔

v "مثنوی رُوحی :۔

"رسالہ رُوحی" کا ایک انوکھا ترجمہ حضرت غلام دستگیر اکلوی نے جنوری ۱۹۹۱ء میں "سال حضرت سلطان باھو" کے حوالہ سے شائع کیا۔ یہ فارسی زبان میں مثنوی کی صنف میں منظوم ترجمہ ہے۔ بہت سادہ اور واضح۔ یہ ترجمہ سلطان العصر حضرت غلام دستگیر القادری ناشاد نوّر اللہ مَرقدہٗ نے ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء میں کیا تھا' جب کہ وہ اُنیس سَالہ نوجوان تھے۔ اتنی نوعمری میں یہ شاندار کارنامہ انجام دینا ان کی عظیم شخصیت کی ایک روشن دلیل ہے۔ آپ خانوادۂ سلطان العارفین کے ایک بلند مَرتبت بزرگ' عارفِ کامل' ممتاز دانشور' اردو فارسی اور پشتو کے شاعر' بلند پایہ ادیب' تحریک پاکستان کے رہنما اور جہادِ کشمیر

(۴۹ ۔ ۱۹۴۷ء) میں نائب امیر المجاہدین تھے۔ آپ کا وصال ۱۹۸۶ء میں ہوا۔

یہ ترجمہ "مثنوی رُوحی" کے نام سے شائع ہوا۔ جس میں رسالہ رُوحی کا اصل متن اور ڈاکٹر سُلطان الطاف علی کا اردو ترجمہ بھی ساتھ شامل ہے۔ صاحبزادہ سُلطان الطاف علی صاحب نے اس کے ابتدائی صفحات میں بجا طور پر تحریر کیا ہے:

"اب تک رسالہ رُوحی پر جس قدر بھی کام ہوا ہے وہ لفظی اور معنوی لحاظ سے اس قدر سہل اور با محاورہ کبھی نہیں ہوا جیسا کہ اس نظم میں ہوا ہے۔ اس مثنوی کا بڑا کمال یہ ہے کہ رسالہ رُوحی کا مکمل ترجمہ کیا گیا ہے اور ساتھ ہی بغیر کسی اشکال کے اس کے معانی کو واضح کر دیا گیا ہے"۔

۳۔ رِسالہ رُوحی خُرد :۔

i سُلطان العارفین حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کی ۱۴۴ کتب میں سے اب تک بمشکل تیس بتیس کے قریب ملتی ہیں۔ جن میں سے اکثر طبع ہو چکی ہیں۔ کچھ کتب و رسائل اب آہستہ آہستہ درویشوں اور عقیدت مندوں سے ظاہر ہو رہے ہیں اس سلسلہ میں حضرت غلام دستگیر اکلوی کافی کوششیں کر رہی ہے۔

انہی پوشیدہ رسائل میں سے ایک مختصر ترین رسالہ "رُوحی خُرد" مجھے صوفی فقیر مُحمّد امیر صاحب اعوان سے حاصل ہوا۔ جنہیں حضرت کے ایک درویش مسمی داراب کے گھر سے ملا تھا۔ یہ رسالہ اس سے پہلے نہیں دیکھا گیا۔ مگر تحقیقی نقطہ نظر سے دیکھا تو تمام قرائن اسے حضرت سلطان العارفین کی تصنیف ثابت کرتے ہیں۔ خاص طور پر جب ہم ان دونوں رسالوں "رُوحی" اور "روحی خرد" کے موضوعات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ان دونوں میں ایک خاص ترتیب نظر آتی ہے۔ سو میں نے اس کا اردو ترجمہ اور حواشی تحریر کئے۔ جسے ۱۹۹۱ء (سال حضرت سلطان باھو) میں حضرت غلام دستگیر اکلوی نے شائع کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔

www.yabahu.com

ii OF THE SPIRIT :-

راقم نے "رسالہ رُوحی" اور "رُوحی خُرد" کا انگریزی میں "Of the spirit" کے نام سے ترجمہ کیا اور ساتھ ہی مفصل نوٹس (Notes) کا اضافہ کیا۔ اس کا پیش لفظ جرمنی کی ممتاز بین الاقوامی علمی شخصیت محترمہ پروفیسر ڈاکٹر اینے ماری شمل (Dr. Annemarie Schimmel) نے تحریر کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اس کتاب سے تصوّفِ اسلام میں حضرت سلطان باھو کا مقام و مرتبہ مُتعیّن ہوتا ہے۔ نیز ان کا نظریہ وحدت الوجود اور صوفیانہ مسلک اور فکر کی وضاحت ہوتی ہے۔ اور حضرت سلطان باھو اور ان کی تعلیمات کے ادراک کا ایک نیا در' وا ہوتا ہے۔

الحمد اللہ یہ کتاب بھی مارچ ۱۹۹۶ء میں حضرت غلام دستگیر اکلوی (پاکستان) کے فعال منتظم سُلطان ارشد القادری نے اپنے ایک اور طباعتی ادارے "ناشاد پبلشرز" (لاہور' کوئٹہ) کے تعاون سے عالمی معیارِ طباعت کے مطابق شائع کر دی ہے۔

۴۔ دیوان باھو :-

i یہ حضرت سلطان العارفین کا فارسی کلام ہے۔ جو کہ تقریباً" غزلوں پر مشتمل ہے۔ "دیوان" کا فارسی نسخہ مرتبہ ڈاکٹر کے بی نسیم' لاہور سے "حضرت سلطان باھو اکیڈیمی" نے جولائی ۱۹۹۰ء میں شائع کیا۔ جس میں راقم اور ڈاکٹر سلطان الطاف علی بھی کے بی نسیم صاحب کے معاونین تھے۔

ii بعد ازاں اس کا اردو میں نثری ترجمہ ڈاکٹر سلطان الطاف علی نے کیا۔ وہ بھی حضرت سلطان باھو اکیڈیمی لاہور نے ۱۹۹۱ء میں شائع کیا۔

iii دیوان کا ایک منظوم اردو ترجمہ "نقشِ باھو" از جناب مسعود قریشی "لوک ورثہ کے قومی ادارہ" نے اسلام آباد سے شائع کیا۔ جس میں مترجم نے حضرت سُلطان باھو کو نظم مُعریٰ کا پہلا شاعر قرار دیا ہے۔

iv "دیوان" کا انگریزی ترجمہ حال ہی (اپریل ۱۹۹۶ء) میں راقم نے مکمل کر لیا

ہے۔ اسے عنقریب "حضرت غُلام دستگیر اکلوی" شائع کرے گی۔

۵۔ فقیر نُور محمّد قادری سَروری کُلاچوی رحمتہ اللہ علیہ نے "نُورالہُدیٰ" کا ترجمہ کیا تھا جو کہ کافی عرصہ پہلے شائع ہو چکا ہے۔ انہوں نے "عقلِ بیدار" کا بھی ترجمہ شروع کر رکھا تھا جو کہ وہ مکمل نہ کر سکے تھے۔ اسے بھی اب ان کے صاحبزادے اور سجّادہ نشین فقیر عبدالحمید کامل سَروری نے مکمل کر کے ۱۹۹۴ء میں شائع کیا ہے۔

۶۔ پروفیسر ڈاکٹر کے بی نسیم نے بھی حضرت سُلطان العارفین کی درج ذیل کتب کے تراجم کئے اور بعض کے حواشی بھی تحریر کئے اور انہیں شائع کرایا۔

۱۔	رسالہ رُوحی معہ ملفوظات	۱۹۸۳ء ۔ پشاور
۲۔	تیغ برہنہ	۱۹۹۴ء ۔ پشاور
۳۔	کلید التوحید خورد	۱۹۹۴ء ۔ لاہور
۴۔	گنج الاسرار	۱۹۹۴ء ۔ لاہور
۵۔	فضل اللقاء	۱۹۹۵ء ۔ لاہور
۶۔	مجالسۃ النبی	۱۹۹۵ء ۔ لاہور
۷۔	کشف الاسرار	۱۹۹۵ء ۔ لاہور
۸۔	اورنگ شاہی	۱۹۹۵ء ۔ لاہور
۹۔	عین الفقر	۱۹۹۵ء ۔ لاہور
۱۰۔	کلید جنّت	۱۹۹۶ء ۔ لاہور
۱۱۔	محبّت الاسرار	۱۹۹۶ء لاہور
۱۲۔	قُربِ دیدار	۱۹۹۶ء ۔ لاہور

۷۔ پروگریسو بکس' لاہور نے بھی حضرت سلطان باھو کی متعدد کتب کے اردو تراجم اچھے گیٹ اپ کے ساتھ ۱۹۹۴ء سے شائع کرنے شروع کیے ہیں۔ جو کہ درج ذیل ہیں۔

(۱) عین الفقر (۲) امیرالکونین (۳) توفیق الہدایت (۴) محبّت الاسرار (۵) فضل

www.yabahu.com

اللقاء (۶) قُربِ دیدار (۷) مفتاح العارفین (۸) شمس العارفین (۹) عقل بیدار (۱۰) اسرارِ قادری (۱۱) کلامِ باھُو (ابیات)

ان کے ساتھ نہ تو اصل متن ہے اور نہ ہی کسی خاص تحقیقی کام کا پتہ چلتا ہے۔

۸۔ نذیر سنز لاہور نے بھی اسی طرح متعدد کتب کے تراجم کی اشاعت کا پروگرام بنایا ہوا ہے۔ ابھی تک انہوں نے صرف ڈاکٹر سُلطان الطاف علی کی مرتّبہ "ابیات" کا مجموعہ شائع کیا ہے۔

۹۔ جامع مسجد متّصل دربار حضرت سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ کے خطیب اور امام حافظ محمّد رمضان (مرحوم) نے "شمس العارفین"، "عقل بیدار" اور "ابیات" کا مجموعہ شائع کئے۔

۱۰۔ بھارت میں بھی حضرت کی تصانیف کے تراجم اردو اور گورمکھی میں شائع ہو رہے ہیں۔ جن میں سے ایک اردو ترجمہ "محکُ الفُقرا کلاں" ہمدرد بک ڈپو بنگلور نے شائع کیا ہے۔

۱۱۔ حضرت سُلطان العارفین کی جملہ دستیاب کتب سے راقم نے ایک کتاب "شان غوث الاعظم حضرت سُلطان باھُو کی نظر میں" ترتیب دی۔ جس میں حضرت غوث الاعظم، ان کے طریق اور فضیلت کے بارے میں فرمودات یکجا کئے۔ یہ بھی "سال حضرت سُلطان باھو" کی مناسبت سے ۱۹۹۱ء میں حضرت غلام دستگیر اکادمی نے شائع کی۔

۱۲۔ "انجمن غوثیہ عزیزیہ" دربار حضرت سُلطان باھُو کے زیر اہتمام "عینُ الفقر" کا اردو ترجمہ بمعہ فارسی متن چھپا ہے۔ ترجمہ انجمن کے رُکن جناب سیّد اَمیر خان نیازی نے کیا ہے۔ یہ ایک کامیاب کوشش ہے اور ترجمہ اعلیٰ معیار کا ہے۔ مترجم موصوف اب تک "کلید التوحید خورد" اور "مجالسُ النبی" کا ترجمہ بھی کر چکے ہیں، جو زیر طبع ہیں۔

۱۳۔ ماہنامہ "سُلطان العارفین" گکھڑ والوں نے بھی متعدد کتب کے تراجم شائع

کئے ہیں۔ جو کہ اکثر ماہنامہ کے خصوصی نمبر بطور شائع ہوئے۔ یہ ادارہ عرصۂ دراز سے حضرت سُلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ پر کام کر رہا ہے۔

www.yabahu.com

حیات و تعلیمات

سُلطان العارفین حضرت سُلطان باھو قدس اللہ سرہٗ کی حیات و تعلیمات پر سب سے پہلی کتاب حضرت سُلطان حامد رحمتہ اللہ کی "مَناقبِ سُلطانی" ملتی ہے۔ جو کہ حضرت سلطان حامد نے فارسی میں تحریر کی۔ اس کا ایک ترجمہ ۱۳۴۵ھ میں اللہ والے کی قومی دکان لاہور سے شائع ہوا۔ اس کتاب کے متعدد ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔

زیرِ مطالعہ کتاب "احوال و مقامات" اس ضمن میں راقم کا "مناقب" کے بعد پہلا وقیع کام تھا، جسے کافی پذیرائی اور اہلِ ذوق میں مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کی اوّلین اشاعت ۱۹۷۸ء میں ہوئی۔ بعد ازاں اس کے تین ایڈیشن شائع ہوئے۔ اور اب یہ تازہ ایڈیشن "حضرت غلام دستگیر اکلوی" ۱۹۹۶ء میں شائع کر رہی ہے۔

بایں سلسلہ میری دوسری کاوش "حضرت سلطان العارفین سلطان باھو، حیات و تعلیمات" لاہور سے ۱۹۸۷ء میں "حضرت سُلطان باھو اکیڈیمی" کے زیرِ اہتمام شائع ہوئی۔ جس میں راقم نے حضرت سُلطان باھوؒ کے خاندانی پس منظر کا خاص طور پر ذکر کیا اور ان تاریخی حالات کا بھی جائزہ لیا جو اس دور کے ساتھ مخصوص تھے۔ تعلیمات پر کچھ نوٹس لکھے اور منتخب ارشادات بھی بمع حوالہ جات نقل کئے۔

اس کتاب کا اِختصار مرتّبہ راقم "حیات و تعلیمات (مختصر)" جناب منظور احمد لغاری نے ۱۹۹۴ء میں لاہور سے شائع کیا۔ اس کے ساتھ "رسالہ روحی" کا ترجمہ اور مختصر شرح بھی چھاپی گئی۔

جناب ڈاکٹر سُلطان الطاف علی اپنا پی ایچ ڈی کا فارسی مقالہ بھی اسی موضوع پر مرتّب فرما چکے ہیں، جس کا ترجمہ "باھوؒ نامہ" کے نام سے حضرت غُلام دستگیر اکلوی شائع کر رہی ہے۔ اس عرصہ میں اس مقالہ کی تلخیص "مختصر ترین تاریخ حضرت سُلطان باھوؒ" کے نام سے اکلوی مذکورہ نے شائع کی ہے۔ مگر اس میں حوالے نہیں دیئے گئے کہ اس کی تحقیقی حیثیت کا جائزہ لیا جا سکے۔ بہر صورت ان کی اہم

تالیف وہ مقالہ ہو گا جو چھپنے کے بعد ہر خاص و عام سے داد پائے گا اور حضرت سلطان العارفین کی زندگی کے کئی حالات کی نقاب کشائی کا موجب ہو گا۔

علاوہ ازیں پاکستان اور بھارت کے اکثر و بیشتر اخبارات و رسائل و جرائد میں وقتاً فوقتاً حضرت سلطان باھو کی حیات اور تعلیمات کے بارے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ جن کی ایک اچھی خاصی تفصیل سہ ماہی "دستگیر" کوئٹہ کے "حضرت سُلطان باھوؒ نمبر" (مطبوعہ جنوری ۱۹۹۱ء) میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی، حالات ما بعد الطبیعاتی عقائد و افکار اور تعلیمات کو سمجھنے کے لئے درج ذیل کتب سے خاصا استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ ابیاتِ باھوؒ معہ ترجمہ و شرح — ڈاکٹر سُلطان الطاف علی
۲۔ احوال و مقامات حضرت سُلطان باھوؒ — سیّد احمد سَعید ہَمدانی
۳۔ رسالہ رُوحی مع ترجمہ و شرح — سیّد احمد سَعید ہَمدانی
۴۔ رسالہ رُوحی خُرد مع ترجمہ و حواشی — سیّد احمد سَعید ہَمدانی
۵۔ Of The Spirit — سیّد احمد سَعید ہَمدانی
۶۔ "دستگیر" کا حضرت سُلطان باھوؒ نمبر — مدیرِ اعلیٰ: سُلطان ارشد القادری

(جملہ کتب مطبوعہ حضرت غلام دستگیر اکلوی، ناشاد بکس۔۶۵ ۔ ریگل پلازہ جناح روڈ کوئٹہ سے دستیاب ہیں۔)

راقم نے حضرت سُلطان باھوؒ پر پنجابی زبان میں اوّلین کتاب "مَردِ حقانی" بھی تالیف کی ہے جو کہ عنقریب حضرت غلام دستگیر اکلوی شائع کرے گی۔ یہ کتاب خصوصاً پنجابی زبان و ادب کے طالب علموں کے لئے خاصی مددگار اور کارآمد ثابت ہو گی۔

پنجاب یونیورسٹی لاہور کی ایم اے فلاسفی کی ایک طالبہ نے (افسوس ہے کہ نام یاد نہیں) حضرت سُلطان باھوؒ کے نظریۂ توحید پر ایک تحقیقی مقالہ لکھا جو کہ ابھی تک چھپا نہیں۔

پنجاب یونیورسٹی ہی کے شعبہ فائن آرٹس کی ایک طالبہ آنسہ فَرح زیبا نے

www.yabahu.com

حضرت سُلطان باھُو کے بعض ابیات کا پینٹنگ میں اظہار کیا ہے۔ جس کی نمائش کا اہتمام صاحبزادہ محمّد مقبول سُلطان اور سُلطان ارشد القادری نے "حضرت سُلطان باھُو کانفرنس" منعقدہ الحمرا' لاہور (۳۱ جنوری ۱۹۹۵ء) میں کیا تھا۔ یہ ہر دو کاوشیں قابلِ تحسین بھی ہیں اور دیگر طلبہ کے لئے قابلِ تقلید بھی۔

۱۹۹۴ء میں جنوبی افریقہ سے بھی انگریزی زبان میں حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ پر ایک شاندار کتاب Sultan Bahu - A Spirtual Biography شائع کی گئی ہے۔ جسے فقیر عبدالحمید سروری کلاچوی کے ایک خلیفہ فقیر سعید علی سروری قادری نے وہاں تالیف و طبع کیا ہے۔ افسوس کہ میں نے ابھی تک اس کتاب کا مطالعہ نہیں کیا لیکن یہ بھارت کے علاوہ بیرون ممالک سے شائع شدہ حضرت پر پہلی کتاب ہے جس کی جتنی بھی داد دی جائے کم ہے۔ جناب فقیر عبدالحمید صاحب سروری قادری (سجادہ نشین آستانہ نوریہ کلاچی) حضرت سُلطان العارفین کے فیض یافتہ خلیفہ حضرت نور محمّد قادری کلاچوی کے فرزند ہیں۔ وہ سلسلۂ عالیہ قادریہ سُلطانیہ کی تبلیغ و ترویج کے لئے ۱۹۸۵ء میں پہلی بار جنوبی افریقہ گئے اور اب تک کئی مرتبہ جا چکے ہیں اور وہاں حضرت سلطان باھو کے نام اور فکر کو عام کر رہے ہیں۔ (اس سلسلہ میں ان کا ایک مضمون "تاریک دُنیاؤں اور سیاہ خطّہ ہائے ارض میں حضرت سُلطان باھُو کی مشعلِ فقر کی ضیاء پاشیاں" سہ ماہی "دستگیر" کوئٹہ کے شمارہ جولائی ۱۹۹۳ء میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے)

"شمعِ جمال" کے نام سے راقم نے ایک کتاب مکمل کی جو کہ بقول سُلطان ارشد القادری (فلیپ نگار) "بلاشبہ اِسلام کی داخلی پَرت اور رُوح' "تصوّف" کی تاریخ بھی ہے' تعلیم بھی اور چشمۂ فیض بھی"۔ اس میں راقم نے فقر اور سلاسلِ فقر کے بانیان اور اساتذۂ تصوّف کی مختصر حیات' شجرہ ہائے طریقت' خدمات' تعلیمات اور سلسلہ کی خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔ جس میں ایک باب سلسلۂ سَروریہ قادریہ اور اس کے بانی حضرت سُلطان باھُو کے حوالہ سے ہے۔ اس کتاب کو بھی حضرت غلام دستگیر اکلوی نے اپنے طباعتی حُسن کے زیور سے آراستہ کر کے مارچ ۱۹۹۵ء میں شائع کیا ہے۔

نشر و اِشاعت کے اِدارے

جہاں تک مجھے یاد ہے جب جناب ڈاکٹر سُلطان الطاف علی صاحب کا مرتّبہ مجموعۂ "ابیات" چھپا' یا "احوال و مقالات" چھپی تو صرف ایک فعال ادارہ "بزمِ باھُو" لاہور (تاسیس ۔ ۱۹۷۲ء) موجود تھا۔ جس کے تحت راجہ رسالو صاحب اور میاں جاوید صاحب سالانہ "جشنِ باھُو" کرا دیا کرتے تھے۔ یا سُلطان العصر حضرت سُلطان غلام دستگیر القادری فخر کشمیر' (۱۹۱۹ء ۔ ۱۹۸۶ء) حضرت الحاج سُلطان نُور حُسین القادری (۱۹۲۱ء ۔ ۱۹۷۸ء) اور حضرت سُلطان محمّد مُشتاق القادری (۱۹۱۹ء ۔ ۱۹۶۷ء) کے قائم کردہ پنجاب' بلوچستان اور سندھ میں "مدارسِ انوارِ باھُو" تھے' جہاں دینی تعلیم سے طالبانِ علم کی سیرابی کی جا رہی تھی۔ لیکن تعلیمات حضرت سُلطان باھُو کی اشاعت کے لئے کوئی قابلِ ذکر اِدارہ موجود نہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کو بھی ابیات چھپوانے میں دِقت پیش آئی اور مجھے بھی مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ "احوال و مقالات" کے پہلے پبلشر نے اسے پانچ چھ سال بعد شائع کیا۔

پھر جناب صاحبزادہ سُلطان حمید کے زیرِ اِنصرام "حضرت سُلطان باھُو اکیڈیمی" لاہور کا قیام (۱۹۸۵ء) عمل میں آیا۔

اور ۲۰ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو "حضرت غُلام دستگیر اکلوی پاکستان" دربار حضرت سُلطان باھُو پر قائم ہوئی' جس کا ایک ذیلی دفتر آستانۂ دستگیر کچی بیگ' سَرِ آب روڈ کوئٹہ میں اور پھر رابطہ دفاتر ۷ سرا رائل پارک لاہور اور حق باھُو کلینک' محمّد آباد' سَتیانہ روڈ فیصل آباد میں قائم ہوئے۔

ان ہر دو اداروں کے تحت کتابیں شائع ہونے لگیں۔

پھر جولائی ۱۹۹۰ء میں جناب سُلطان ارشد القادریؒ اور صاحبزادہ محسن سُلطان کوئٹہ سے سہ ماہی رسالہ "دستگیر" شائع کرنے لگے۔ جس میں حضرت سلطان العارفین کی تعلیمات کو اوّلیت دی گئی اور آپ پر ہر شمارہ میں ایک گوشہ "فقر کا بادشاہ" مخصوص کر دیا گیا۔ ۱۹۹۱ء میں شائع ہونے والا "دستگیر" کا ضخیم "حضرت سُلطان

www.yabahu.com

باھُو نمبر" یقیناً" ایک قابلِ استحسان کارنامہ ہے۔

حضرت سُلطان باھُو کے اسمِ گرامی سے منسوب دیگر ادارے اور تنظیمیں بھی معرضِ وجود میں آتی گئیں، جن کی تفصیل (بشکریہ "دستگیر" حضرت سُلطان باھو نمبر) درج ذیل ہے۔

بزمِ باھُو پشاور ۔ تاسیس ۱۹۸۲ء ۔ صدر: پروفیسر ڈاکٹر کے بی نسیم

بزمِ باھُو اسلام آباد راولپنڈی ۔ تاسیس ۱۹۸۴ء ۔ صدر: ڈاکٹر مُبشر احمد ملک (ستارۂ امتیاز)

بزمِ باھُو بلوچستان، کوئٹہ ۔ تاسیس ۱۹۸۵ء ۔ بانی و نگرانِ اعلیٰ: ڈاکٹر سُلطان الطاف علی

بزمِ باھُو سندھ ۔ تاسیس ۱۹۸۶ء ۔ صدر: پروفیسر ڈاکٹر گُل حسن لغاری

انجمن غوثیہ عزیزیہ سُلطانیہ، دربار سُلطان باھُو ۔ تاسیس ۱۹۸۵ء ۔ بانی: صاحبزادہ سُلطان محمد صفدر علی رحمتہ اللہ علیہ ۔ مرکزی رہنما: صاحبزادہ سُلطان محمد اصغر علی

حضرت سُلطان باھُو ٹرسٹ، برمنگھم (انگلستان) چیئرمین: صاحبزادہ سُلطان نیاز الحسن، صاحبزادہ سُلطان فیاض الحسن۔

انجمن سُلطانیہ سروریہ عرفانِ باھُو ۔ (تاسیس ۱۹۸۵ء) بانی: حضرت سُلطان غلام سرور قادری رحمتہ اللہ علیہ

بزمِ غلامانِ باھُو ۔ فیصل آباد (تاسیس ۱۹۸۷ء) صدر: ڈاکٹر حافظ محمد بشیر احمد قادری

"حق باھُو کانفرنس"

پاکستان کے چند اہم شہروں میں اب ماشاء اللہ سالانہ "حق باھُو کانفرنس" کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ کی ابتدا تو سُلطان العصر حضرت سلطان غلام دستگیر القادری فخر کشمیر نوّر اللہ مرقدہ، کی زیر سرپرستی کوئٹہ سے ہوئی۔ جہاں اب بھی بزمِ باھو بلوچستان اور حضرت غلام دستگیر اکادمی ہر سال ۲۹ جولائی کو "کُل پاکستان حق باھُو کانفرنس" کا اہتمام کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں حضرت غلام دستگیر اکادمی، سبّی "بلوچستان" میں بھی سالانہ کانفرنس کراتی ہے۔ جب کہ ملتان میں بھی ارادت مندانِ حضرت سلطان باھُو صاحبزادہ الحاج سُلطان حامد نواز القادری کی زیرِ سرپرستی سالانہ کانفرنس

کرتے ہیں۔ لاہور میں خانوادہ حضرت سُلطان باھُو کے ارکان جناب صاحبزادہ سُلطان حمید، صاحبزادہ محمد مقبول سُلطان اور صاحبزادہ سُلطان ارشد القادری کی کاوشوں سے "حضرت سُلطان باھُو اکیڈیمی نے حضرت غلام دستگیر اکادمی کے تعاون سے ۳۱ جنوری ۱۹۹۵ء کو الحمرا ہال میں عظیم الشان "حضرت سُلطان باھُو کانفرنس" منعقد کرائی۔ امید ہے یہ سلسلہ سالانہ جاری رہے گا اور اسے مزید شہروں تک پھیلایا جائے گا۔

ان کانفرنسوں میں دانشور، صُوفیا اور عُلماء حضرت سُلطان العارفین کی حیات اور تعلیمات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ جن سے عوام النّاس اور نئی نسل خاطر خواہ استفادہ کرتی ہے۔ چہ جائیکہ ان کی اشاعتی کام جتنی مستقل اہمیت و افادیت نہ ہو پھر بھی یہ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے نام، کلام اور افکار کو عام کرنے کی اچھی کاوشیں ہیں۔

-☆☆☆-

www.yabahu.com

مخطوطات

وَالصُّحُفُ نُشِرَتْ

(اور جب صحائف کھولے جائیں گے)

حضرت سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ کی تصنیفات مخطوطات کی نقول کی شکل میں اب عقیدت مندوں تک پہنچنے لگی ہیں۔ فوٹو اسٹیٹ کی سہولت پیدا ہوئی تو کئی مُخیّر ارادت مندوں نے نقول تقسیم کرنی شروع کر دیں۔ اس سلسلہ میں فقیر محمد امیر اعوان ساکن چک شہزاد (اسلام آباد) نے بہت کام کیا۔ "رسالہ رُوحی خُرد" بھی انہوں نے لا کر میرے حوالے کیا تھا۔ اور بھی کئی لوگ ہیں جو یہ کام کر رہے ہیں ورنہ اس سے پہلے سلطان صاحب کی فارسی کُتب مشکل سے کہیں ملتی تھیں۔

اس کے باوجود یہ مخطوطات کی نقول اپنی اس حالت میں صرف تحقیق میں معاون ہو سکتی ہیں ان کو ایڈٹ کرنا اور صحیح تراجم کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ اہلِ قلم کے ایک طبقے کو اب اس کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ اور کسی نہ کسی طرح یہ کام جاری ہے۔

مخطوطات کی تحقیقی حیثیت کے بارے میں جناب سُلطان الطاف علی کا مضمون "دستگیر" کے حضرت سُلطان باھو نمبر میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے اعتراف فرمایا ہے کہ اب تک ان مخطوطات میں کوئی نسخہ ایسا نہیں مل سکا جو خود حضرت سلطان العارفین کے اپنے قلم سے لکھا ہوا ہو' سب درویشوں کے نقل کردہ ہیں (سُلطان باھو نمبر ص : ۱۹۹)

"دستگیر" کے مذکورہ نمبر میں اِس مضمون کے علاوہ مُدیرِ اعلیٰ سُلطان ارشد القادری کا "ضمیمہ قلمی نسخہ جات" (ص ۲۰۹ تا ۲۱۴) بھی تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے خاصے کی چیز ہے۔

اَسلُوب

حضرت سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ کے فارسی اسلوبِ نثر کے بارے صرف اس قدر مزید توجہ دلانے کی ضرورت ہے کہ ان کا اسلوب خالصتاً صُوفیانہ و فقیرانہ ہے۔ اس اسلوب میں یہ خصوصیات نمایاں ہوتی ہیں۔

۱۔ دَر اصل صُوفی مُرشد ایسی کتب اپنے درویشوں کو سبق دینے کے لئے لکھتے ہیں لہٰذا بہت سے نکات صرف درس کے دوران زبانی طور پر واضح کئے جاتے ہیں۔

۲۔ تحریر میں ایک پہلُو اَخفاء کا بھی ہوتا ہے کہ ہر کہ ومہ اسے بازیچۂ اطفال نہ بنا لے۔ صرف سمجھنے والے ہی سمجھ سکیں۔ صوفیاء اپنے علم کی بے قدری برداشت نہیں کر سکتے۔

۳۔ نظریہ و عمل میں حدِ فاصل ناپید ہوتی ہے۔ اس لئے سطحی نظر سے پڑھنے والا اسے گنڈ اور ژولیدہ سمجھتا ہے۔ مگر سالک اس کی باطنی ترتیب کے راز کو پا لیتا ہے۔

۴۔ وارداتِ رُوحانی اور اسرارِ مَعرفت کے بیان کے لئے ایک بڑا صُوفی اپنی اِصطلاحات وضع کرتا ہے۔ حضرت سُلطان باھُو کی کُتب میں ان کی فراوانی ہے۔

۵۔ حضرت سُلطان باھُو نے اپنی تحریر میں Scatter Method استعمال کیا ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نظم' نثر' حکایات اور تذکرہ احوال و مقامات سب کو بکھیر دیا گیا ہے' کہیں کہیں بظاہر تضاد کی صورت بھی پیدا ہو جاتی ہے مگر مطالعہ کرنے والے درویش اس پراگندہ طرز اور ژولیدہ بیان کے پیچھے پنہاں مقصود اصلی کو پا لیتے ہیں۔

۶۔ جب تک ان کتابوں کو بار بار نہ پڑھا جائے' ان کے معانی نہیں کُھلتے۔ لہٰذا سطحی نظر سے پڑھنے والا پریشان ہو کر ان کا مطالعہ چھوڑ بیٹھتا ہے اور ثابت قدم کتاب بین پر از خود خاصُ الخاص تعلیم کی گرہیں کُھلنے لگتی ہیں۔

www.yabahu.com

۷۔ صُوفیا کی کُتب میں کئی الفاظ خفیہ معانی رکھتے ہیں۔ ان کو حروفِ ابجد کے کوڈ سے منکشف کیا جاتا ہے۔ سُلطان باھُو قدس سرہٗ کے کلامِ نظم و نثر میں بھی اس کا اہتمام نظر آتا ہے، جیسا کہ فقیر نُور محمدؒ کلاچوی مرحوم نے "مخزن الاسرار" میں اس طرف اشارہ کیا ہے اور ایک دو مثالیں دی ہیں۔

سَیّد اَحمد سَعید ہَمدانی
نوشہرہ ۔ وادیٔ سُون
ضلع خُوشاب

۱۹ مارچ ۱۹۹۶ء

www.yabahu.com

کتابیات

(جن کے حوالے دیئے گئے ہیں یا جن سے اِس کتاب کی تیاری میں مدد لی گئی)

کُتب و رسائل: تصنیفات حضرت سُلطان باھُو قدس اللہ سِرّہٗ

اَبیاتِ حضرت سُلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ (پنجابی/ سرائیکی)
اسرارِ قادری
اَمیرالکونین
اَورنگ شاہی
تَوفیق الہدایت
تیغِ برہنہ
جَامع الاسرار
دِیوانِ باھُو (فارسی)
رسالہ رُوحی
شمس العارفین
عَقلِ بیدار
عَینُ الفقر
فضلُ اللّقاء
قُربِ دیدار
کلید التّوحید (خورد)
کلید التّوحید (کلاں)
کلیدِ جنت

گنج الاسرار
مجالسُ النبی ﷺ
محبّت الاسرار
محکُ الفُقرا (خورد)
محک الفقرا (کلاں)
محکم الفُقراء
مِفتاحُ العَارفین
نُورا لہُدیٰ (خورد)
نُورا لہُدیٰ (کلاں)

دیگر کُتب مَذہب و تصوّف

الانسان الکامل	عبدالکریم الجیلی رحمتہ اللہ علیہ
البُرہان المُؤید	سیّد احمد کبیر رفاعی رحمتہ اللہ علیہ
انفاس العَارفین	شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ
القول الجمیل	شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ
المعارف (اگست ۷۳ء)	(مضمون، مشہور عام احادیث) محمد جعفر پھلواری
اَنوارِ سلطانی : شرحِ ابیات	فقیر نُور محمّد کلاچوی رحمتہ اللہ علیہ
الوسیلہ	ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ
بہجۃُ الاسرار	نُورالدّین ابی الحسن رحمتہ اللہ علیہ
تاریخ ادبیات مُسلمانان پاک و ہند ۱۳-۱	زیرادارت : سیّد فیاض محمود
تاریخ مشائخ چِشت	خلیق نظامی
تذکرۂ غوثیہ	شاہ گُل حَسن رحمتہ اللہ علیہ
التعرف	امام ابوبکر الکلاباذی رحمتہ اللہ علیہ

تفہیمات	شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ
حقیقتِ وحدتُ الوجود	خواجہ عبدالحکیم انصاری رحمتہ اللہ علیہ
خزینتہ الاصفیا	مفتی غلام سَرور لاہوری
دلائل السّلُوک	مولوی اللہ یار خان
سماع موتیٰ	مولوی اللہ یار خان
شرح حکمتہ الاشراق	سید یٰسین علی نظامی
عِدۃُ السّالکین	صالح بن مبارک البخاری رحمتہ اللہ علیہ
عوارف المعارف	شیخ شہاب الدین عمر بن محمّد سہروردی رحمتہ اللہ علیہ
عِرفان (جلد اوّل و دوم)	فقیر نُور محمّد کلاچوی رحمتہ اللہ علیہ
فصُوص الحِکم	محیّ الدّین اِبن العربی رحمتہ اللہ علیہ
کتاب الرُّوح	حافظ اِبنِ قیمّ رحمتہ اللہ علیہ
کشف المحجوب	شیخ علی بن عثمان الہجویری رحمتہ اللہ علیہ
مخزنِ اسرار	فقیر نور محمّد رحمتہ اللہ علیہ
مثنوی مولانا رُوم	جلال الدّین رُومی رحمتہ اللہ علیہ
مَدارج النّبوۃ	عبدالحقّ محدّث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ
مکتوباتِ اِمام ربّانی	حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہ
مناقبِ سُلطانی	سُلطان حَامد رحمتہ اللہ علیہ
لمعات	شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ

اِقبالیات

اِقبال، نئی تشکیل	عزیز احمد
اِشاراتِ اقبال	میرولی الدین
ذکرِ اقبال	عبدالمجید سالک

www.yabahu.com

شعرِ اقبال	عابد علی عابد
فکرِ اقبال	خلیفہ عبدالحکیم
قرآنی تصوّف اور اِقبال	شاہ محمد عبدالغنی
کُلیاتِ اقبال، اردو	علاّمہ اِقبال رحمتہ اللہ علیہ
کُلیاتِ اِقبال، فارسی	علاّمہ اِقبال رحمتہ اللہ علیہ

متفرقات

رودِ کوثر	شیخ محمّد اکرم
پنجابی ادب دی تاریخ	ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ
شہادتِ حسین	مولانا ابوالکلام آزاد

BIBLIOGRAPHY

(1)- Punjabi Sufi Poets by Dr. Lajwanti

(2)- War of Succesion between the sons of Shah Jehann by Dr. A. Ghani

(3)- A sufi Saint of the Twelveth Ventury by Martin Lings.

(4)- Mysticism East and West by Rudalph Otto.

(5)- an Introduction to Sufi Doctrine by T. Borkherdt.

(6)- The Poets Works of Keats.

www.yaha